سیرۃ

(حضرت سیدۃ النساء ام المومنین)

نصرت جہاں بیگم

(متعنا اللہ بطول حیاتہا)

حصہ اول

مصنف (شیخ) محمود احمد عرفانی ایڈیٹر الحکم قادیان دارالامان

(ایڈیشن اول تعداد ۳۰۰۰)

قیمت ۳

LIBRARY
JAMIA HAMDARD
U27000
297.86092
I6S

SHAFI AHMAD COLLECTION
GIFTED BY:
SYED BARAKAT AHMAD
368

سیرت حضرت اُمّ المومنین

نصرت جہاں بیگم

حصّہ اوّل

مصنّفہ شیخ محمود احمد عرفانی ایڈیٹر الحکم قادیان

قیمت فی جلد	تاریخ اشاعت	تعداد اشاعت
تین روپے	یکم دسمبر ۱۹۲۳ء	۳۰۰۰

مطبوعہ انتظامی پریس حیدرآباد دکن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ——— نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

هُوَ النَّاصِرُ

COMPUTER GIFT

انتساب!

میں اِس قیمتی اور مبارک کتاب کو جو میری زندگی کا مایۂ ناز کام ہے۔ اور جسکی برکتوں کو میں نے ایک ملموس حقیقت کی طرح دیکھا اور پایا۔ کسی ایسے بے نفس بزرگ کے نام سے منسوب کرنی چاہتا تھا۔ جسکی محبّت اور وفاداری کی رُوح خود بخود اپنے لئے کوئی مقام بلند تیار کرے۔

چنانچہ میں نے کتاب کی مکمل اشاعت تک انتظار کیا اور خریداران یوسفؔ کے ہر سرمایہ اور پونجی پر نظر ڈالی۔ میں نے اُن کی رُوحِ مسابقت اور عشق و محبت کے ہر نشیب و فراز اور وادی کو خوب دیکھا۔ جن کا ذکر بجائے خود لذیذ اور دلچسپ ہے۔ مگر یہاں اس کی گنجائش نہیں۔ بہت سے جو محبت کے کوچے میں مجھے آگے نظر آتے تھے، بہت پیچھے نظر آئے۔ اور بہت سے تھے، جو بہت پیچھے نظر آتے تھے مجھے بہت آگے نظر آئے۔ اور اُن آگے نظر آنیوالوں میں سب سے آگے اور سب کے سالار

الحاج حضرت سیٹھ عبداللہ دین آف سکندر آباد

نکلے۔

277 86092
27000
JAMIA HAMDARD LIBRARY

جنہوں نے مجھ سے وعدہ کیا تھا۔ کہ اگر کتاب پانچ ہزار چھپے گی۔ تو وہ پانچسو کتاب خرید لیں گے۔ نیز یہ بھی وعدہ فرمایا تھا، کہ اسکی اشاعت میں ہر قسم کی مالی سہولت مہیّا فرمائیں گے۔ حضرت سیٹھ صاحب نے جو کہا اُسے پورا فرمادیا۔ میری محنت اور کوشش کبھی پروان نہ چڑھتی، اگر حضرت سیٹھ صاحب کی یہ معاونت مجھے میسّر نہ آتی۔

وہ خود، اُن کی بیگم صاحبہ، اُن کے بچّے، سب اسی رنگ میں رنگین مجھے نظر آئے۔ اس لئے میں اُن کی محبّت اور وفا

کی تسجیل

اس کتاب کو حضرت سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب مدظلہ العالی کے نام نامی سے منتسب کرنے سے کرتا ہوں۔

سیٹھ صاحب کی ذاتِ گرامی اِن چیزوں سے بالکل بالا ہے۔ اور اُن کا قلب نمود و نمائش سے بالکل خالی۔ مگر اللہ تعالیٰ کی بھی یہ سنّت ہے۔ کہ وہ اپنے پاکباز بندوں کے نام اور کام دُنیا میں زندہ رکھا کرتا ہے اس لئے میرا یہ فعل سُنّتِ الٰہیہ سے باہر نہیں۔

حضرت سیٹھ صاحب کی ایک مناسبت

ہمارے سلسلہ کو نور کیساتھ ایک بڑی مناسبت ہے۔ حضرت خواجہ محمدؐ ناصر صاحبؒ جو حضرت خواجہ میر دردؒ کے والد بزرگوار تھے۔ اُن کو ایک پیشگوئی میں بتلایا گیا، کہ جو روشنی اُن کو دی گئی ہے۔ یہ مسیح موعودؑ کی روشنی میں گم ہو جائے گی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق یہی

LIBRARY
JAMIA HAMDARD

پیشگوئی تھی، کہ وہ منارہ پر اتریں گے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اولاد کو نوروں کی تخم ریزی کرنیوالے ٹھہرایا گیا۔ الغرض نور اور روشنی کو اس سلسلہ سے بڑی مناسبت ہے۔

حضرت سیٹھ صاحب کے متعلق حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے ایک رؤیا دیکھا تھا۔ کہ وہ ایک تخت پر بیٹھے ہوئے ہیں اور ملائکہ اُن پر نور کی بارش کر رہے ہیں۔

پس ان کے وجود کو اس نور سے جو مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعے دُنیا کو ملا ایک مناسبت ہے۔ اسلئے میرے نزدیک وہی ان فداکاروں میں سے پہلے مستحق ہیں۔ کہ اس مبارک کتاب کو اُن کے نامِ نامی سے منسوب کروں۔

اللہ تعالیٰ سے میری دُعا ہے، کہ وہ حضرت سیٹھ صاحب کی اس پاکیزہ قربانی اور دیگر تمام قربانیوں کو قبولیت کے ہاتھوں سے لے اور ان سب کا اجر عظیم دے۔ آمین

اسی سلسلہ میں میں حضرت سیٹھ صاحب سے عرض کرونگا۔ کہ عشق و محبت اور وفا کا مقام اتنا ہی آگے بڑھتا ہے، جتنا کہ عاشقِ جانباز آگے بڑھتا جاتا ہے

پس

نرخ بالا کُن کہ ارزانی ہنوز!

محمود احمد عرفانی

مصنف کتاب سیرت حضرت ام المومنین نصرت جہان بیگم

قادیان دارالامان

۲۵۔ نومبر ۱۹۴۳ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۝ نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم ۝

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھُوَ النَّاصِرُ

تمہید

گذشتہ سال ۱۹۴۲ء میں میں نے اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحم سے ایک کتاب "مرکز احمدیت قادیان" نامی تصنیف کی۔ جب میں یہ کتاب لکھ رہا تھا۔ انہی ایام میں میرے قلب میں ایک زبردست لہر پیدا ہوتی تھی۔ کہ میں دنیا کی اس ممتاز ترین خاتون کی سیرت و سوانح لکھوں، جسے تیرہ صدیاں گذرنے کے بعد مومنوں کی ماں بننے کا شرف حاصل ہوا۔ اور جس کے وجود سے وہ نور پیدا ہوئے جن کے ذریعے سے آئندہ دنیا کی آبیاری کی جائے گی۔

مگر

قدرت کی نیرنگیاں ہیں، کہ میں سالانہ جلسہ کے بعد کھانسی کی تکلیف میں مبتلا ہوگیا۔ میرا ارادہ تو یہ تھا، کہ میں جنوری ۱۹۴۳ء کے آغاز میں ہی اس کام کو شروع کرسکوں گا۔ مگر مشیّتِ الٰہی کچھ اور چاہتی تھی۔ اس لئے میری کھانسی کی یہ حالت ہوئی۔ کہ ع

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

مرض نے بڑھتے بڑھتے مجھے اس حد تک لاچار کردیا، کہ میں بالکل چلنے پھرنے اور اُٹھنے بیٹھنے سے مجبور ہوگیا حتّٰی کہ ڈاکٹروں کی رائے میں میں تپ دق کا بیمار قرار دیا گیا مجھے ان گھڑیوں میں جبکہ میں مرض کے شدید پنجے میں گرفتار

تھا۔ جن امور کا رنج اور خیال تھا، اُن میں سے ایک یہ امر بھی تھا۔ کہ مَیں جو کام کرنا چاہتا تھا، اس سے محروم رہتا ہوا نظر آتا ہوں۔ اِن امور کی وجہ سے میرے اندر ایک کرب کی کیفیت پیدا ہوتی تھی۔ اور مَیں بیقرار ہو کر خدا سے دُعا مانگتا تھا کہ وہ مجھے اپنے فضل سے صحتیاب کر دے۔ میرے بزرگ اور میرے احباب اور بھائی بھی بکثرت دعاؤں میں مشغول تھے۔ اسی حالت میں مادرِ مہربان حضرت ام المومنین اطال اللہ عمرہا نے بھی اپنی خادمہ کے ذریعے دو دفعہ میری حالت دریافت فرمائی۔ اور اپنی شفقت کے اظہار کے لئے کہلوایا۔ کہ "آپ میرے لئے دُعا فرما رہی ہیں۔ اِن الفاظ میں ایک بڑی برکت اور تسلی تھی۔ جس نے میرے قلب کو ڈھارس دی۔ اور مَیں روز بروز اپنی بیماری میں کمی اور اپنی صحت میں ترقی محسوس کرنے لگا۔ حتیٰ کہ آج ۱۹ر مارچ ۱۹۴۳ء بروز جمعۃ المبارک اس قابل ہو گیا۔ کہ مَیں اپنا قلم اُٹھا سکوں۔

سو مَیں نے اللہ تعالیٰ کا نام لیکر اس مبارک خاتون کی سیرت و سوانح کا آغاز کر دیا ہے

میرے معالج اگرچہ مجھے ابھی تک لکھنے کے کام کی اجازت نہیں دیتے مگر مَیں یقین کرتا ہوں۔ کہ تھوڑا تھوڑا کام میرے لئے غذائے روح کا کام دیگا۔ اور ایک بابرکت وجود کا ذکر میرے لئے بھی برکت کا باعث ہو گا۔

اس لئے باوجود بیماری اور کمزوری کے میں اس کام کو شروع کر رہا ہوں اللہ تعالےٰ سے اُمید ہے۔ کہ وہ خود اس کی تکمیل کے سامان مہیا فرما دے گا۔ کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جنکے ساتھ خدا تعالےٰ کی معیت اور نصرت ہے۔ اور خدا تعالےٰ نے بارہا اپنی وحی میں جو اپنے بندے، اس زمانہ کے راستباز مامور مرسل پر نازل فرمائی، اس معیت اور نصرت کا وعدہ فرمایا ہے اور فرمایا۔

کہ اِنِّیْ مَعَکَ وَمَعَ اَھْلِکَ اور پھر فرمایا۔ کہ اِنِّیْ مَعَکَ وَمَعَ اَھْلِکَ ھٰذِہٖ۔ اس قسم کی صدہا بشارتیں اور نصرتیں آپ کے وجود باجود کے لئے ازل سے مقدر ہیں۔ اس لئے میں یقین رکھتا ہوں۔ کہ اس تصنیف کے ساتھ مجھے بھی برکت دیجائے گی اور کیا عجب کہ میں تنومند اور صحت مند کیا جاؤں۔

میں اس قدر اس تمہید کو لکھ چکا تھا۔ کہ حضرت ام المومنین ایدہا اللہ بنصرہ العزیز کی خادمہ میرے نیچے کے کمرے کے سامنے آکھڑی ہوگئی اور اس نے مجھے کہا۔ کہ میں اماں جان کیطرف سے آپ کے لئے تبرک لیکر آئی ہوں۔ میرا سر نیازمندی اور احسان کی رُوح سے جھک گیا۔

اس تبرک کے بھیجے جانیکی وجہ یہ تھی، کہ میں نے اپنی بیماری کے ایام میں ایک خواب دیکھا۔ کہ حضرت ام المومنین ایدہا اللہ نے مجھے اور میرزا سلیم بیگ صاحب کو ایک برتن میں کھانا دیا جو ہم دونو نے کھایا۔ اِدھر میں نے یہ خواب دیکھا۔ اُدھر حضرت والد صاحب نے سکندرآباد سے مجھے لکھا۔ کہ حضرت ام المومنین ایدہا اللہ بنصرہ العزیز کا تبرک منگوا کر کھاؤ۔ کہ اس میں برکت اور شفاء ہوگی۔ اس خواب اور اس ارشاد کی تعمیل میں میری رفیقہ حیات نے حضرت ام المومنین کی خدمت میں حاضر ہوئی اور ان سے دُعا کی درخواست کے بعد تبرک کی درخواست کی۔ جو آپ نے بڑی خوشی سے منظور فرمائی۔ ان دنوں میں حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز سندھ میں تشریف فرما ہیں۔ اسلئے حضرت ام المومنین ایدہا اللہ بنصرہ العزیز اکثر وقت اپنے برادر محترم یعنی حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب سول سرجن کے ہاں گذارا کرتی ہیں۔ آپ نے درخواست سُن کر فرمایا۔ کہ ہاں بہت اچھا، مگر جبکہ میں گھر یعنی "الدار" میں آجاؤں گی اُسوقت بھیجونگی۔ چنانچہ اس بات پر تقریباً ۵، ۶ دن گذر چکے تھے۔ کہ حضرت ممدوحہ نے

اپنے اِس ناچیز خادم کی درخواست کو یاد رکھا۔ اور خود بخود ہی کھانا بھجوا دیا۔

یہ بات اگرچہ معمولی ہے، مگر اس کے اندر جو رُوح اور جو شفقت کام کر رہی ہے۔ وہ بہت بڑی ہے۔ حضرت ممدوحہ کی رُوح تو فیاضیوں سے بھری ہوئی ہے۔ آپ کے احسانات ہزارہا لوگوں پر ہیں۔ اُن کا ذکر بھی اصل کتاب میں اپنی جگہ آجائے گا۔ وباللہ التوفیق۔ اور وہ جو کچھ ہوگا، آپ کے جود و کرم کے سمندر سے ایک قطرہ ہی ہوگا۔

میری بچپن کی زندگی کا ایک واقعہ

میری پیدائش اکتوبر ۹۷ء میں ہوئی۔ ۹۸ء میں والد صاحب قادیان ہجرت کر کے آگئے تھے۔ اُن کا معمول یہ تھا۔ کہ وہ اخبار کے کام امرتسر جاتے رہتے تھے۔ یا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مقدمات کے سلسلہ میں گورداسپور جایا کرتے تھے۔ گھر میں مَیں ایک ننھا بچّہ اور والدہ صاحبہ ہوتی تھیں۔ اسلئے تنہائی سے بچنے کے لئے حضرت والدہ صاحبہ مجھ کو لیکر حضرت اُم المومنین ایدہا اللہ کے پاس چلی جایا کرتی تھیں۔ میری والدہ صاحبہ کو یہ شرف حاصل تھا۔ کہ حضرت اُم المومنین اُن کو محبت سے "بہو" کے لقب سے پکارا کرتی تھیں۔

مَیں اگرچہ دو اڑھائی سال کا بچّہ تھا، مگر گوشت کو بہت پسند کرتا تھا۔ حضرت اُم المومنین ایدہا اللہ کے باورچی خانے میں گوشت بھُونا جا رہا تھا۔ مَیں یہ دیکھکر رونے لگا اور ضد کرنے لگا۔ میری والدہ صاحبہ جنہوں نے بارہا ہنستے ہوئے مجھے یہ کہانی سُنائی، فرمایا کرتی ہیں۔ کہ مَیں تم کو اندر ہی اندر روکنے کی کوشش کرتی تھی۔ کہ حضرت اُم المومنین کی نظر پڑ گئی۔ فرمایا بہو! بچّہ کیوں

روتا ہے؟ والدہ نے کہا۔ نہیں جی کچھ نہیں۔

فرمایا۔ نہیں۔ کچھ تو ہے۔ بتلاؤ۔ تب والدہ نے ندامت کے رنگ میں دبی زبان سے کہا۔ کہ بوٹی مانگتا ہے۔ یہ سُنکر پکانیوالی کو حکم دیا۔ کہ جلدی دو۔ اور اپنے سامنے ایک برتن میں کچھ بوٹیاں نکلوا کر دیدیں۔ میری والدہ صاحبہ بتلایا کرتی ہیں۔ کہ میں وہ گرم گرم بوٹیاں کھاتا جاتا تھا اور مُنہ سے رال سی ٹپکتی تھی۔ اِس واقعہ کا مجھے بارہا لطف آیا۔ اور میں نے اِس واقعہ کے اندر بارہا اس سیر چشمی اور کرم کو دیکھا۔ جو آپ کی فیاضی طبیعت میں موجود تھا۔

عام طور پر ہم اپنے گھروں میں دیکھتے ہیں۔ کہ گھر میں آنیوالی مستورات کے بچّوں کی ایسی خواہشوں کیطرف کبھی توجہ نہیں دیجاتی۔ مگر آپ کا ایک دو اڑھائی سال کے بچے کی خواہش کا اس طرح کرید کر معلوم کرنا اور پھر اسکو سیر چشمی سے پورا کرنا۔ یہ آپ کی فیاضیٔ فطرت کا ایک ننھا نمونہ تھا۔ چنانچہ آج بھی جب تبرک آیا۔ تو مجھے حضرت اماں جان کا وہ لطف و احسان جو مجھے آج سے چوالیس سال قبل ہوا تھا، یاد آیا۔ اور پھر آج کا لطف و احسان بھی۔ تو میرے دل میں انکے لئے شکر گذاری کے جذبات پیدا ہوئے۔ اور میں نے شکر گذاری کے ساتھ اسی واقعہ کو اس کتاب کی تمہید میں درج کر دیا۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے۔ کہ وہ حضرت ممدوحہ موصوفہ کی عمر اور صحت میں برکت دے۔ اور انکو ہر قسم کے انعاماتِ الٰہی سے دائمی ابدی طور پر مالا مال کرے آمین +

۱۹ر مارچ ۱۹۴۳ء   محمود احمد عرفانی

رحمۃ اللہ وبرکاتہ علیکم اہل البیت

اہل بیت حضرت مسیح موعود علیہ السلام

مکرم و محترم جناب قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل کی زبانِ قلم سے

اے خاندانِ حضرتِ مہدیؑ امامِ حق
تم سے ہوا بلند زمانے میں نامِ حق

تم ہی تو ہو کہ جن کے مبارک وجود سے
پہنچاتے ہیں ملائکۃ اللہ سلامِ حق

پھیلی تمہارے دم سے زمانے میں روشنی
پھوٹا ہے ایک چشمۂ نورِ کلامِ حق

تم ہو خدا کے ساتھ خدا ہے تمہارے ساتھ
ہم نے ہزار بار سُنا یہ پیامِ حق

تم پر خدا کی رحمتِ خاصہ کا ہے نزول
قائم ہوا تمہیں سے یہ سارا نظامِ حق

لاریب تم ہو فارسی الاصل وہ رجال
وابستہ جن کی ذات سے ہوگا قیامِ حق

ایمان لانے والے ثریا سے تم ہی ہو
ہاں ہاں تمہیں نے آکے دکھایا مقامِ حق

تم ہو امانِ اہلِ زمیں ۔ جانِ علم و دیں
تم سے ملے گا جسکو ملے گا مرامِ حق

تم ہو نجوم جن سے ہدایت کی رہ ملی
محمود کا وجود ہے، ماہِ تمامِ حق

تطہیر پر تمہاری ہے شاہد خدائے پاک
تقویٰ سے بن گئے ہو، ائمہ کرامِ حق

ہر رِجس سے ہو پاک۔ سراپا ہی نور ہو
روشن تمہارے نام سے ہوتا ہے نامِ حق

بدگو وہی ہے، جس کو برائی سے پیار ہے
جو نیک ہے کریگا ضرور، احترامِ حق

ازواج و اُمّہات و بنات و بنینِ بیت
واللہ! سب کے سب ہیں مجسّم نظامِ حق

اَے اُمّ مومنین! تری شان ہے بلند
پہلو میں تیرے اُترا کیا ہے پیامِ حق

کیا وصف لکھ سکے۔ یہ حقیر و فقیرِ قوم
تُو خَلق و خُلق میں ہے بشانِ دوامِ حق

روزِ ازل سے تا بہ اَبَد کائنات میں
مخصوص ہے ترے لئے دارالسّلامِ حق

قوموں کی ماںؔ ہے۔ اُنکی ترقی کی جاں ہے تُو
جاری رہے گا تجھ سے یہ فیضانِ عامِ حق
آیندہ آنے والی خواتین مبارکہ

اور ہونے والے سارے ائمہ عظامِ حق
تیرے ہی دم قدم سے ہیں وابستہ سب کے سب
بھیجا کریں گے تجھ پہ درود و سلامِ حق
امید ہے کہ دل سے بھلایا نہ جائے گا
عاصی گناہ گار یہ اکمل غلامِ حق
اندھے نہیں ہیں، دیکھتے ہیں عقل رکھتے ہیں
یہ گھر زمانے بھر میں ہے بیت الحرامِ حق
دامن تمہارا پاک ہے ہر نقص و عیب سے
وہ مشک ہو کہ جس سے معنبر مشامِ حق
مدّاحِ اہلِ بیتِ مسیحِ محمّدی
اکمل تمہارا خادم و سرمستِ جامِ حق

حضرت ام المومنین کی سیرت وسوانح لکھنے سے قبل کچھ

(۱)

اللہ تعالیٰ کی قدرتیں ایسی عجیب ہوتی ہیں، کہ انسان انکو دیکھکر محوِ حیرت ہو جاتا ہے۔ بنی اسرائیل کے گھرانے کا نجات دہندہ خدا کا پیارا نبی موسےٰ فرعون کے گھر میں پرورش پاتا ہوا اور جب اُس کی ماں بنی اسرائیل کے دیگر بچوں کے انجام کو دیکھتی ہوئی گھبرائی، تو الہیٰ دستگیری سے اُسے نیل میں بہا دیتی ہے۔ جسے فرعونی خاندان کی ایک عورت بچا لیتی ہے۔ اور باوجود فرعون کے فرمان کی موجودگی کے وہ اسرائیل جس کے لئے مقدر تھا۔ کہ وہ اس فرعونی سلطنت کا خاتمہ کردیگا، قصرِ فرعونی میں پرورش پاتا ہے۔

پھر دوسرے دَور میں وہ ایک کس مپرس انسان کیطرح مصر سے بھاگتا ہے۔ حضرت شعیبؑ کی بکریاں چراتا ہے۔ کون جانتا تھا۔ کہ یہ شخص جو آج سر چھپانے کے لیے جگہ نہیں پاتا، وہ کل سارے بنی اسرائیل کا بادشاہ قرار دیا جائیگا۔ اور اُس کا وجود اسرائیل کے لئے ایک نئی سلطنت کی بُنیاد رکھنے کا باعث قرار پایا جائے گا۔

(۲)

وادیٔ فلسطین میں زیتون کی جھاڑیوں کے پاس بیت المقدس کی پہاڑی پر ایک عورت کا بیٹا جو منشاءِ الٰہی سے پیدا ہُوا۔ تاکہ دُنیا پر خدا تعالیٰ کی ایک خاص

قدرت نمائی کا اظہار کرے۔ جب چلنا پھرنا نظر آتا تھا۔ تو لوگ اُس پر طعنہ زن ہوتے تھے۔ اُس کی ہنسی اُڑائی جاتی تھی۔ اُس پر مذاق کیا جاتا تھا۔ بالآخر اُس پر مقدمات بنائے گئے۔ عدالتوں میں کھینچا گیا۔ خدا کی وسیع زمین باوجود بڑی وسعت کے اُس پر اِس حد تک تنگ ہوئی۔ کہ اس نے کہا :-

"پرندوں کے لئے بسیرے اور لومڑیوں کے لئے بھٹ ہیں۔ مگر
ابن آدم کے لئے سر چھپانے کی جگہ نہیں"

اس کے سر پہ کانٹوں کا تاج رکھا گیا۔ اس کے مُنہ پر طمانچے مارے گئے۔ اسکی پیٹھ پر لکڑی کی بھاری صلیب لادی گئی۔ اور بالآخر صلیب پر لٹکا دیا گیا۔ گو خدا کے ہاتھ نے اُسے موت سے بچا لیا۔ مگر مارنے والوں نے اسے مُردہ جانکر پھینک دیا۔

لیکن

انکو کیا معلوم تھا۔ کہ یہ انسان جس پر آج زمین تنگ کی جا رہی ہے۔ جو لوگوں کی نگاہ میں ذلیل اور حقیر ٹھہرایا جا رہا ہے۔ اس کی لعنت ایک آگ ہے۔ جو یہودی قوم کو دُنیا و آخرت میں جہنم کی بھٹیوں میں بھسم کر دے گی۔ اور اس کے ماننے والوں کو دُنیا کی ایک ایسی سیادت اور حکومت دی جائیگی۔ کہ صدیوں تک قوموں پر حکمرانی کرتے رہیں گے۔

افسوس! ان مصیبتوں کے طوفان میں تھپیڑے کھانیوالا مسیح عیسےٰ ابن مریم کسی کو اپنی درخشان شان میں نظر نہ آتا تھا۔

(۳)

پھر ایک تیسرا نظارہ وادیٔ بطحا میں ہم دیکھتے ہیں۔ قوموں، ملکوں بلکہ دُنیا کا نجات دہندہ۔ شاہنشاہِ رسالت ہمکو کبھی بکریوں کے چرواہے کی شکل میں نظر آتا ہے۔ اور کبھی شام کے تاجروں میں خدیجہؓ کا مالِ تجارت لیکر

بیٹھا ہوا۔ کبھی مکہ کی گلیوں میں آپؐ کی ایسی مخالفت ہوتی ہے۔ کہ آپؐ کو اپنے دروازے بند کر کے محصور ہونا پڑتا ہے۔ آپؐ کے سر مبارک کی قیمتیں ڈالی جاتی ہیں۔ اور ہر قسم کے مظالم کا آپؐ کو نشانہ بننا پڑتا ہے۔ حتیٰ کہ آپؐ مجبور ہوتے ہیں۔ کہ وطن کو خیرباد کہدیں۔ یہ یتیم، غریب، فاقہ زدہ، غریب الوطن۔ مہاجر اور بظاہر مصیبتوں کے پہاڑ سر پر اٹھانیوالا انسان لوگوں کو نظر نہ آتا تھا۔ کہ یہ ہی نبیوں کا چاند ہے۔ اسی پر دُنیا کی رستگاری کا انحصار ہے یہی ہے وہ جسکا مقام اس قدر بلند ہے۔ کہ لولاک لما خلقت الافلاک کہا گیا ہے۔

مگر

ظاہر بین آنکھوں کو یہ سب نور نظر نہ آئے۔ نہ ان سے پہلے اور نہ اُن کے بعد اُن کے لئے یہ مشکلات ایک حجاب اکبر بنکر رہ گئے۔

(۴)

خود اِس زمانے کا راستباز احمدؑ نبی بھی لوگوں کو نظر نہ آیا۔ اُن کے لئے آپؑ کی زمینداری، آپؑ کی اطاعت والدین کے سلسلہ میں باوجود شدید کراہت نفس کے کچھ عرصہ کی ملازمت۔ آپؑ کی ابتدائی زمانہ کی تنگی روک بنکر رہ گئی اور انہوں نے بلند و بالا آواز سے کہا۔ کہ قادیان کے مغلوں میں سے جو کل ایک معمولی اہلکار تھا، کیسے خدا کا نبی اور رسول ہو سکتا ہے۔

وہ بھول گئے۔ کہ نمرودیوں کی شریعت اور قانون کی رُو سے آگ میں جلایا جانے والا مجرم اگر اپنے زمانے کا سب سے بڑا نبی اور ابوالانبیاء بن سکتا۔ شعیبؑ کی بکریاں چرانیوالا نوجوان جو قانونِ فرعونی کا مجرم سمجھا گیا تھا، اپنے زمانے کا سب سے بڑا نبی ہو سکتا ہے، اور بنی اسرائیل کا نجات دہندہ بن سکتا ہے۔

بنی اسرائیل کے طمانچے کھانیوالا مسیحؑ جس کے مُنہ پر تھوکا بھی گیا تھا اور جسے

ذلیل کرنیکے لئے کانٹوں کا تاج پہنایا گیا تھا۔ وہ سچ مچ کا بادشاہ بن جائے گا۔ اور اس کی سلطنت کو لوگ قیامت تک مانتے چلے جائیں گے۔

توکیوں

اِس زمانے کا مُرسَل اور نبی ان ظاہری ناموافق حالات کا، اس زمانہ کا نجات دہندہ نہیں بن سکتا؟

ہاں

تو اِن نظائر اور امثلہ کے لکھنے سے میری غرض یہ ہے۔ کہ خدا تعالیٰ جب اپنی کسی خاص قدرت کا اظہار کرنا چاہتا ہے۔ تو وہ اس اظہار قدرت کے لئے بالکل ناموافِق حالات کا ظہور عمل میں لایا کرتا ہے۔ خدا تعالےٰ کی یہ قدرت خواہ کِسی خاص مرد کو عالمِ وجود میں لانیوالی ہو، یا کسی خاص عورت کو، یا کِسی اور انقلاب کو۔ تو ان ناموافق حالات میں سے ایک چیز پیدا ہو جاتی ہے۔ جو عدم بصیرت رکھنے والوں کے لیے ٹھوکر کا باعث بنجاتی ہے۔ اور اہلِ بصیرت کے لئے

باعثِ نجات

اِس زمانہ کی سب سے بڑی خاتون یعنی حضرت امّ المومنین، جن کا مقام حضرت مریمؑ۔ یا حضرت خدیجہؓ یا حضرت عائشہؓ یا اُن عورتوں کے برابر ہے۔ جنکو خدا تعالےٰ نے

دو جہانوں میں فضیلتِ عظمیٰ عطا فرمائی ہے

حضرت اُمّ المومنین اگرچہ بہت بڑے صحیح النسب سادات کے خاندان میں پیدا ہوئیں۔ مگر قدرت نے آپ کے خاندان کو ایسے حالات سے گذارا کہ کبھی کوئی یہ باور نہیں کر سکتا تھا۔ کہ جو لڑکی ایسے خاندان میں پیدا ہوئی ہے جسکی

تفصیل میں آگے چل کر بیان کروں گا۔ وہ ایک دن اس زمانہ کے نبی اور رسولؑ کی بیوی بنکر قیامت تک کے لیے مومنوں کی ماں بنجائے گی۔

حالات بالکل غیر سازگار تھے۔ صدہا حجاب اور پردے اِس راستے میں حائل تھے۔ اگر نواب روشن الدولہ، رستم جنگ۔ اگر نواب خانِ دوران منصور جنگ۔ نواب قمر الدین خان وزیر اعظم سلطنتِ مغلیہ۔ نواب احتشام خان داروغہ محلّات شاہی زندہ ہوتے، جن کے محلات پر ہاتھی کھڑے رہتے تھے۔ نوکر چاکر۔ خدم حشم۔ دولت و ثروت کے دریا بہتے تھے وہ شاید حضرت امّ المومنین کا رشتہ حضرت مسیح موعودؑ سے کرنے کے لئے تیار ہی نہ ہوتے۔

پھر غدر کے پراگندہ اور پریشان حالات میں سے گذرنے والے ایک خاندان کی لڑکی جس کا باپ اپنے عقائد کے لحاظ سے کٹر وہابی تھا۔ اور پھر ایک خاندان دلی میں رہنے والا۔ اور دوسرا پنجاب کے ایک ایسے گاؤں میں بستا تھا، جسے دُور کا رہنے والا تو ایک طرف رہا، قریب کے علاقے میں رہنے والا انسان بھی نہیں جانتا تھا

مگر

قدرتِ الٰہی کے خوارق اور خاص نشانات اس تعلق میں بالکل اسی طرح نظر آتے ہیں۔ جیسے دیگر انبیاءؑ کے حالات میں نظر آتے ہیں۔ اس لئے اس کتاب کو پڑھنے والے مرد اور عورتیں، بوڑھے اور بچے اس کو پڑھنے سے پہلے اپنے ذہن میں اس امر کو مستحضر کرلیں۔ کہ یہ ایک ایسی باخدا خاتون کی سیرت و سوانح ہے۔ جو اس زمانے کے نبی اور رسولؑ کی بیوی بنی۔ اور خدا تعالےٰ کی مشیّتِ خاص نے اسے خاص حالات میں پیدا کیا۔ اس کے خاندان پر غدر میں ایک تباہی آئی۔ وہ تباہی ایک خاص الٰہی نصرت کا ہی نتیجہ تھی۔ اس لڑکی کا باپ خاص

حالات کے ماتحت پنجاب میں آیا۔ اور پنجاب میں بھی اُس علاقے میں جہاں آیئندہ ہونے والے حالات کا شدید تعلق تھا۔

اِس طرح بالکل عجیب طور پر اِس خاندان کے اس زمانے کے ہونے والے نبی اور رسول کے خاندان سے یہاں تعلقات قائم ہو گئے۔

اور بالآخر

بالکل ناموافق حالات میں سے موافق صورت پیدا ہو گئی۔ اور اللہ تعالیٰ کی مشیّتِ خاص اس لڑکی کو دُلہن بنا کر اِس گھر میں لے آئی۔

جو گھر آج بنی اسرائیل، بنی اسمٰعیل اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نعمتوں کا وارث ہو رہا تھا۔ اسکے سر پر تاج نوعروسی سجایا گیا! ور اُسے اس دُنیا کے آخری حصّہ میں سب سے بڑے راستباز کی دُلہن بنایا گیا۔ اسکے بطن سے الٰہی نور پیدا ہوئے۔ کہ آئیندہ دُنیا کی نجات، امن اور روحانی اور دُنیاوی ترقیوں کا انحصار انکی ذات پر رکھا گیا۔ وہ الٰہی برکتوں کی آغوش میں بڑھی، اسکو معیّتِ الٰہی کا وعدہ دیا گیا۔ وہ نور ہی نور ہے، وہ سراپا برکت ہی برکت ہے، وہ خدا کے نشانوں میں سے ایک زبردست نشان اور وہ تجلّیاتِ الٰہیہ کا ایک مرکز قرار دی گئی۔ اسکے وجود سے دینِ الٰہی کو بڑی قوت اور طاقت حاصل ہوئی اور ہوتی چلی جائیگی

کسی کو معلوم بھی نہ تھا

کہ میر ناصر نواب کے گھر میں پیدا ہونیوالی لڑکی ایکدن قیامت تک کیلئے اُم المومنین بنجائیگی۔ خدا تعالیٰ نے حضرت اُم المومنین کے وجود سے بہت سی برکتیں عطا کرنیکا وعدہ فرمایا۔ چنانچہ ایک اشتہار میں جو آپ نے ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کو شایع فرمایا، لکھا :-

"تیرا گھر برکت سے بھریگا اور میں اپنی نعمتیں تجھ پر پُوری کرونگا اور خواتین مبارکہ سے

جن میں سے تو بعض کو اسکے بعد پائیگا تیری نسل بہت ہوگی۔ اور مَیں تیری ذرّیت کو بہت بڑھاؤنگا۔ اور برکت دونگا۔ مگر بعض ان میں سے کم عمری میں فوت بھی ہونگے۔ اور تیری نسل کثرت سے ملکوں میں پھیل جائے گی۔ اور ہر یک شاخ تیرے جدّی بھائیونکی کاٹی جائیگی۔ اور وہ جلد لاولد رہکر ختم ہو جائیگی۔ اگر وہ توبہ نہ کرینگے۔ تو خدا اُن پر بلا پر بلا نازل کریگا یہاں تک کہ وہ نابود ہو جائینگے۔ اُن کے گھر بیواؤں سے بھر جائینگے، اور اُن کی دیواروں پر غضب نازل ہوگا۔ لیکن اگر وہ رجوع کرینگے۔ تو خدا رحم کیساتھ رجوع کریگا۔ خدا تیری برکتیں ارد گرد پھیلائیگا۔ اور ایک اُجڑا ہُوا گھر تجھ سے آباد کریگا۔ اور ایک ڈراؤنا گھر برکتوں سے بھر دیگا۔ تیری ذُرّیت منقطع نہیں ہوگی اور آخری دنوں تک سرسبز رہیگی۔ خدا تیرے نام کو اس روز تک جو دُنیا منقطع ہو جائے۔ عزّت کیساتھ قائم رکھیگا اور تیری دعوت کو دُنیا کے کناروں تک پہنچا دیگا۔ مَیں تجھے اُٹھاؤنگا۔ اور اپنی طرف بلاؤنگا۔ پر تیرا نام صفحۂ زمین سے کبھی نہیں اُٹھیگا۔ اور ایسا ہوگا کہ سب وہ لوگ جو تیری ذِلّت کی فکر میں لگے ہوئے ہیں اور تیرے ناکام رہنے کے درپے اور تیرے نابود کرنے کے خیال میں ہیں وہ خود ناکام رہینگے۔ اور ناکامی اور نامرادی میں مرینگے لیکن خدا تجھے بکلّی کامیاب کریگا۔ اور تیری ساری مرادیں تجھے دیگا۔ مَیں تیرے خالص اور دلی محبّوں کا گروہ بھی بڑھاؤں گا۔ اور اُن کے نفوس و اموال میں برکت دوں گا۔ اور اُن میں کثرت بخشوں گا۔ اور وہ مسلمانوں کے اس دوسرے گروہ پر تا بروز قیامت غالب رہینگے۔ جو حاسدوں اور معاندوں کا گروہ ہے۔ خدا انہیں نہیں بھولے گا۔ اور فراموش نہیں کرے گا۔

اور وہ علی حسب الاخلاص اپنا اپنا اجر پائیں گے۔ تو مجھ سے ایسا ہے جیسے انبیاء بنی اسرائیل۔ (یعنی ظلّی طور پر ان سے مشابہت رکھتا ہے) تو مجھ سے ایسا ہے جیسے میری توحید۔ تو مجھ سے اور میں تجھ سے ہوں۔ اور وہ وقت آتا ہے۔ بلکہ قریب ہے۔ کہ خدا بادشاہوں اور امیروں کے دلوں میں تیری محبت ڈالے گا۔ یہاں تک کہ وہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔ اے منکرو اور حق کے مخالفو! اگر تم میرے بندے کی نسبت شک میں ہو۔ اگر تمہیں اُس فضل و احسان سے کچھ انکار ہے۔ جو ہم نے اپنے بندے پر کیا۔ تو اس نشانِ رحمت کی مانند تم بھی اپنی نسبت کوئی سچا نشان پیش کرو۔ اگر تم سچے ہو۔ اور اگر تم پیش نہ کر سکو۔ اور یاد رکھو کہ ہرگز پیش نہ کر سکو گے۔ تو اُس آگ سے ڈرو۔ کہ جو نافرمانوں اور جھوٹوں اور حد سے بڑھنے والوں کے لئے تیار ہے۔ فقط"

سیرت حضرت امّ المومنین پڑھنے والے ان پیشگوئیوں کی روشنی میں سیرت کو پڑھیں۔ اور دیکھیں کہ خدا کی نصرت کس کے شاملِ حال رہی۔ اور کیسے خدا نے اپنی نصرتوں، نعمتوں، برکتوں سے نوازا۔

زندہ باد! امّاں جان نصرت جہان بیگم

۲۸ راپریل ۱۹۴۳ء۔

"تجارا سے ایک امانت ہندوستان لائی گئی"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

خدا تعالیٰ کے رحم اور فضل کے ساتھ

ھُوَ النّاصِر

"تجارا سے ایک امانت ہندوستان لائی گئی"

اللہ تعالیٰ کے تمام کاموں میں ایک نظام اور ایک ترتیب پائی جاتی ہے، اور وہ ایک باقاعدہ پروگرام کے مطابق ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ نظام اور ترتیب کی مثال تو یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝

یعنی پہلے زمین اور زمین میں جو کچھ ہے، وہ پیدا کیا۔ اس لئے کہ انسان کے رہنے کے قابل بن سکے۔ پھر آسمان کی طرف توجہ کی اور سات بلندیاں بنا دیں۔ یہی ترتیب تعمیر مکان میں ہوا کرتی ہے۔ اوّل زمین ہموار ہوتی ہے۔ پھر دیواریں اٹھتی ہیں۔ پھر چھت بنتی ہے۔ مجھے اس جگہ یہ بحث نہیں کرنی۔ کہ زمین کو کن ادوار میں سے گزرنا پڑا۔ لیکن یہ ہر صاحب علم انسان کو معلوم ہے۔ کہ زمین کو قابلِ رہائش بننے کے لئے ہزارہا سال خرچ ہوئے۔ تب وہ آتشین کرہ سرد ہوا۔ اور اس قابل ہوا۔ کہ اس میں روئیدگی پیدا ہو۔

اور ایسے جانور پیدا ہوں جو زہریلی ہواؤں، اور بادِ سموم کے جھونکوں اور تپتے ہوئے پہاڑوں یا زمین کے غیر موافق میدانوں میں سانس لے سکیں۔ ہزارہا سال کے لمبے عرصے کے بعد یہ زمین اس قابل ہوئی۔ کہ اس پر انسان پیدا ہو کر زندگی بسر کر سکے۔ یہ مثال **نظام** اور **ترتیب** کی ہے۔

پروگرام یا لائحہ عمل

کی یہ مثال ہے۔ کہ فرمایا:۔

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً ۝

خدا تعالےٰ نے ملائکہ سے ذکر کیا۔ کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔ خلیفہ سے مراد انسان ہی تھا۔ تو اس سے معلوم ہوا، کہ اللہ تعالےٰ کا ایک پروگرام تھا۔ اس پروگرام کے ماتحت، اس نے زمین اور آسمان کی تخلیق کی اور اس ساری کائنات کو ترتیب دیا۔ اب غور کیجیئے، کہ انسانی ضرورت کو مدنظر رکھکر **زمین** اور **آسمان**۔ **لوہا، پتھر** صدہا قسم کی **دھاتیں۔ کوئلہ۔ نباتات۔ حیوانات۔ سورج۔ چاند، ستارے اجرام فلکی۔ زہریں** اور ان کے **تریاق۔ ہوائیں** اور مختلف قسم کی **گیسیں۔ پانی** اور **بجلی**۔ الغرض لاکھوں، کروڑوں چیزیں جنکو اگر گنتے چلے جائیں تو کئی ضخیم جلدوں کی کتاب بن جائے۔ یہ سب کچھ کیوں بنایا اور کیوں ان کی تخلیق کی۔ صرف اور صرف اسلئے کہ انسان کو پیدا کیا جائے۔ پس تخلیق انسان غرض تھی اس تمام کائنات کے پیدا کرنے کی لیکن صرف انسان بھی اصل غرض نہ تھا۔ بلکہ اصل غرض وہ **انسان کامل** تھا، جو انسان کی پیدائش سے ہزارہا سال بعد پیدا ہوا، جو محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے نام سے مبعوث ہوا، اور جس کے لئے کہا گیا

لولاك لما خلقت الافلاك

جن کے لئے حدیث قدسی میں آیا ہے۔ کہ آپ کا نور اس وقت سے بھی پہلے موجود تھا جبکہ

آدمؑ ابھی بَیْنَ الطِّیْنِ وَالْمَاءِ ہی تھا۔ تو اس سے بھی یہی امر ثابت ہوتا ہے۔ کہ ابوالبشر کے پیدا کرنے سے بھی قبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باجود کا فیصلہ اللہ تعالےٰ کے حضور ہو چکا تھا۔ اسی کا نام ہے پروگرام

پس

خدا تعالےٰ نے ازل سے ابد تک کا ایک پروگرام تیار فرما کر یہ کون پیدا کیا۔ اس میں بہت سی پیدائشیں تو اس طرح ہوئی ہیں جیسے زمین جو مقصود بالذات تھی اس کی تخلیق اور قیام کے لئے ذرے پیدا ہوتے ہیں۔ ذرے پیدا بھی ہوتے ہیں اور ذرے مٹتے بھی رہتے ہیں۔ ذرہ جو باعث ہے زمین کے قیام کا اس کی طرف کسی کو دھیان بھی نہیں ہوتا۔ نہ اس کے بننے کی طرف توجہ ہوتی ہے۔ اور نہ اس کے مٹنے کی طرف۔ اسی طرح انسانوں میں لاکھوں، کروڑوں انسان ایسے پیدا ہوتے ہیں۔ کہ نہ ان کے پیدا ہونے سے کسی کو خاص توجہ ہوتی ہے اور نہ ان کے فنا ہونے سے لیکن ان میں سے بعض لوگ مقصود ہوتے ہیں اور ان کا وجود دُنیا میں ایک عالمگیر انقلاب لانے کا باعث ہوتا ہے۔ یہ لوگ کبھی وہ ہوتے ہیں جو علمی دُنیا میں انقلاب پیدا کرتے ہیں۔ کبھی وہ ہوتے ہیں جو سیاسی دُنیا میں انقلاب کرتے ہیں۔ کبھی وہ ہوتے ہیں جو ذہنی دُنیا میں انقلاب پیدا کرتے ہیں۔ یہ لوگ اگرچہ مقصود تو ہوتے ہیں مگر مقصود بالذات نہیں ہوتے۔

مقصود بالذات

صرف انبیاءؑ کا وجود ہوتا ہے۔ جو روحانی دُنیا میں انقلاب پیدا کرتے ہیں۔ اور وہ باطل پرست دُنیا میں انقلاب پیدا کر کے مخلوق کو خدا پرست بنا دیتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ خدا میں شامل کر دیتے ہیں۔ وہ لوگ جن کا میں نے ابھی مقصود کے تحت میں ذکر کیا ہے۔ وہ انبیاء سے قبل دُنیا میں آتے ہیں تاکہ بیداری پیدا کریں۔ بیداری اپنی ذات میں ایک اعلیٰ درجہ کی چیز ہے۔ جس کے ساتھ ہزارہا منافع وابستہ ہیں جیسے بادل

اور بارش سے قبل ٹھنڈی ہوا ایک دلیل ہوتی ہے، کہ بارش آئیگی۔ اور جیسے ٹھنڈی ہوا سے قبل گرمی اور تلخی بندش ہوا دلیل ہوتی ہے کہ بادل آئیں گے۔

جیسے زمین میں مختلف جگہ پر زلزلوں کا پیدا ہونا دلیل ہوتا ہے کہ زمین اب

اَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا

کی مصداق بن جائے گی۔ اسی طرح دنیا میں ایسے لوگوں کا وجود جو ذہنی بیداری کا باعث ہوں دلیل ہوتا ہے اس امر کی کہ اب روحانی انقلاب لانیوالا بھی کوئی شخص پیدا ہوا چاہتا ہے۔ اور یہی لوگ مقصود بالذات ہوا کرتے ہیں۔ ان لوگوں کی خاطر کبھی دنیا کے بعض حصے مٹا دیئے جاتے ہیں۔ کبھی بعض قومیں تباہ کردی جاتی ہیں اور کبھی ایک قوم کو ایک ملک سے ہجرت کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ ایسے اسباب پیدا کیے جاتے ہیں، جنکو ظاہری آنکھ نہیں سمجھ سکتی، مگر کبھی اس واقعہ سے صدیوں بعد اور کبھی ہزارہا سال بعد وہ ہستی جو مقصود بالذات ہے پیدا ہو جاتی ہے۔

دنیا کے تاریخ دان

انقلاب امم کو محض قوموں کے قوا کی کمزوری اور مضبوطی کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ یہ لوگ حقیقت حال سے ناواقف ہیں۔ انکو یہ معلوم نہیں کہ ان قوا کی کمزوری اور مضبوطی تو ایک سامنے شدہ چیز ہے۔ وہ ایک گھڑی کے پرزوں کی طرح گارنٹی کی مدت مقررہ میں اپنے چلتے اور ختم ہو جاتے ہیں۔۔ در اصل ان کے پیچھے بہت کچھ چھپا ہوا ہوتا ہے۔

وادی غیر ذی زرع میں حضرت ابراہیمؑ کا اپنی بیوی ہاجرہ اور اپنے بیٹے اسمٰعیلؑ کو چھوڑنا، کیا نتیجہ تھا، ان خانگی جھگڑوں کا جو دو سوتوں کے درمیان اکثر اوقات ہو جایا کرتا تھا۔ مورخ یہی کہے گا

مگر

اسرار الٰہیہ کا جاننے والا کہے گا، کہ یہ دن یوم الفارق تھا بنی اسمٰعیل اور بنی اسحٰق

دو قوموں کے درمیان۔ الٰہی تجویز کے ماتحت بنی اسحٰق کی عارضی ترقی اور بنی اسمٰعیل کو نشوونما دے کر ارضِ بطحا سے

قوموں اور تمام بنی نوع کا شاہنشاہ پیدا کرنا مطلوب تھا

ٹھیک اسی طرح ہم حضرت ام المومنین کے خاندان کے انقلابات دیکھتے ہیں۔ کہ اس خاندان کے بزرگ بخارا سے ہندوستان ہجرت کر کے آئے۔ قوموں کی تاریخ لکھنے والا مورخ اس کے اسباب و علل معلوم نہیں کیا بتلائے۔ وہ ممکن ہے کہ فراخی رزق کی تلاش اس کا سبب بتائے۔ یا ممکن ہے خانگی خانہ جنگی سمجھے۔ یا ممکن ہے ملک کی سیاسی پیچیدگیاں اس کی وجہ قرار دے۔

لیکن

میں ان سب وجوہات کو غلط قرار دیکر ایک یہی وجہ قرار دوں گا۔ کہ اس خاندان کے بزرگوں کی صُلب میں ایک امانت تھی، جو حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ سے تقریباً ۳۰ بزرگوں کی پشت میں منتقل ہوئی۔ اور

حضرت میر ناصر نواب

کے ذریعہ عالم وجود میں آئی۔ اور اس کا نام نامی و اسم گرامی

نصرت جہان بیگم

رکھا گیا۔

میں ان وجوہات پر بحث نہیں کرتا جن کی بناء پر یہ خاندان عرب سے نکل کر بخارا میں چلا گیا

مگر

بخارا سے ہندوستان آنیکی وجہ یہ تھی، کہ اس خاندان کے بزرگوں کو یہ امانت حضرت مسیح موعود و مہدی مسعود کے حوالے کرنی تھی۔ اور مسیح موعودؑ کے لئے

ازل کے پروگرام کے مطابق یہ مقدر تھا، کہ وہ ہندوستان میں پیدا ہو۔ اور یہی وجہ تھی، کہ مسیح موعودؑ کے بزرگ بھی اس امانت کا بار اُٹھائے ہوئے جس کا نام مسیح موعودؑ تھا، سمرقند سے کچھ عرصہ پہلے بابر کے زمانہ میں ہندوستان آگئے تھے۔ اور تھوڑا عرصہ بعد نصرت جہان بیگم کے بزرگ اس دوسری امانت کا بار اُٹھائے ہوئے ہندوستان چلے آئے۔

یہ کیوں ہوا؟

خدا تعالےٰ نے روزِ اوّل سے مقدر کر دیا تھا، کہ جب اُمتہ محمدیہ اپنے زوال کی انتہاء کو پہنچ جائے گی، اُس وقت ایک مسیح محمدی پیدا کیا جائے گا۔ وہ ایک خاص خاتون سے شادی کرے گا، اور اُس خاتون کے بطن سے اولاد پیدا ہو گی۔ یہ اولاد ساری کی ساری بشر ہو گی۔ وہ ایسے نور ہوں گے جن سے قومیں راہ دیکھیں گی اور دُنیا کے امن کی بُنیاد اُن پر رکھی جائے گی۔

پس

مسیح موعودؑ کے خاندان کی سمرقند سے ہجرت کا اصلی سبب مسیح موعودؑ کا ہندوستان میں پیدا ہونا تھا۔

اور نصرت جہان بیگم کے خاندان کی بخارا سے ہجرت کا اصل باعث ان کا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نکاح میں آنا تھا۔

اور اس نکاح کی غرض

ایک جدید قوم کو پیدا کرنا تھا جو دُنیا کے آئندہ تمدن کو بدل کر چٹانِ امن پر لاکر کھڑا کر دیگی۔ اس غرض کو پورا کرنے کے لئے

ام المومنین کے بزرگ ہجرت کر کے ہندوستان میں آئے۔

حضرت ام المومنین کا آبائی خاندان

حضرت ام المومنین کا آبائی خاندان

۱۔ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ
۲۔ حضرت خواجہ سید محمد طاہر صاحب
۳۔ خواجہ نواب فتح اللہ خان صاحب
۴۔ روشن الدولہ۔ رستم جنگ خواجہ سید نواب محمد ظفر اللہ خان یارِ وفادار ہفت ہزاری۔
۵۔ خواجہ سید محمد ناصر صاحب عندلیب
۶۔ حضرت خواجہ میر درد صاحب رحمۃ اللہ علیہ
۷۔ خواجہ صاحب میر صاحب ضیاء الناصر
۸۔ خواجہ محمد نصیر صاحب محمدی

حضرت ام المومنین کے آبائی بزرگوں کا اجمالی تذکرہ

حضرت ام المومنین حضرت جہاں بیگم کے بزرگوں کی ابتداء خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وجود مبارک سے ہوئی۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نور نظر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا تھیں۔ اور آپؓ کے لخت جگر حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہما تھے۔ حضرت امام حسینؓ شہید کربلا کے لخت جگر حضرت امام سید زین العابدین تھے۔ حضرت ام المومنین کا خاندان حسینی سادات کا خاندان تھا۔ اس طرح اس خاندان کے مورث اعلیٰ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ ہیں۔

حضرت امام حسینؓ

حضرت امام حسینؓ کو جو نسبت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے تھی، وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت میں سے تھے۔ انکی نیکی تقویٰ۔ بزرگی۔ علوم تربت کو تمام مسلمان جانتے ہیں۔ میدان کربلا میں آپؓ نے جو ایثار اور قربانی کا نمونہ دکھایا، اُس کی مثال دُنیا میں کہیں نظر نہ آئے گی۔ خاندان کے بیشتر افراد ایک ایک کرکے اپنی آنکھوں کے سامنے کٹوا دیئے۔ مگر ظلم اور خلاف حق کے سامنے اپنی گردن خم نہ کی۔ اس پر اکتفا نہ ہوا، بلکہ اپنی سر بزجان بھی طرح طرح کے مصائب اور مظالم کو برداشت کرتے ہوئے قربان کر دی، اور ایک فاسق فاجر انسان کی اطاعت کو قبول نہ کیا۔ اسی کا نتیجہ ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہما کو جنت کے سرداروں میں سے قرار دیا۔ انہوں نے دُنیا کی تمام تلخیوں، شرارتوں، اور بظاہر ناکامیوں کو قبول کرکے دُنیا کو ایک سبق دیا کہ

حضرت مولانا یعقوب چرخی۔ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار۔ حضرت خواجہ مولانا محمد زاہد۔ حضرت خواجہ محمد درویش۔ حضرت خواجہ امکنگی۔ حضرت خواجہ محمد باقی حضرت مجدد الف ثانی۔ حضرت خواجہ محمد معصوم۔ حضرت خواجہ حجۃ اللہ نقشبند ثانی حضرت خواجہ محمد زبیر۔ اور اس قسم کے بہت سے بزرگ مختلف ملکوں میں اس سلسلہ نقشبندیہ کے ذریعے پیدا ہوئے اور انہوں نے درویشانہ طریق پر اسلام کی بڑی بڑی خدمتیں کیں۔ یہ سب لوگ مجاہدین اسلام تھے، اور ان کی عمریں بے ریا خدمت میں گذر گئیں۔ اللہ تعالےٰ ان سب پر اپنے فضلوں کی بڑی بڑی بارشیں برسائے۔ آمین

اسی نقشبندی طریق کے حاملین میں سے گیارہویں صدی میں

حضرت مجدد الف ثانی

ایک ایسے بزرگ پیدا ہوئے جو اپنے زمانے کے مجدّد تھے۔ اور اسلام کے دورِ خزاں میں بہار پیدا کرنے کا باعث ہوئے۔ مگر حضرت مجدّد الف ثانی حضرت خواجہ سیّد بہاء الدین نقشبندی کے صُلبی بیٹے نہ تھے۔ ان کا تعلق صرف روحانی فیض سے وابستہ تھا۔ ہاں سیّد بہاء الدین نقشبند کی جسمانی اولاد بھی اس فیض روحانی سے محروم نہ تھی۔ پہلے بھی ان کی جسمانی اولاد میں سے اکثر باخدا لوگ پیدا ہوئے تھے مگر بارہویں صدی میں

حضرت خواجہ محمد ناصر دہلوی

پر پھر روحانی پرتوہ پڑا اور وہ اپنے زمانے کے بہت بڑے ولی کامل مانے گئے۔ ان کے بعد ان کے بیٹے حضرت خواجہ میر درد رحمۃ اللہ علیہ ایسے پاکباز بزرگ تھے گذرے ہیں۔ ان کو تیرہویں صدی کا ایک باکمال ولی کہوں تو بیجا نہ ہوگا۔

ان بزرگوں کے مختصر اوصاف تو الگ الگ بیان لکھوں گا۔ لیکن یہاں میں اس قدر لکھ دینا ضروری خیال کرتا ہوں۔ کہ حضرت خواجہ میر درد بچپن ہی فیض روحانی

سے مالا مال ہو چکے تھے۔ پندرہ برس کی عمر میں انہوں نے ایک رسالہ تصنیف فرمایا۔ جس کا نام

"اسرار الصلوٰۃ"

رکھا۔ جب اس مختصر سے رسالہ کو حضرت مولانا فخر الدین چشتی نظامی دہلوی اور حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے ملاحظہ فرمایا۔ تو دونو بزرگ اصحاب نے فرمایا "ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ یہ وہبی دولت ہے۔"

الغرض حضرت خواجہ محمد ناصر صاحب سے ایک نئے سلسلہ کی بنیاد پڑی، جو

سلسلہ محمدیہ

کہلایا۔

اس سلسلہ کے متعلق ایک عظیم الشان پیشگوئی تھی۔ کہ یہ سلسلہ محمدیہ امام مہدیؑ کے آنے تک جاری رہے گا۔ اور اس کے بعد امام مہدیؑ کے آنے کے بعد اس کی روشنی اس کے نور میں گم ہو جائے گی۔ چنانچہ جیسے پیشگوئی میں لکھا تھا، بالکل اس کے مطابق ہوا۔ اس سلسلہ کے آخری خلیفہ

حضرت میر ناصر امیر ہوئے۔

جو ۱۶؍ ذوالحجہ ۱۲۷۰ھ مطابق ۱۰؍ ستمبر ۱۸۵۴ء کو فوت ہو گئے۔

یہ وہ زمانہ تھا جس میں حضرت مسیح موعود و مہدی مسعودؑ پیدا ہو چکے تھے۔ اور آپؑ کی عمر ۲۰ سال کی ہو چکی تھی۔ کیونکہ آپؑ کی پیدائش ۱۸۳۵ء میں ہوئی تھی۔ اور آپؑ کے ظہور کا زمانہ قریب تھا۔ اور وہ وقت بھی نزدیک تھا۔ جبکہ فرقہ محمدیہ کی روشنی حضرت مسیح موعودؑ کی روشنی میں گم ہو جانے والی تھی۔ چنانچہ ۱۸۶۵ء میں حضرت میر ناصر امیر کے لخت جگر حضرت میر ناصر نواب صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشکوئے معلّی میں نصرت جہان بیگم کی ولادت باسعادت ہوئی۔ اور جس طرح آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کا روحانی فیض حضرت فاطمہ علیہا السلام کے ذریعے اُن کی اولاد میں منتقل ہوا، بالکل اسی طرح **خاندان محمدیہ** کی روشنی

حضرت **نصرت جہان بیگم** صاحبہ

کے ذریعے ۱۸۸۴ء میں حضرت مسیح موعود اور مہدی مسعودؑ کی روشنی میں گم ہوگئی۔ اور آپ حضرت مسیح موعودؑ کے نکاح میں اللہ تعالےٰ کی خاص مشیت کے ماتحت لائی گئیں

اور اس طرح

ایک نئی اور پاکیزہ آسمانی روشنی میں مل کر یہ پہلی روشنی جلوہ گر ہوئی حقیقت میں شمع وہی تھی، فانوس دوسرا تھا۔ آفتاب وہی تھا، مگر مطلع نیا تھا۔ یہ اس لئے ہوا۔ کہ

تا ایک **نئی نسل کا آغاز ہو۔**

جو قیامت تک اپنے نور سے دُنیا کو منور رکھے گی۔

اور اس طرح حضرت امام حسینؓ کو اس قربانی کا پھل مل گیا۔ اور راستباز اور **نیک خادمانِ دینِ الٰہی** کی ایک بڑی جماعت بذریعہ نسل اور بذریعہ روح دی گئی۔ اور اس آخری زمانہ میں جبکہ محمدؐ الرسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی روحانیت نے اسلام کی تکمیل اشاعت کے لئے **ایک بروز محمدؐ** (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پیدا کیا تو مناسبت تامہ کے لئے نسلِ حسینؓ سے ایک دوسری خدیجہؓ کو پیدا کیا۔ تاکہ اس کی نسل سے پھر دوسرا دور شروع ہو۔ اور تکمیلِ اشاعتِ دین کے لئے یہ لوگ جو ایک طرف نسلِ حسینؓ سے بھی ہوں گے معلوم نہیں کہ کس قدر دُکھ اُٹھائیں گے اور کتنی قربانیاں کریں گے۔ اور ان کو حضرت امام حسینؓ سے کتنی قرب کی نسبتیں ہوں گی۔ کہ مسیح موعودؑ نے فرمایا :-

کربلا ایست سیر ہر آنم
صد حسین است در گریبانم

نادانوں نے اسے حضرت امام حسینؓ کی توہین قرار دیا ہے۔ جو شخص خود امام حسینؓ سے ایک نسبت خاص رکھتا ہو۔ جو خود بروزِ محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہو۔ وہ امام حسین علیہ السلام کی توہین نہیں کرسکتا۔ میرے ذوق میں تو اس میں ایک پیشگوئی تھی ہے جو ان تکالیف اور مشقتوں اور قربانیوں کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ جو اس بروزِ محمد اور اس بروزِ خدیجہ کی اولاد اور نسل کو اشاعت دین کے راستے میں اٹھانی پڑیں گی۔

کتنی عظمت ہے

اس خاتون کی جسے خدا تعالےٰ نے تیرہ سو سال کے بعد پھر خدیجہ ثانیہ بنا کر بروزِ محمدؐ کی بیوی بنا دیا۔ اور کتنی عظمت ہے اس نسل کو جو تکمیل اشاعتِ دین کی غرض کے لئے دُنیا کی آخری ہدایت اور نور قرار دی گئی۔ یہ نتیجہ تھا، امام حسینؓ کی قربانی کا۔

رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ

حضرت سیّد محمّد طاہر

دَورِ اوّل

بخارا سے پہلا قافلہ ہندوستان میں سب سے اوّل حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کی نسل سے خواجہ محمد نصیر نقشبندی شاہجہان شہنشاہ ہند کے زمانہ میں بخارا سے ہندوستان آئے۔ گویا یہ بخارا کے اس خاندان کا پہلا قافلہ تھا۔ شاہنشاہِ ہند نے ان کو بڑے اعزاز سے اپنے دربار میں لیا۔ اور ان کو ہر قسم کے اعزاز اور مناصب سے سرفراز فرمایا اور اپنے لختِ جگر شاہزادہ شجاع کے ساتھ جو اس زمانہ میں بنگال کے ناظم یعنی وائسرائے

سے تھے وزیر کے منصب پر فائز کر کے بھیجدیا۔ جب تک شاہجہان بادشاہ برسرِاقتدار رہا، **شجاع** ناظم بنگال رہے۔ اور جب **اورنگ زیب** کا دور آیا، اور خاندانی جنگ کا آغاز ہوا۔ تو شاہ **شجاع** بنگال سے اورنگ زیب کے مقابلہ کے لیئے روانہ ہوا۔ شاہ شجاع کے ساتھ **۲۵ ہزار فوج** اور توپخانہ تھا بنگال سے چلکر اس فوج نے بنارس آ کر دم لیا۔ اور بنارس سے کھجوہ پہنچکر۔ ادھر سے اورنگ زیب بڑھا آرہا تھا۔ **الہ آباد** اور **اٹاوہ** کے بیچ دونو بھائیوں کے درمیان مڈبھیڑ ہوئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شاہ شجاع کی فوج کو شکست ہوئی۔ اورنگ زیب کی فوج نے جملے کے جوش میں اندھے ہو کر زنانے خیموں کی طرف رُخ کیا۔

خواجہ محمد نصیر صاحب کو یہ امر سخت ناگوار گذرا، اور وہ تلوار لے کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور خوب دل کھول کر دادِ شجاعت دی۔ بالآخر مستورات کے کیمپ کے باہر شہید ہو گئے۔ (مآثر الامراء)

اس مختصر سے واقعہ سے مندرجہ ذیل امور منتج ہوتے ہیں:-

(اوّل) خاندانِ نقشبند کا پہلا قافلہ زیرِ قیادت خواجہ محمد نصیر صاحب دہلی آیا۔

(دوم) یہ زمانہ شاہنشاہِ شاہجہان کا تھا۔ جو مغلیہ سلطنت کے عین عروج کا زمانہ تھا۔

(سوم) شاہنشاہ ہند نے فوراً خواجہ محمد نصیر کو دربار میں اعزاز اور منصب سے سرفراز کیا۔ جو اس امر کی دلیل ہے۔ کہ یہ خاندان **بخارا** میں کوئی غیر معروف نہ تھا، بلکہ ان کی بزرگی **علمی قابلیت۔ وجاہت۔ عالی نسبی** کا اس سے بسہولت پتہ چلتا ہے۔

(چہارم) ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ حصولِ ملازمت کے لیئے نہیں آئے تھے۔ بلکہ

شاہجہان کے ایماء پر ہی آئے تھے۔ بخارا اُن ایام میں علوم اسلامیہ ہی کا مرکز نہ تھا۔ بلکہ وہاں خدا رسیدہ بزرگوں کی بھی جماعت تھی۔ اور شاہجہان وہاں سے علوم دینیہ کے ماہر اور اہل دل لوگوں کو بلانے کے لئے خاص شوق رکھتا تھا۔ اور عالی نسب، ذی علم، خدا پوست لوگوں کی جماعت جمع کرنا چاہتا تھا۔ اسی سلسلہ میں انہوں نے خواجہ محمد نصیر کو بلایا تھا۔ تبھی بغیر کسی تردد کے ان کو اتنی جلدی فی الفور منصب وزارت جیسے وقیع منصب پر فائز کر دیا گیا۔

(پنجم) وہ صرف صاحبِ سیاست ہی نہ تھے، بلکہ صاحب السیف بھی تھے۔ گویا کہ بیک وقت ایک اعلیٰ درجہ کے سیاستدان اور ایک عمدہ جرنیل تھے۔

اس سے اس خاندان کی عزت، عظمت کا باسانی اندازہ لگ سکتا ہے خواجہ محمد نصیر صاحب وزیر صوبہ بنگال کے بعد اُن کے صاحبزادے سید عبد القادر بالکل دُنیا سے الگ ہو گئے۔ خواجہ محمد نصیر کا ذکر تو صرف اس قدر بتانے کے لئے کیا گیا۔ کہ بخاری سادات نقشبندیہ کا پہلا قافلہ آپ کی قیادت میں آیا۔ اور آپ بھی اپنے زمانے کے بہت بڑے سیاس اور بہت بڑے جرنیل تھے۔

مگر

جس خاندان کا ذکر مقصود بالذات ہے، وہ حضرت خواجہ سید محمد طاہر صاحب کا خاندان ہے۔ یہ بزرگ بھی حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند کے خاندان سے تھے۔ اور یہ حضرت ام المومنین علیہا السلام کے خاندان کے مورثِ اعلیٰ تھے۔

حضرت خواجہ سید محمد طاہر صاحب اس دوسرے قافلہ کے سردار تھے، جو بخارا سے واردِ ہندوستان ہوا۔ یہ زمانہ شاہنشاہ اورنگ زیب کا

زمانہ تھا۔ واقعات سے ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس قافلہ کی آمد پر پہلے ہی سے اورنگ زیب کی آنکھیں لگی ہوئی تھیں۔ کیونکہ اورنگ زیب خود خواجہ خواجگان حضرت بہاءالدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کے طریقہ نقشبندیہ میں بیعت تھا۔ اس لئے اورنگ زیب بادشاہ ہند نے ان کے فوراً وارد ہند ہونے پر ان کو دہلی کی مشہور تاریخی یادگار جو اس زمانہ میں دُنیا کا بہت بڑا پُررعب وجلال قلعہ تھا دعوت دی۔

لال قلعہ میں دعوت

یہاں لال قلعہ کی رونق۔ اور شوکت اور عظمت وجلال کی تاریخ نہیں لکھنی چاہتا۔ مگر ہر شخص جسے اسلامی ہند کی تاریخ سے ذرا بھی مس ہو وہ لال قلعہ کی عظمت سے بخوبی واقف ہو گا۔ لال قلعہ اُس وقت دُنیا میں سب سے بڑا قصرِ شاہی تھا اس وقت مغلیہ سلطنت کا ڈنکہ چاردانگ عالم میں بج رہا تھا۔ اورنگ زیب کی فوج ظفر موج کے سامنے اس وقت ہندوستان کی کوئی فوج ٹھہر نہ سکتی تھی۔ تمام ہندوستان پر اس کا چتر حکومت چھا رہا تھا۔ لال قلعہ اُس زمانہ میں ایک نو عروس کی طرح سے سجا ہوا تھا۔ فوجوں کے پرے افسران کی بھڑکیلی وردیاں، درباریوں کا مؤدب اور باوقار ہونا ہر شخص کے قلب میں ایک ہیبت طاری کرتا تھا۔ نوکر، چاکر۔ لونڈیاں۔ غلام۔ ادھر سے اُدھر بھاگے پھرتے تھے۔ شاہزادوں اور شاہزادیوں بیگمات اور خواصوں کے معطر لباسوں سے قلعہ کی فضاء دُنیا کی دیگر فضاء سے بالکل الگ معلوم ہوتی تھی۔ ایسے مقام عالی میں جہاں سے شاہنشاہ ہند حکومت کرتا ہو، جب کسی کی دعوت کرتا ہوگا، تو اس وقت قلعہ معلےٰ کی کیا حالت ہوتی ہوگی۔ اور کیسی گہما گہمی ہوتی ہوگی۔

الغرض

بادشاہ ہند شہنشاہ اورنگ زیب نے اس اخلاص کی وجہ سے جو اُن کو اپنے پیرو مرشد

حضرت سید بہاء الدین نقشبند سے تھا۔ حضرت سید محمد طاہر صاحب کی لال قلعہ میں دعوت کی۔

شاہنشاہ درویش کے قدموں میں

شاہنشاہ نے بنفسِ نفیس اُن کا استقبال کیا۔ اور بڑی تواضع اور ادب سے اُن کو مسند پر بٹھایا۔

چونکہ اورنگ زیب خود طریقہ نقشبندیہ میں مرید تھا۔ اس لئے سید محمد طاہر کا وجود اس کے لئے اپنے پیر و مرشد کے ہی قائم مقام تھا۔

کھانا کھا چکنے کے بعد بادشاہ نے بہت کچھ نقد جنس حسبِ دستور شاہانہ مغلیہ اپنے مرشد زادہ کو پیش کرنا چاہا۔

مگر

اُن کی نگاہ میں یہ زر و جواہر اور یہ دُنیا کے مال و منال کوئی حقیقت نہ رکھتے تھے۔ انہوں نے آنکھ اُٹھا کر بھی اُن کی طرف نہ دیکھا اور نہ اُن کو قبول کیا۔

یہ ایک حقیقت ہے

کہ وہ لوگ جو خدا تعالیٰ کی محبت میں فنا ہو جاتے ہیں اُن کی نگاہ میں دُنیا کی اِن قیمتی اشیاء کی قیمت ایک جیفہ (مُردار) سے زیادہ نہیں ہوتی۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :-

مجھ کو کیا مُلکوں سے میرا ملک ہے سب سے جُدا
مجھ کو کیا تاجوں سے میرا تاج ہے رضوانِ یار

خلاصہ یہ کہ جو خدا کے ہو رہتے ہیں اُن کو اس دُنیا کی کسی چیز سے اُلفت نہیں ہوتی۔ اور وہ یہ یقین رکھتے ہیں کہ

الدنیا جیفۃ و طالبھا کلاب

الغرض

حضرت خواجہ سید محمدؐ طاہر صاحب نے شاہی عطاء کو قبول نہ کیا۔ اور نگ زیب نے کیا کچھ پیش کیا ہوگا، اس کی تفصیل کسی کو معلوم نہیں۔ مگر اس امر سے بخوبی اندازہ لگ سکتا ہے۔ کہ اورنگ زیب خود شاہنشاہِ ہند تھا۔ اور جس کو وہ پیشکش کر رہا تھا وہ اس کا مرشد زادہ، بلکہ ایک رنگ میں مرشد ہی تھا۔ کیونکہ ایک روایت یہ بھی ہے۔ کہ اورنگ زیب کو اُنہی کی دعا سے تاج و تخت ملا تھا۔ اسلئے اس نے جو کچھ پیش کیا ہوگا اس کا تصور بآسانی ہو سکتا ہے۔

حضرت خواجہ کے اِس استغناء اور سیر چشمی نے اور بھی جادو کا سا اثر کیا۔ اور وہ ہمیشہ کے لئے اُن کے حلقہ بگوشوں میں شامل ہو گیا۔ اور اس طرح شاہنشاہِ ہند ایک درویش کے قدموں میں آگیا۔

اس کی عقیدتمندی کی یہ حالت تھی، کہ وہ خود بنفسِ نفیس درِ خواجہ پر حاضری دیا کرتا تھا۔ (رسالہ ہوش افزاء مصنفہ حضرت خواجہ میر درد رحمۃ اللہ علیہ)

خواجہ سیّد محمّد طاہر کے بیٹوں کے نکاح میں مغل شاہزادیاں

کچھ عرصہ کے بعد خواجہ سیّد محمّد طاہر صاحب نے ارادہ ظاہر کیا کہ وہ حرمین کو جانا چاہتے ہیں۔ اورنگ زیب اُن کو اس پاک مقصد سے روک نہ سکتا تھا۔ اور ان برکات سے بھی محروم نہ ہونا چاہتا تھا، جو اس بزرگ خاندان کے قدموں کی برکت سے حاصل ہو رہی تھیں۔ اس لئے اس نے بصد اخلاص و ارادت عرض کی۔ کہ آپ اپنے تینوں صاحبزادے اور اپنے بھتیجے کو میرے پاس چھوڑ جائیے۔ تاکہ ان کی برکت سے لال قلعہ معمور رہے۔ شاہنشاہِ ہند کی یہ درخواست منظور ہوئی۔ اور انہوں نے اپنے تین صاحبزادے، خواجہ سیّد محمّد صالح اور خواجہ سیّد محمّد یعقوب اور خواجہ

سید فتح اللہ صاحب کو معہ اپنے ایک بھتیجہ کو جن کا نام معلوم نہیں ہو سکا حسب اسنادعا اورنگ زیب بادشاہ ہند دہلی میں چھوڑا۔

بادشاہ نے

ان چاروں کو بڑے بڑے عہدے اور بڑے بڑے منصب دے کر اورنگ زیبی دربار کے رکن بنالیا۔ اسی پر بس نہیں کی، بلکہ خواجہ محمد صالح اور خواجہ محمد یعقوب کو جو کنوارے تھے اپنے حقیقی بھائی شاہزادہ مراد کی دو خوبصورت، حسینہ و جمیلہ بیٹیاں بیاہ دیں۔ اور اس طرح اس خاندان سے نہ صرف اپنی عقیدتمندی کی تکمیل کی، بلکہ اس خیال سے کہ لوگ ان کو محض درویش ہی خیال نہ کرتے رہیں اپنے برابر کر لیا۔

اس طرح

اس خاندان درویش کو درویشی اور حکومت کی دونوں نعمتوں سے مالا مال کر دیا۔

اسی خاندان سے ایک بزرگ خواجہ سید محمد یعقوب بھی اس دوسرے قافلہ میں آئے تھے۔ اُن کے بیٹے خواجہ سید موسیٰ کو اپنے پوتے شاہزادہ معزالدین کی بیٹی فرخندہ اختر سے بیاہ دیا۔

مُرشد زادے

اب یہ ایک قدرتی بات تھی۔ کہ خیال پیدا ہو کہ جو بچے ان جوڑوں سے پیدا ہوں گے مغل شاہزادوں کی نگاہ میں ان کا کیا مقام ہوگا۔ کہیں وہ ان کو کم درجے کا خیال نہ کرنے لگیں۔ اس لئے جو بچے ان سے پیدا ہوئے وہ قلعہ معلےٰ والوں کی اصطلاح میں مُرشد زادے کہلاتے تھے۔ اور ان کا بڑا احترام کیا جاتا تھا۔

"نواب سید فتح اللہ خان"

مَیں بتلا چکا ہوں۔ کہ خواجہ سید محمد طاہر صاحب نے دُنیا کے مال و منال کی

طرف آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھا، اور بالآخر وہ حرمین الشریفین کی زیارت کے لیے چلے گئے۔ اور یہ سفر ان کا ہندوستان سے دیارِ محبوب میں ہجرت کا سفر تھا۔

ان کے صاحبزادوں کے متعلق بھی میں لکھ چکا ہوں، کہ ان کو نہ صرف منصب اور مقامِ عالی نصیب ہوا، بلکہ اورنگ زیب نے انکو شاہی خاندان میں داخل کر لیا تھا۔ اور یہ عزت سوائے اس خاندان کے کسی اور خاندان کو نصیب نہیں ہوئی۔ حضرت خواجہ سید محمد طاہر صاحب کے تیسرے لختِ جگر سید فتح اللہ صاحب تھے۔ شاہنشاہ نے اُن کو "نواب" اور "خان" کے خطاب سے سرفراز فرمایا۔ اس طرح آپ

نواب فتح اللہ خان

کہلائے۔ اور اس عہد میں خانی کا خطاب بہت بڑا درجہ اور اعزاز تھا۔ خطاب کے سوا منصب بھی دیا گیا۔ اور یہ چاہا۔ کہ اُن کے بھائیوں کی طرح اُن کی شادی بھی کسی شاہزادی سے کر دی جائے۔

مگر

آپ نے شاہنشاہ سے کہدیا۔ کہ اگرچہ شریعتِ غرّا میں اس امر کی اجازت ہے، کہ ایک مغل یا پٹھان کو ایک سیّدزادی بیاہ دی جائے۔ یا ایک سیّد کو ایک مغلانی یا پٹھانی بیاہ دی جائے۔ مگر میں اپنے لئے پسند نہیں کرتا۔ کہ میری بیوی مغلانی یا پٹھانی ہو۔ شاہنشاہ نے اُن کی اس بات کو پسند کیا۔

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ سیّد فتح اللہ بھی ان بزرگوں میں سے تھے، جو اپنے اندر باوجود بلند منصبی کے درویشی کا رنگ رکھتے تھے۔ اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ شاہنشاہ اورنگ زیب کو اُن کا کس قدر پاس تھا، کہ باوجود اس کے کہ ان کا انکار نہ صرف منشاءِ شاہی کے خلاف تھا، بلکہ اگر کوئی بُرا مفہوم لینے والا

ہوتا، تو شاید اسے خاندانِ شاہی کی ہتک بھی خیال کر لیتا۔ مگر چونکہ اورنگ زیب اس خاندان کی بےنفسی اور درویشی پر پورا یقین رکھتا تھا، اس لئے اُس نے اُنکے منشاء کو مقدم کر لیا۔

اگر یہ لوگ

وجاہت طلبی کی تلاش میں ہندوستان آئے ہوتے تو ایسے موقعہ کو لبا غنیمت جان لیتے۔ اور بلکہ وہ خود اس تلاش میں رہتے۔ کہ کوئی ایسا موقعہ میسّر آتے۔ لیکن ان کی حالت بالکل اس کے خلاف تھی۔ کہ موقعہ میسّر آنے پر بھی انکار کر دیتے تھے۔

حضرت مسیح موعودؑ کا خاندان

یہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خاندان کے ذکر کا تو کوئی موقعہ نہیں مگر ایک مناسبت سے مَیں ان کا ذکر بھی کرنا چاہتا ہوں۔ قدرتِ الٰہی نے چونکہ آگے چل کر دونو خاندانوں کو ایک کر دینا تھا، اس لئے ان دونو خاندانوں میں ایک مناسبت چلی آتی ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ کے مورثِ اعلیٰ بڑی شان و شوکت سے **بابری** عہد میں واردِ ہندوستان ہوئے۔ **بابر تیموری** خاندان کا بادشاہ تھا، اور خاندان مسیح موعودؑ اوپر چل کر تیمور کے چچازاد بھائیوں کا خاندان تھا۔ اس لئے میرزا ہادی بیگ بلحاظ نسل کے ایک ہی درخت کی دوسری شاخ تھا۔ اور بابر سے ان کو نسبتِ اخوت تھی۔ لیکن انہوں نے دلّی کی رہائش کی بجائے دلّی سے پانچسو میل اور پنجاب میں دریائے بیاس کے کنارے پر بالکل ایک گمنام اور اُجاڑ گوشہ میں رہائش اختیار کر لی۔ اور دلّی کی شان و شوکت سے ذرا بھی حصّہ نہ لینا چاہا۔ اور ان مناصبِ جلیلہ کی

طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھا۔

ورنہ بہت ممکن تھا

کہ بابری تخت کے قُرب میں یہ خاندان نہ صرف یہ کہ مناصب جلیلہ پر فائز ہوتا بلکہ کسی کمزوری کے وقت خود برسرِ اقتدار ہو کر **تختِ دہلی پر جلوہ افروز ہوتا۔**
الغرض یہ ایک مناسبت تھی، کہ خاندانِ مسیح موعودؑ بھی باوجود شاہی خاندان ہونیکے درویشی اور عزلت نشینی کو مقدم کرتا رہا۔

قِصّہ مختصر

نواب سیّد فتح اللہ خان صاحب کے اس انکار پر شاہنشاہ اورنگ زیب نے اُنکی شادی **نواب سربلند خان میر بخشی** (کمانڈر انچیف افواج) کی حقیقی ہمشیرہ سے کروا دی۔ نواب سربلند خاں صاحب صحیح النّسب سیّد تھے۔ اور خواجہ سیّد بہاء الدین صاحب نقشبند کی اولاد میں ہی سے تھے۔ الغرض خواجہ نواب سیّد فتح اللہ خان صاحب نے پسند کیا، کہ بجائے اس کے کہ وہ اپنا تعلقِ دامادی شاہی محل سے پیدا کریں، وہ اپنے خاندان سے باہر نہ جائیں۔

نواب سربلند خان میر بخشی

کا وجود بتلاتا ہے۔ کہ اس خاندان پہ اورنگ زیب کو انتہائی اعتماد تھا۔ یہی وجہ تھی، کہ حکومت کے **سول** اور **فوج** کے بڑے بڑے عہدے اس خاندان کے اراکین کے سپرد تھے۔ اور اس طرح دہلی ہی نہیں بلکہ ہندوستان بھر کی **سیاست** میں اس خاندان کا وقیع اثر تھا۔

نواب فتح اللہ خان سیّد محمدؐ طاہر صاحب کے خاندان میں پہلے شخص تھے۔ جو اس قدر بلند منصب پر فائز ہوئے اور "**نوابی**" اور "**خانی**" کے خطاب سے مفتخر کئے گئے۔

نواب ظفر اللہ خان

روشن الدولہ۔ رستم جنگ

نواب فتح اللہ خان صاحب کے مشکوئے معلّی میں، اور نواب سربلند خان میر بخش کی ہمشیرہ کے بطن سے ایک نونہال پیدا ہوئے۔ جن کا نام خواجہ سید محمد ظفر اللہ خان رکھا گیا۔ سید محمد ظفر اللہ خان اس خاندان میں پہلا شخص تھا جس کا باپ نواب تھا۔ اور حکومت اورنگ زیب میں بہت بڑا دخل اور رسوخ رکھتا تھا۔ اور اس کا ماموں بھی نوابی کے بلند و بالا خطاب سے مفتخر تھا۔ اور کمانڈر انچیف افواج شاہنشاہی تھا۔ اور نسبی عظمت کے لحاظ سے دوہیال اور ننھیال کیطرف سے ایک ہی خاندان کا نونہال تھا۔ یعنی حضرت سید بہاء الدین نقشبند کے خاندان اور نسل سے۔ سید محمد ظفر اللہ خان نے رفیع الشان بن شاہ بن شہنشاہ اورنگ زیب کی سرکار سے معزز عہدے پائے۔ اور جلد ترقی کر کے

پانچصد سوار کا منصب حاصل کیا

اور نواب ظفر اللہ خان کا خطاب حاصل کیا۔ نواب ظفر اللہ خان کو خاندانِ شاہی میں بہت اعتماد حاصل تھا۔ اور وہ شاہی خاندان کے ساتھ ہمیشہ وفادارانہ طور پر رہے۔

نواب ظفر اللہ خان تارک الدنیا بن گئے

رفیع الشان اور جہان شاہ کے خلاف لاہور میں بغاوت ہوئی عظیم الشان جہاندار شاہ کی افواج نے لاہور میں رفیع الشان اور جہان شاہ اور ان کی خوبصورت اولادوں کو خاک و خون میں ملا دیا۔ نواب ظفر اللہ خان بھی اپنے خاندانی دستور کے

مطابق اُن کے ہمراہ تھے۔ اُنہوں نے اپنی ہمت اور طاقت کے مطابق دادِ شجاعت دی۔ مگر قدرتِ الٰہی کو کچھ اور منظور تھا۔ رفیع الشان اور جہان شاہ بمع اپنی اولادوں کے مٹ گئے۔ اس نظارے نے نواب ظفر اللہ خان کے قلب کی حالت کو بالکل بدل دیا۔ دُنیا کی ناپائیداری نے دل کو بالکل سیر کر دیا۔ اور سب جاہ و حشم پر لات مار دی۔ اور پھر نوابی پر درویشی کو مقدم کر لیا۔

حضرت میراں شاہ بھیک صاحب

اس زمانہ کے درویش کامل حضرت میران شاہ بھیک صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بیعت کر کے درویش بن گئے۔ حضرت میران شاہ بھیک سلسلہ چشتیہ صابریہ کے ایک بڑے کامل درویش تھے۔ اور اس زمانہ میں مرجعِ خلائق بنے ہوئے تھے۔ اور

حضرت شاہ ابو المعالی چشتی صابری

جن کا مزار اب تک لاہور میں ایک خاص عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے کے جانشین اور خلیفہ تھے۔ حضرت شاہ ابو المعالی شیخ محمد داؤد گنگوہی کے مرید تھے۔ جو شیخ محمد صادق صاحب گنگوہی کے مرید اور خلیفہ تھے۔ یہ سلسلہ درویشی و تصوف حضرت مخدوم علاء الدین صابر کلیری تک پہنچ جاتا ہے۔

الغرض آپ سلسلہ چشتیہ صابریہ میں حضرت میران شاہ بھیک کے ہاتھ پر بیعت کر کے درویش ہو گئے۔ حضرت شاہ میران بھیک کھرے سید تھے۔ اور ہندی زبان کے خوش بیان شاعر بھی تھے۔ چنانچہ آپ نے بہت سے ہندی زبان میں دوہرے موزون کئے تھے۔ جن میں توحید اور اسرارِ معرفت و تصوف بھرے

ہوئے تھے، اور اہلِ دل انکو سُنکر یاد کر لیا کرتے تھے۔

(اقتباس الانوار مصنفہ مولانا محمد اکرام صاحب براسوی)

(حدیقۃ الاولیاء)

درویش سے پھر میدانِ عمل میں

فرخ سیر شاہنشاہِ ہند نے رفیع الشان اور جہان شاہ اور انکی اولاد کی قتل کی خبر کو نہایت دردمندی سے سُنا۔ اُس نے تہیّہ کر لیا۔ کہ وہ عظیم الشان جہاندار شاہ سے جو پنجاب پر حکومت کر رہا تھا بدلہ لے گا۔

یاد رہے۔ کہ خود فرخ سیر عظیم الشان جہاندار شاہ کا بیٹا تھا۔ اور عظیم الشان جہاندار شاہ عالم بہادر شاہ کا بیٹا تھا۔ اور بہادر شاہ خود شاہنشاہ اورنگ زیب کا بیٹا تھا۔

فرخ سیر نے اِس خونِ ناحق کا بدلہ لینے کا فیصلہ کیا۔ اس کے ہمرکاب سیّد حسین علی گورنر بہار۔ سیّد عبداللہ گورنر الہ بادبھی تھے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو بادشاہ گر کہلاتے تھے۔ سیّد میران بھیک جو اس وقت عالم درویشی میں فردِ کامل تھے، انہوں نے درویش ظفر اللہ خان سے کہا۔ کہ

"بھائی سیّد! اب تم بھی پھر اپنی کمر باندھ لو۔ اور فرخ سیر کے پاس پہنچ جاؤ۔"

انہوں نے پیر و مرشد سے عرض کی

"میرا دل اِن جھگڑوں سے بیزار ہو گیا ہے۔ میں اب اس

عالمِ فانی کے دھندوں میں نہیں پڑنا چاہتا۔ درویشی کی لذت کے سامنے ہفت اقلیم کی سلطنت کو بھی بے حقیقت جانتا ہوں"

مگر میران بھیک صاحب نے فرمایا :-

"اللہ کی یہی مرضی ہے۔ تم دل بایار اور دست باکار رہو گے رب العزت کو یہی منظور ہے۔ کہ تم بادشاہی عہدہ دار بنکر اس کی مخلوق کو آرام پہنچاؤ۔ مگر تمہارا خاتمہ بالخیر ہے۔ تم کو جو باطنی دولت ہم نے بخشی ہے۔ اُسے دُنیا کی دولت نہ مٹا سکے گی"

نواب ظفر اللہ خان نے پھر عرض کی :-

"کہ یہ زمانہ طوائف الملوکی کا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ فرخ سیر کے پاس جاؤں اور اُسے مجھ سے کچھ بدگمانی ہو، اور لینے کے دینے پڑ جائیں۔ کیونکہ سلاطین کی نگاہ میں آجکل امیروں وزیروں کا کچھ اعتبار نہیں رہا"

اس پر حضرت میران بھیک صاحب نے فرمایا۔ کہ :-

"افسوس ہے۔ تم کو اب تک فقیروں کی بات پر بھروسہ نہیں پیدا ہوا۔ میں کہتا ہوں کہ تو بے کھٹکے فرخ سیر کے پاس چلا جا تیری ہر طرح ترقی اور عروج ہے" (میخانہ درد ۱۳)

نواب صاحب کو اب مُرشد کے حکم کے سامنے سر جھکاتے ہی بنی۔ کھلی ہوئی کمر کس لی۔ اور اُتری ہوئی تلوار پھر حمائل کر لی۔ اور اس طرح

یہ درویش سپاہی

پھر میدانِ جنگ کے لئے تیار ہو کر فرخ سیر کے پاس پہنچا۔ سید عبداللہ خان اور سید حسین علی خان گورنران یوپی و بہار نے ان کی بڑی تعریف کی اور فرخ سیر

سے کہا کہ یہ خود معرکۂ لاہور میں شریک تھے۔ فرخ سیر بھی ان تعلقات سے ناواقف نہ تھا۔ جو شاہنشاہ اورنگ زیب کے عہد سے اب تک خاندانِ شاہی سے چلے آتے تھے۔ (تاریخ ہندذکاء اللہ خان)

نواب ظفر اللہ خان بخشی سوم

شاہنشاہ فرخ سیر نے بھی آپ کی خدماتِ سابقہ اور اس وفاداری کو جو اب ان سے ظاہر ہوئی سامنے رکھتے ہوئے ازراہِ قدردانی فوراً نواب ظفر اللہ خان کو اپنی افواج کا بخشی سوم کر دیا۔ یعنی کمانڈر انچیف درجہ سوم۔

منصب پنجہزاری

بخشی سوم کے لئے جن لوازمات اور اعزازات کی ضرورت تھی اُن کو بھی نظر انداز نہ کیا۔ اور آپ کو پنج ہزاری کا منصب جلیلہ عطا فرما کر انکی قدر افزائی کو چار چاند لگا دیئے۔ اِسی پر بس نہ کی

نواب ظفر خان رستم جنگ

کا خطاب بھی مرحمت فرمایا۔

الغرض فرخ سیر کی جہاندار شاہ کی افواج سے جنگ ہوئی۔ نواب ظفر خان رستمِ جنگ نے نہایت بہادری، وفاداری اور شجاعت سے اس جنگ میں فرخ سیر کا ساتھ دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ فرخ سیر کی فوج ظفر موج فتح و کامرانی کا پھریرا اُڑاتی ہوئی پنجاب پر قابض ہو گئی۔

روشن الدولہ نواب ظفر خان کی خدمات کا صلہ فتح کے بعد مزید انعامات

اور اعزازات کے رنگ میں ظہور پذیر ہوا ، اور نواب ظفر خان رستم جنگ ، روشن الدولہ کے عالی قدر خطاب اور

منصب ہفت ہزاری

پر فائز ہوئے ۔ اس طرح حضرت میراں بھیک کے حجرۂ درویشی میں بیٹھا ہوا خلوت نشین درویش سلطنتِ مغلیہ کا ایک آزمودہ کار جرنیل اور ایک مدبر اور دانشمند مشیر ثابت ہوا ۔ اور اب اُس کا پورا نام پورے القابات سے یوں لکھا اور پڑھا جانے لگا ۔

نواب ظفر خان ۔ رستم جنگ ۔ روشن الدولہ

ہفت ہزاری

اِس سارے قصّے سے مجھے اس خاندان کے افراد کے متعلق یہ بتلانا ہے ۔
کہ وہ کس طرح اپنے جسم پر دیبا و حریر کی عبائیں پہنے ہوئے ہوتے تھے ۔ مگر اندر ان کے جسم پر قبائے درویشی ہوا کرتا تھا ۔ وہ بیک وقت صاحبِ سیف و قلم ہی نہیں صاحبِ دل بھی ہوتے تھے ۔ اور وہ اپنے زمانہ کے ان لوگوں میں سے تھے جن پر ہندوستان کے امن کا قصر کھڑا تھا ۔

فرخ سیر کی وفات

آخر وہ وقت آگیا ۔ کہ فرخ سیر اِس جہان سے کوچ کر گیا ۔ اور محمد شاہ رنگیلا تخت نشین ہو گیا ۔ محمد شاہ رنگیلا اگرچہ ایک رنگین مزاج بادشاہ تھا ۔ مگر اُس نے بوڑھے جرنیل کو خوب سمجھا ۔ اُسے ان کی وفاداری پر پورا بھروسہ تھا ۔ اس لئے جو یہ کہتے وہی بادشاہ کرتے ۔ اِس سے بہت سے ارکانِ سلطنت اِن سے جلنے لگے ۔

اور حسد کرنے لگے۔ بادشاہ فرخ سیر نے اُن کے سابقہ اعزازات میں

یارِ وفادار

کا اضافہ فرمایا۔

آج یارِ وفادار وہ خطاب ہے۔ جو برٹش سرکار میں صرف اعلیٰحضرت حضور نظام دکن کو حاصل ہے۔ تو گویا میں کہہ سکتا ہوں، کہ نواب ظفر خان کو آج کے لحاظ سے

ہز اگزالٹڈ ہائی نس

کا خطاب تھا۔ اور اِس طرح نواب ظفر خان نے اس وقت کا ہی نہیں بلکہ آج کے لحاظ سے بھی بڑے سے بڑا لقب اور بڑے سے بڑا منصب حاصل کیا۔

نواب ظفر خان کے متعلق مؤرخین نے لکھا ہے۔ کہ اُن کی سواری بڑی شان سے نکلتی تھی۔ ان کے آگے سوار اشرفیاں بانٹتے چلا کرتے تھے۔ اُن کے سر پر کبھی مرصع جواہر طرّے ہوا کرتے تھے۔ اُن کی سخاوت کی بڑی دُھوم تھی۔

(ماثر الامراء)

اِن حالات سے اندازہ لگ سکتا ہے۔ کہ نواب ظفر خان اپنے زمانہ کے ایسے امیر کبیر تھے۔ جو بادشاہ کے بعد امورِ سلطنت کے مدار المہام تھے۔ اور جن کے گھر میں سونا چاندی اور زر و جواہر کا کوئی شمار نہ تھا۔

سنہری مسجد

نواب ظفر خان کو اپنے مُرشد سے بڑی عقیدت تھی۔ اور وہ اپنی ساری ترقیوں کو اُن کی دُعا اور برکت کا نتیجہ یقین کرتے تھے۔ اس لئے انہوں نے ۱۱۳۴ھ میں حضرت میران بھیک کی وفات پر اُن کی یاد میں دہلی میں ایک مسجد چاندنی چوک

میں کوتوالی کے قریب بنوائی۔ اور اسے سر سے پاؤں تک سونے میں غوطہ دے دیا۔ کہتے ہیں۔ کہ جب بادشاہ کی سواری چاندنی چوک سے گذرتی، تو اس مسجد کو دیکھکر بادشاہ خوش ہوتے تھے۔

اس مسجد کی تاریخی حیثیت

نادر شاہ ایران نے جب دلی میں قتل عام کروایا۔ تو وہ اس مسجد میں تلوار کھینچکر آبیٹھا تھا۔ اور جب تک تلوار بے نیام کئے بیٹھا رہا قتل عام ہوتا رہا۔ اس واقعہ کی تفصیل کسی دوسری جگہ آئے گی۔ مگر یہاں اس قدر ذکر کرنا ضروری تھا کہ نادری قتل عام چونکہ ایک تاریخی واقعہ تھا۔ اس لئے تمام مؤرخین نے اس مسجد کا ذکر کیا ہے۔ اور اب تک دنیا بھر سے آنے والے سیاح اس مسجد کو دیکھنے آتے ہیں۔ اس خوبصورت سنہری مسجد کی پیشانی پر یہ تاریخ کندہ ہے ؎

بہ عہد بادشاہ ہفت کشور ❊ سلیمان فر محمد شاہ داور
بہ نذر شاہ بھیک آن قطب آفاق ❊ شد این مسجد بہ زینت در جہاں طاق
خدا را بانی است لیک از لوئے احسان ❊ بنام روشن الدولہ ظفر خان
بہ تاریخش ز ہجرت تا شمار است
ہزار و یکصد و سی و چہار است

ایک اور سنہری مسجد ۱۱۳۴ھ

پہلی سنہری مسجد سے ۲۳ برس بعد رفاہ عام کے لئے فیض بازار میں عین

JAMIA HAMDARD LIBRARY New Delhi

سڑک پر دوسری سنہری مسجد تعمیر کروائی۔ یہ مسجد اب پوشیدہ ہو گئی ہے۔ اور غلط العام کی وجہ سے اب **قاضیوں کی مسجد** کہلاتی ہے۔ اس مسجد کی تاریخ یہ ہے ؎

روشن الدولہ ظفر خاں صاحب جود و کرم ٭ کرد تعمیر طلائی مسجد عرش اشتباہ
مسجدے کاندر فضلئے قدریں آسمان ٭ کرد از خط شعاعی مہر جاروبی پگاہ
حوض صاف او نشان از چشمۂ کوثر دہد ٭ ہر کہ از آلیش وضو سازد شود پاک از گناہ
سال تاریخش رسائی یافت از الہام غیب
مسجدِ چوں بیت اقصٰے مہبطِ نورِ الٰہ

۱۱۵۷ھ

لاہور کی سنہری مسجد

جہاں تک ہم کو معلوم ہو سکا ہے۔ کہ لاہور ڈبی بازار کی مشہور سنہری مسجد بھی روشن الدولہ نواب ظفر خان کی بنوائی ہوئی ہے۔

اس سے اس شوق کا پتہ چلتا ہے، جو ان کے قلب میں موجزن تھا۔ وہ یہ چاہتے تھے، کہ بکثرت مسجدیں بنوائیں اور مسجدیں بھی ایسی ہوں جو اپنی خوبصورتی میں یکتا ہوں۔ جو شخص مساجد کے لئے اس قدر شوق اور محبت رکھتا ہو، اس کے دل میں نماز کی پابندی اور باقاعدگی کا کس قدر شوق ہوگا یہ ظاہر ہے اس سے بآسانی معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ یہ بھی وہ لوگ تھے، جنہوں نے کبھی بھی دنیا کو دین پر مقدم نہ کیا تھا۔ آپ نے چورانوے ۹۴ سال پانچ ماہ کی عمر پائی اور دسویں ذالحجہ ۱۲۶۱ھ ہجری طلوع آفتاب کے وقت تکبیر تحریمہ پڑھتے ہوئے مرض سرطان سے وفات پائی۔ اناللہ و

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ۔ آپ کا مزار قدم شریف دہلی کے احاطہ میں ہے۔

سیر المتاخرین کے مصنف نے بوجہ متعصب شیعہ ہونیکے بہت کچھ ان کے خلاف لکھا ہے۔ مگر اس کی کچھ حقیقت نہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خاندان سے ایک مناسبت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خاندان کی بہت سی باتیں حضرت ام المومنین کے خاندان سے ملتی ہیں۔ جیسے کہ میں پہلے ایک مثال کا ذکر کر آیا ہوں۔

حضرت مسیح موعودؑ کے خاندان کی درویشی

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بزرگ اگرچہ شاہی خاندان کے لوگ تھے۔ ہندوستان کے ورود سے قبل بھی وہ صاحب حشمت تھے۔ مگر اسکے باوجود انہوں نے درویشی کو اپنا شعار رکھا۔

حضرت میرزا ہادی بیگ مورث اعلیٰ نے سلطنت کے جھمیلوں سے دور پنجاب کے ایک جنگل میں ایک بستی بسائی۔ اس کا نام اسلام پور رکھا۔ اس میں حفاظ اور علماء کا ایک جمگھٹا رہتا تھا۔ قال اللہ اور قال الرسول کے ہر وقت چرچے رہتے تھے۔ ملاحظہ ہو (حیات النبی حصہ اول)

یہ تھی ان کی امیری میں درویشی۔ اور یہی حال حضرت ام المومنین کے بزرگوں کا رہا۔ کہ جب اللہ تعالےٰ نے ان کو دنیا کے مناصب سے حصہ وافر دیا تو اسوقت بھی یاد الٰہی ان کے قلب سے محو نہ ہوئی۔

تیسری مناسبت۔ نواب ظفر خان روشن الدولہ رستم جنگ ہفت ہزاری

شاہنشاہ ہند فرخ سیر کے زمانہ میں ہوئے ہیں۔ یہ حضرت ام المومنین کے خاندان کے مورثانِ اعلیٰ میں سے ایک تھے۔

اور اسی زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مورثانِ اعلیٰ میں عضدالدولہ میرزا فیض محمد خان صاحب ہفت ہزاری تھے۔ نواب ظفر خان نے بادشاہ کی مدد کے لئے تلوار اٹھائی۔

مگر عضدالدولہ میرزا فیض محمد خان نے دو کام کئے۔ ایک تو یہ کہ اس خانہ جنگی سے فائدہ اٹھا کر اپنی ایک خود مختار سلطنت کی بنیاد رکھنے کی کوشش نہیں کی۔ باوجود اس کے کہ ۸۴ گاؤں پر آپ کی حکومت تھی۔ علاقہ پر آپ کا اثر تھا آپ کے پاس باقاعدہ فوج تھی۔ اور مال و دولت سے حصہ وافر تھا۔ الغرض وہ تمام چیزیں موجود تھیں۔ جن کی وجہ سے کوئی صاحب اثر خاندان طوائف الملوکی کے وقت اپنی سلطنت و حکومت قائم کرے۔ مگر اس خاندان کی شرافت و نجابت اور بزرگی نے بادشاہانِ وقت سے غداری نہ کرنی چاہی اور نہ کی۔

دوسرے۔ عضدالدولہ میرزا فیض محمد خان صاحب ہفت ہزاری، جو سلکِ امراء میں اوّل درجہ کے امیر تھے، انہوں نے فرخ سیر شاہنشاہ ہند کے حکم کے ماتحت لشکر فیروزی میں حاضر ہو کر مناسب خدمات سرانجام دیں۔ جیسے فرمانِ شاہی سے واضح ہوتا ہے۔

ترجمہ۔ منشور محمد فرخ سیر غازی شہنشاہ ہندوستان۔

بزرگوں و ہمسران میں برگزیدہ میرزا فیض محمد خان شاہی دلجوئی یافتہ ہو کر

جان لیں۔ کہ اِس وقت حضور فیضگنجور عرش آشیانی ظلِ سبحانی آپ کی وفاکیشی اور خیر اندیشی اور جان نثاری سے نہایت خوش ہوئے۔ اس لئے حکم جہان مطاع عالم مطیع نے صدور کا شرف حاصل کیا ہے۔ کہ اِس **اخلاص نشان** کو ہفت ہزاری امراء کی سِلک میں منضبط کر کے اور جگہ دے کر **عضد الدولہ** کے خطاب سے مفتخر اور ممتاز کیا جاتا ہے۔

چاہیئے۔ کہ اب فیروزی اثر میں اپنے آپ کو موجود اور حاضر کریں۔ اور ہمیشہ عرش آشیانی کی درگاہ کے بندوں کی وفاکیشی اور خیر اندیشی میں مصروف اور ساعی رہیں۔

۱۹ ر ماہ شوال سنہ ۴ جلوس

(سیرت المہدی حصہ سوم صـ ۱۴۸)

اِس جگہ مَیں مناسب خیال کرتا ہوں۔ کہ عضد الدولہ اور ہفت ہزاری کی اس تشریح کو بھی درج کروں جو جناب مولوی عبید اللہ صاحب بسمل مرحوم نے سیرت المہدی حصہ سوم صـ ۱۵۲ اور صـ ۱۵۳ کے آخر تک لکھی ہے۔

شہنشاہ ہند محمد فرخ سیر کے منشور میں جو غفران مآب میرزا فیض محمد خانصاحب نور اللہ مرقدہٗ کے نام ہے۔ **تین لفظ** خاص اہمیت رکھتے ہیں۔

پہلا لفظ ہفت ہزاری کا ہے۔ دربارِ اکبری میں اراکین سلطنت کے مناصب کی تقسیم اس طرح سے شروع ہوئی تھی۔ کہ ہشت ہزاری کا منصب ولیعہد اور خاندان شاہی کے شہزادوں کے لئے خاص تھا۔ اور اراکین دربار و وزراء سلطنت ہفت ہزاری منصب سے ممتاز ہوتے تھے۔ شش ہزاری منصب بھی امراء کو بہت جاں نثاری کے بعد ملتا تھا۔ جس وقت گل گنڈہ کے فرمانروا ابوالحسن تاناشاہ کی سرکوبی پر شہنشاہ اورنگ زیب محمد عالمگیر نے تمام افواج ہندوستان کے

سپہ سالار نواب غازی الدین خان بہادر فیروز جنگ کو دکن کی مہم سر کرنے کے لئے مامور فرمایا۔ تو ان کو شش ہزاری کا عہدہ دیا۔ چنانچہ اُس وقت کا نامہ نگار نعمت خان متخلص بہ عالی اپنی مشہور کتاب وقائع نعمت خاں میں لکھتا ہے:۔

"دو شستے کہ آں شش ہزاری شش ہزار سوار زدہ بود"

اس فقرہ میں شش ہزاری کے لفظ سے مطلب ہے۔ کہ فیروز جنگ کو عالمگیر نے یہ منصب دیا ہوا تھا۔ جو ہفت ہزاری سے بہت ہی کم تھا۔ ہفت ہزاری منصب کی نسبت شاہانِ مغلیہ کے عہد میں ایک ضرب المثل مشہور تھی۔ "ہفت ہزاری شو و ہر چہ خواہی بکن۔" یعنی ہفت ہزاری کا منصب ایسا عالی ہے۔ کہ اگر تجھ کو حاصل ہو جائے تو تیرے کام میں کوئی دخل دینے والا نہیں رہے گا۔ الحاصل ہفت ہزاری کا منصب شاہانِ مغلیہ کے عہد میں بہت وقیع و رفیع سمجھا جاتا تھا۔ تاریخ شاہد ہے۔

دوسرا لفظ عضد الدولہ کا خطاب ہے۔

تاریخ کی ورق گردانی سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ جب ہارون و مامون و معتصم کے بعد بنی عباس کی خلافت میں ضعف آگیا۔ اور اسلامی دُنیا کے بعض حصوں میں متفرق خاندانوں میں حکومتیں برپا ہو گئیں تو ان میں سے دیالمہ کا خاندان بھی تھا۔ جس کے چمکتے ہوئے فرمانرواؤں کو استمالتِ قلوب کی وجہ سے خلافتِ بغداد کے دربار نے عضد الدولہ اور اس کے بیٹے کو رکن الدولہ کا خطاب دیا تھا۔ غالباً اسلامی تاریخ میں عضد الدولہ دیلمی ہی پہلا شخص ہے۔ جس نے یہ معز ز خطاب حاصل کیا ہے۔ اس کے بعد سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کو خلیفہ بغداد نے یمین الدولہ کے خطاب سے سرفراز کیا۔ ایرانی سلطنتیں بھی خلفائے بنی عباس کی اتباع سے اپنے امراء دربار کو اعتضاد الدولہ۔ احتشام الدولہ وغیرہ کے خطابات دیتی رہی ہیں۔

ہندوستان کی افغانی کنگڈم بھی علاء الملک۔ عماد الملک۔ خان جہان۔

خان دوران کے خطابات سے اپنے امراء و روٴسا کی دلجوئی کرتی رہی ہیں۔

مغل ایمپائر کے زریں عہد میں فرمانروایانِ اودھ کو شاہ عالم ثانی کی سرکار سے شجاع الدولہ اور آصف الدولہ کا خطاب ملا ہے۔ شاہ اکبر ثانی نے سر سید کو جواد الدولہ عارف جنگ کا خطاب دیا تھا۔ جس کو سر سید کے ارادتمند آج تک ان کے نام کے ساتھ لکھتے چلے آئے ہیں۔

سرکار کمپنی نے بھی بغرض تالیفِ قلوب باتباع شاہانِ مغلیہ والیانِ ٹونک کو امیر الدولہ اور ان کے بیٹے کو وزیر الدولہ کا خطاب دیا تھا۔

اس داستان پاستان کو طول دینے سے خاکسار کی غرض صرف یہ ہے کہ شہنشاہ فرخ سیر کا منشور جو غفران مآب میرزا فیض محمد خانصاحب طاب اللہ ثراہ کے نام ہے۔ جس میں ان کو عضد الدولہ کے خطاب سے مخاطب کیا گیا ہے وہ والیانِ اودھ شجاع الدولہ اور آصف الدولہ اور والیانِ ریاست ٹونک کے خطابات امیر الدولہ و وزیر الدولہ اور نواب بنگالہ سراج الدولہ کے خطاب سے اور سر سید کے خطاب جواد الدولہ سے زیادہ قدیم اور زیادہ وقیع ہے۔ کیونکہ فرخ سیر شاہنشاہ ہندوستان تھا۔ اس کے بیٹے محمد شاہ کے بعد سلاطین مغلیہ شاہ عالم ثانی و اکبر شاہ ثانی نام کے بادشاہ رہ گئے تھے۔ خطاب دینے والے بادشاہوں کے لحاظ سے غفران مآب کا خطاب ایک ذی شان شہنشاہ کی طرف سے ہے۔

الغرض

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت ام المومنین کے خاندان کے حالات پہلو بہ پہلو چلتے ہیں۔ ایک خاندان سمرقند (بخارا) سے آیا۔ تو دوسرا خاندان بھی بخارا کے کسی دوسرے حصے سے آیا۔ ایک دہلی میں بادشاہ کی خواہش کے مطابق آباد ہوا مگر عملی طور پر دہلی سے دور رہا۔

تو دوسرا

دہلی سے ویسے ہی دُور جاکر مقیم ہوگیا۔ ایک خاندان نے اولیاء پیدا کئے۔ اور بالآخر ام المومنین جیسی عصر حاضر کی سب سے بڑی باخدا خاتون پیدا کی، تو دوسرے خاندان نے اس زمانہ کے راستباز اور پاکباز حضرت مسیح موعود اور مہدی مسعودؑ کو پیدا کیا اور بالآخر نبیؑ اور پرانی پیشگوئیوں کے مطابق خدا تعالیٰ نے ان دونو خاندانوں کو ایک جگہ پر جمع کر دیا جسکی تفصیل اپنی جگہ پر آسکے گی۔

یہ حیرت کا مقام ہے۔ کسی انسان کے اختیار میں نہ تھا۔ کہ وہ اس طرح دو الگ الگ خاندانوں کو ایک دُور دراز ملک سے لاکر ہندوستان میں جمع کر دے۔ اور پھر دونو کو مختلف حالات میں سے گذار کر ایک کر دے۔ تاکہ پرانے اور نئے نوشتے پورے ہوں۔ یہ صرف اور صرف اللہ تعالےٰ ہی کا کام ہے۔

کیا یہ تعجب کا مقام نہیں

کہ ایکطرف تو خواجہ محمدؐ ناصر صاحب کو بتلایا جاتا ہے۔ کہ "یہ روشنی مسیح موعودؑ کے نور میں گم ہوجائیگی"۔ دوسری طرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اس رشتہ کی تحریک کیگئی اور اس تحریک کیمتعلق مندرجہ ذیل امور سے آگاہی دی۔

۱۔ مَیںنے ارادہ کیا ہے۔ کہ تمہاری ایک اور شادی کروں۔ ۲۔ یہ سب سامان میں خود ہی کرونگا اور تمہیں کسی بات کی تکلیف نہوگی۔ ۳۔ وہ قوم کے شریف اور عالی نسب ہونگے۔ ۴۔ اس شہر کا نام بھی بتلایا گیا جو دہلی ہے۔ ۵۔ یہ بیوی ایک مبارک نسل کی ماں ہوگی۔ ۶۔ اللہ تعالیٰ اس نسل سے ایک بڑی بنیاد حمایت اسلام کی ڈالیگا۔ ۷۔ اور اس نسل سے ایک وہ شخص بھی پیدا کریگا جو آسمانی روح اپنے اندر رکھتا ہوگا۔ ۸۔ وہ بیوی کنواری شادی میں آئیگی اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے بعد بھی عرصہ دراز تک زندہ رہیگی۔

۹۔ تیری نسل ملکوں میں پھیل جائیگی۔ اور یہ ذریت منقطع نہ ہوگی اور آخری دنوں تک سرسبز رہیگی۔
۱۰۔ اس نسل کو خاندان کے دوسرے افراد پر امتیاز ہوگا۔ کہ یہی بڑھینگے اور جدی بھائیوں کی ہر ایک شاخ کاٹدیجائیگی۔ ہاں جو توبہ کرینگے بچالئے جائینگے۔

یہ دس قسم کے نشانات جن کا ذکر تذکرہ میں موجود ہے۔ جو اس شادی کیساتھ وابستہ تھے اور خدا تعالیٰ کی منشاء کے ماتحت لفظ بلفظ اور حرف بحرف پورے ہو کر رہے۔ اس پیشگوئی کے اخیر میں فرمایا "اے منکرو اور حق کے مخالفو! اگر تم میرے بندے کی نسبت شک میں ہو اگر تمہیں اس فضل و احسان سے کچھ انکار ہے جو ہمنے اپنے بندے پر کیا تو اس نشانِ رحمت کی مانند تم بھی اپنی نسبت کوئی سچا نشان پیش کرو۔ اگر تم سچے ہو۔ اور اگر تم پیش نہ کرسکو اور یاد رکھو کہ ہرگز پیش نہ کرسکو گے تو اس آگ سے ڈرو جو نافرمانوں اور جھوٹوں اور حد سے بڑھنے والوں کیلئے تیار ہے۔" (تذکرہ صفحہ ۱۲۴)

یہ آخری حصہ قرآن کریم کی اس تحدی کو پیش کر رہا ہے۔ جو ان الفاظ میں ہے :۔ وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ o فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ o یہ تحدی قرآن کریم کے متعلق تھی اور آجتک کوئی دشمن اسلام اس تحدی کیخلاف کھڑا ہوسکا۔ بالکل اسی تحدی کا جلوہ اس آخری دور میں ہوا اور خدا نے اس شادی کو ایک نشانِ خاص بنایا۔ اور اس سے پیدا ہونیوالی اولاد کیلئے وعدے دیئے۔ انکی کثرت نسل کی شہادت دی انکے بڑھنے اور پھلنے، پھولنے اور پھیلنے کی بشارت دی۔

پھر ایک موعود لڑکے کی بھی بشارت دی۔ یہ تحدی اس امر کی دلیل ہے کہ اس خاندان کا عالم وجود میں لانا ایک بہت بڑا الشان ہے۔ یہ نشان حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت کی ایک ابدی دلیل ہے۔ بشرطیکہ کوئی دیدۂ بینا ہو۔ پس یہ خاندان شعائر اللہ میں سے ہے جس طرح دیگر شعائر اسلام کا احترام قیام ایمان کیلئے ضروری ہے اسی طرح ان کا احترام، ان کی محبت، ہمارے ایمان کا ایک جزو لاینفک۔

حضرت خواجہ سیّد محمدؐ ناصر صاحب

عندلیبؒ

حضرت خواجہ سیّد محمدؒ ناصر صاحب عندلیبؒ

دَورِ ثانی

نواب روشن الدولہ کی شادی سیّد لطف اللہ صاحب ابن سیّد شیر محمد صاحب قادری نبیرہ حضرت تاج الدین ابو بکر بن عبد الرزاق بن حضرت سیّد عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی دُختر سے ہوئی تھی۔

اِس نیک اور صاحب عصمت خاتون کے بطن سے حضرت خواجہ سیّد محمد ناصر صاحب عندلیب پیدا ہوئے۔ ان کی پیدائش ۱۱۰۵ھ ہجری میں ہوئی۔ آپ کی تاریخ پیدائش شاہ بیدلؔ نے یوں لکھی ہے

درو جود آمد چو ذاتِ آں ولی ؛ شد کمالاتِ امامت از جلی

سال تاریخش مرا الہام شد ؛ وارثِ علم امامین و علی

۱۱۰۵

"خواجہ سیّد محمد ناصر کی زندگی کا دَورِ اوّل"

حضرت خواجہ محمد ناصر کی زندگی پر دو بڑے دَور آئے

"دَورِ اوّل"

پہلا دَور تو یہ تھا۔ کہ آپ ایک امیر ابن امیر اور نواب ابن نواب کے گھر میں گویا مُنہ میں سونے کا چمچہ لیکر پیدا ہوئے۔ گھر میں زرو جواہر کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ چونکہ ایک طرف سے بلند مرتبہ سادات میں سے تھے۔ اور دوسری طرف بلند مرتبہ ارکان حکومت میں سے اس لئے دُنیا کی ہر قسم کی وجاہت حاصل تھی۔

گھر میں نوکر۔ چاکر۔ لونڈی۔ غلام موجود تھے۔ اور دینی اعتبار سے عوام تو عوام شاہی خاندان کے دل میں بھی ادب تھا۔ ایسی صورت میں آپکی شان و شوکت کا آسانی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

آپ خوبصورت بھی تھے۔ جب آپ کی سواری نکلتی تو تماشائیوں اور مشتاقان کا ہجوم جمع ہو جاتا۔ اور عوام تو عوام بڑے رئیس بھی سلام کے لئے ٹھہر جاتے۔ یہ میرا ذوقی امر ہے۔ کہ اُن کے چہرہ پر روشنی و درخشانی اس امانت کیوجہ سے تھی، جو وہ اپنے صلب میں حضرت ام المومنین نصرت جہان بیگم کے نام سے لئے ہوئے تھے۔

یہ وہ چیزیں تھیں جو ایک ناز و نعم میں پلے ہوئے انسان کو دُنیا کا گرویدہ بنا دیتی ہیں۔ اور وہ ایسا جکڑا جاتا ہے، کہ اس کا ہر قدم خدا سے دُور ہوتا چلا جاتا ہے۔

تعلیم اُس زمانہ میں شرفاء کی اولاد کی تعلیم گھروں پر ہی ہوتی تھی۔ اس دستور کے مطابق آپ نے علوم و فنون عربی اور فارسی کی تعلیم اپنے دادا نواب فتح اللہ خان سے حاصل کی تھی۔

چونکہ باپ دادا بڑے بڑے مناصب پر فائز تھے، اس لئے سپہ گری کے فن کو بھی کمال خوبی سے سیکھا۔

فوج کی سرداری

بیس برس کی عمر میں آپ شاہی فوج کے سردار بنائے گئے۔ عرصہ تک آپ یہ خدمت سر انجام دیتے رہے۔ اور ان خدمات کے صلے میں آپ نے ان مناصب کے برابر مناصب حاصل کر لئے تھے جو آپ کے دادا نواب فتح اللہ خان صاحب کو حاصل تھے۔

لیکن

یہ تمام مناصب اور یہ وجاہت اور یہ عزت اُن کے قلب کو مطمئن نہ کرسکتی تھی۔ اور وہ اس دُنیاوی ترقی اور وجاہت سے سخت متنفر تھے۔ مگر صرف اپنے بزرگوں کی خاطر اور حکم سے محض براً بالوالدین اس غیر مرغوب خدمت کو بجالاتے رہے۔

حضرت خواجہ **محمد ناصر**

کی اِس بات سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یہ بات بہت ملتی ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے آخری بزرگوں نے جب اپنی مختصر سی حکومت ضایع کردی یا منشاء الہٰی سے ضایع ہوگئی۔ تو آپؑ کے والد حضرت میرزا غلام مرتضٰے صاحب نے اپنی ساری عمر اس جائیداد کے حصول اور دُنیاوی ترقی کے لئے صرف کردی۔ ان کے بڑے بیٹے میرزا غلام قادر صاحب ان کی منشاء کے مطابق دُنیاوی کاروبار میں لگے ہوئے تھے

مگر

حضرت **مسیح موعود علیہ السّلام** کو ان کاموں سے سخت نفرت تھی۔ وہ اپنی ایک الگ دُنیا بنانی چاہتے تھے۔ جس میں سوائے خدا کے نام کے اور کچھ نہ ہو۔ مگر والد کی رضا بھی ضروری تھی۔ وہ اس غیر مرغوب اور ناپسندیدہ کام کو ایک لمبے عرصہ تک، کبھی **ملازمت** کی شکل میں، کبھی **زمینداری** کی شکل میں اور کبھی پیروی مقدمات کی شکل میں کرتے چلے گئے۔ مگر ان کا دل کبھی نہ خوش ہوا اور نہ مطمئن۔ بالآخر مشیت الہٰی نے آپؑ کے والد کو اپنے حضور بلا لیا اب آپؑ آزاد تھے۔ آپؑ نے فوراً ہی **خدمت دین** کا کام جو اصل **کام اور مقصدِ حیات** ہے۔ شروع کردیا۔

حضرت اقدسؑ کا ایک عجیب مکتوب

ذیل میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا جو ایک گرامی قدر مکتوب درج کیا جاتا ہے۔ اس مکتوب کے پڑھنے سے معلوم ہو گا۔ کہ حضور علیہ السلام کس طرح اوّل عمر میں ہی سے اس دُنیا سے متنفر اور اللہ تعالےٰ سے اپنے تعلقات کو مضبوط کرنیکی فکر میں رہتے تھے۔ یہ مکتوب آپؑ نے اپنے والد ماجد میرزا غلام مرتضیٰ خان صاحب مرحوم کی خدمت میں ایسے وقت میں لکھا تھا۔ جب آپ بدو شباب میں تھے۔ یہ مکتوب بھی آپؑ کی پاکیزہ فطرتی اور مطہر سیرۃ کا ایک جزو ہے۔ اور وہ یہ ہے:-

حضرت والد مخدوم من سلامت! مراسم غلامانہ و قواعد فدویانہ بجا آوردہ معروض حضرت والا میکند۔ چونکہ دریں ایام برای العین می بینم و بچشم سر مشاہدہ میکنم۔ کہ در ہمہ ممالک و بلاد ہر سال چناں وبائے می اُفتد۔ کہ دوستان را از دوستان و خویشان را از خویشاں جدا میکند۔ و ہیچ سالے نہ بینیم کہ ایں نائرۂ عظیم و چنیں حادثۂ الیم در آں سال شورِ قیامت نیفگند۔ نظر برآں دل از دُنیا سرد شدہ است۔ و رُو از خوفِ جان زرد و اکثر ایں دو مصرعہ شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی بیاد می آیند و اشکِ حسرت ریختہ می شود۔

مکن تکیہ بر عمر ناپائیدار ❊ مباش ایمن از بازیٔ روزگار

و نیز ایں دو مصرعہ از دیوانِ فرخ قادیانی نمک پاش جراحتِ دل میشود۔

بدنیائے دوں دل مبند اے جواں ❊ کہ وقتِ اجل میرسد ناگہاں

لہٰذا می خواہم کہ بقیہ عمر در گوشۂ تنہائی نشینم و دامن از صحبتِ مردم بچینم و بیادِ او سبحانہ مشغول شوم۔ مگر گذشتہ را عذرے و مافات را تدارکے شود ؎

عمر بگذشت و نماند است جز ایامے چند ✤ بہ کہ در یادِ کسے صبح کنم شامے چند

کہ دُنیا را اساسے محکم نیست و زندگی را اعتبارے نے و ائیس من خاف علیٰ نفسہ من افت غیرہ والسّلام "۔

اس خط کو غور سے پڑھنے پر عجیب معرفت ہوتی ہے۔ کہ آپ کو آخری الہام جو اپنی وفات کے متعلق ہوا وہ بھی یہی تھا۔

مکن تکیہ بر عمرِ ناپائیدار ✤ مباش ایمن از بازیٔ روزگار

اور آپ نے یادِ الٰہی میں مصروف ہونے کے لئے جس طرح بزرگوار والد مکرم سے اجازت چاہی، اس میں بھی اسی سے استدلال فرمایا۔

جلوت پر خلوت کو پسند کروں!

اس خط سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کسی شہرت و عظمت کے طلبگار نہ تھے۔ اور خدا تعالےٰ کے ساتھ ایک تعلق صافی رکھتے تھے۔ یہ امر واقعہ ہے۔ کہ آپ کو گوشہ گزینی سے اس قدر محبت تھی۔ کہ آپ کبھی جلوت میں نہ آتے۔ اگر اللہ تعالےٰ کے حکم کی تعمیل مدنظر نہ ہوتی۔ چنانچہ ایک مرتبہ فرمایا:۔

"اگر خدا تعالےٰ مجھے اختیار دے۔ کہ خلوت اور جلوت میں سے تو کس کو پسند کرتا ہے۔ تو اس پاک ذات کی قسم ہے کہ مَیں خلوت کو اختیار کروں۔ مجھے تو کشاں کشاں میدانِ عالم

میں انہوں نے نکالا ہے۔ جو لذت مجھے خلوت میں آتی ہے اس سے بجز خدا تعالےٰ کے کون واقف ہے۔ مَیں قریباً ۲۸ سال تک خلوت میں بیٹھا ہوں۔ اور کبھی ایک لحظہ کے لئے بھی نہیں چاہا۔ کہ دربار شہرت کی کرسی پر بیٹھوں۔ مجھے طبعاً اس سے کراہت رہی۔ کہ لوگوں میں مِلکر بیٹھوں۔ مگر امرِ آمر سے مجبور ہوں فرمایا۔ مَیں جو باہر بیٹھتا ہوں یا سیر کرنے کو جاتا ہوں۔ اور لوگوں سے بات چیت کرتا ہوں۔ یہ سب کچھ اللہ تعالےٰ کے امر کی تعمیل کی بناء پر ہے " (حیاۃ النبی حصہ اوّل صد ۷۲،۷۳)

بالکل اسی طرح جب نواب فتح اللہ خان اور روشن الدولہ نواب ظفر خان فوت ہو گئے۔ خواجہ محمد ناصر صاحب نے

وجاہتِ دنیا کو لات ماردی

فوراً بادشاہ محمد شاہ کے پاس جاکر استعفا دیدیا۔ بادشاہ نے بہت منع کیا اور سمجھایا۔ مگر آپ نے یہی کہا۔ کہ مجھے معاف کیا جائے مَیں اب یہ خدمت سرانجام نہیں دے سکتا۔

الغرض

اِس نام ونمود اس منصب وجاہ اس دولت وحشمت کو۔ اس سلام و قلق کو، ان حکومت کی رنگینیوں کو یکدم چھوڑ کر نواب خواجہ محمد ناصر گھر کو آئے۔

دوسرا دَور

اب پھر اس خاندان کی زندگی پیچھے کی طرف لوٹی۔ درویشی کو حکومت پر فتح ہوئی۔ خواجہ سید محمد ناصر صاحب نے گھر میں جو کچھ زر و جواہر تھا سب خد

کے راستے پر لٹا دیا۔ اور فقیر ہو گئے۔ محلات کو چھوڑ اور بیوی بچوں کو لے کر ایک کھنڈر میں آ کر عزلت گزین ہو گئے۔

میر عمدہ کا نالہ

دہلی سے جو اُس وقت شاہجہان آباد کے نام سے مشہور تھی۔ پہاڑ گنج سے جانبِ غرب ایک قصبہ تھا۔ جس میں میر عمدہ رہا کرتے تھے۔ یہاں ایک نالہ بھی بہا کرتا تھا۔ اس لئے مرورِ ایام سے اس جگہ کا نام بگڑ کر برمدہ کا نالہ ہو گیا تھا اس میں تمام سادات خوافیہ رہتے تھے۔

میر عمدہ کا اصل نام سید محمدؐ صاحب قادری تھا۔ جو خواجہ محمدؐ ناصر صاحب کے خسر تھے۔

اسجگہ نواب روشن الدولہ کا فیل خانہ تھا۔ شتر خانہ اور طویلہ تھا۔ نیز اسجگہ ان کا دیوانِ خانہ اور زنانہ محل بھی تھے۔ خواجہ محمدؐ ناصر صاحب اور ان کی اولاد کی پیدائیش بھی اس جگہ ہوئی تھی۔

خواجہ محمدؐ ناصر صاحب نے جب امارت اور دولت پر لات ماردی تو وہ پھر میر عمدہ کے نالہ پر آ رہے۔ جو شاہجہان آباد کے مقابل میں ایک کھنڈر سے زیادہ حقیقت نہ رکھتا تھا۔ ان بزرگوں کا یہاں ایک خاندانی قبرستان بھی تھا۔ جہاں سب بزرگ دفن تھے۔

الغرض

اس قدیم خاندانی مقام پر آپ اپنے بیوی بچوں کو لے کر آ گئے۔ اُن کے ساتھ اُن کے خاندان کے سب چھوٹے بڑوں نے جو شاہزادوں اور شاہزادیوں کی طرح زندگی بسر کرتے تھے، درویشی کو اختیار کر لیا۔ اور

الفقر فخری

کو اپنا مقصدِ حیات بنالیا۔

خواجہ محمدؐ ناصر نے تلافیٔ مافات کے لئے دن رات عبادت و ریاضت کو اپنا معمول بنالیا۔

خواجہ محمدؐ ناصر کی دُعا

خواجہ محمدؐ ناصر نے مال و دولت اور متنعمانہ زندگی کو دین کے راستے میں سب سے بڑی ٹھوکر جانا۔ لکھا ہے۔ کہ انہوں نے دُعا کی۔ کہ "اے خدا! اگر میں سچ مچ بنی فاطمہ ہوں تو مجھے اتنا رزق نہ دے کہ میں لگاتار دو وقت کھانا کھاؤں"

چنانچہ بیان کرنے والے بیان کرتے ہیں۔ کہ ان کی یہ دُعا قبول ہوئی۔ اور تمام عمر آپ کے ہاں ایک وقت فاقہ ضرور ہوا کرتا تھا۔ کبھی کبھی دو دو دن تک بھی فاقہ رہتا۔

آپ روزے بکثرت رکھا کرتے تھے۔ اور بکثرت چلّے کیا کرتے تھے۔ جو پُرانے زمانے میں صُوفیا کا طریق تھا۔

عبادتِ الٰہی کا یہ حال، کہ سردی کی لمبی راتیں اور گرمی کے پہاڑ سے دن عبادت میں گذار دیا کرتے تھے۔

اپنی جان پر سختی۔

حضرت خواجہ محمدؐ ناصر صاحب حصولِ عرفان اور تلافیٔ مافات کے لئے اپنی جان پر بڑی سختیاں کیا کرتے تھے۔ عشاء کی نماز کے بعد اپنے حجرہ میں داخل ہو جاتے تھے۔ اور حجرہ کا دروازہ بند کر لیتے اور دو زانو بیٹھ جاتے اور اپنے دونوں پاؤں کو بالوں کی رسی سے مضبوط باندھ لیتے، تاکہ جس جگہ بیٹھے ہیں وہاں سے جنبش نہ کر سکیں۔

یادِ الٰہی میں ساری ساری رات جاگتے رہتے۔ اِس پر اکتفا نہ کرتے ہوئے

ایک لکڑی کا رول پاس رکھ لیتے۔ اگر کبھی نیند کا جھونکا آئے تو رول سے اپنے نفس کو خوب مارتے۔ اور مارتے مارتے نفس کو کہتے۔ کہ "اے خطا کار! کیوں سو گیا تھا۔ آنکھ کیوں لگی اور خدا کی یاد سے کیوں غافل ہوا۔"

محویت اور استغراق

یہ حالت بڑھتے بڑھتے اِس حد تک پہنچ گئی۔ کہ آپ پر کبھی محویت اور استغراق کی حالت طاری ہو جاتی تھی۔ اور یہ حالت کئی کئی دن تک رہتی۔ مسجد کے نمازی اور گھر کے لوگ حجرے سے جھانک کر دیکھا کرتے تھے۔ کہ کہیں فوت تو نہیں ہو گئے۔ مگر آپ کو یا تو وہ نماز میں اور یا مراقبے میں پاتے۔ اسی قسم کی شدید ریاضت میں آپ کو برسوں گذر گئے۔

وقت آپہنچا

اِسی طرح ایک دفعہ حجرہ میں بیٹھے بیٹھے سات دن اور چھ راتیں گذر گئیں۔ ساتویں رات بھی آدھی گزر چکی تھی۔ موسم سخت گرم تھا۔ بھوک اور پیاس کی سختی سے آپ پر ضعف کی حالت طاری تھی۔ طاقت ایک حد تک جواب دے چکی تھی۔ اِسی کمزوری کی وجہ سے آپ کی آنکھ لگ گئی۔ کہ آپ نے رُول اُٹھا کر اپنے آپ کو مارنا شروع کر دیا۔ اسی وقت آزمائش کی گھڑی ختم ہو گئی۔ تاریک کمرہ یکدم غیر معمولی روشنی سے منور ہو گیا۔ اور ایک خوبصورت نوجوان جس کے سر پر ایک جواہر نگار تاج تھا۔ سامنے آیا اور آگے بڑھ کر آپ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور فرمایا:۔

"اے محمد ناصر! یہ کیا جبر و ستم ہے۔ جو تو اپنے نفس پر کرتا ہے تجھے معلوم نہیں ہے۔ کہ تو ہمارا لختِ جگر ہے۔ اور تیرے بدن کی چوٹیں ہمارے

دل پر پڑتی ہیں۔ اور تیری تکلیف ہمارے جد علیہ التحیۃ و الثناء کو تکلیف دیتی ہے۔ اس لئے ہر گز ہر گز ایسا نہ کرنا۔"

خواجہ محمدؒ ناصر یہ جلوہ دیکھکر تھرا گئے۔ آپ نے عرض کی۔ کہ یہ سب تکلیف

حصولِ عرفانِ الٰہی

کے لئے میں اُٹھا رہا ہوں۔

اس مکاشفہ میں انہوں نے دیکھا۔ کہ اس بزرگ نے ان کو اپنے سینہ سے لگا کر علوم معرفت کو ان کے سینہ میں بھر دیا۔ اور اُن کی عالمِ روحانی میں بیعت بھی لی۔ مگر اب تک خواجہ محمدؒ ناصر صاحب کو یہ معلوم نہ ہو سکا۔ کہ یہ بزرگ کون ہیں۔ تب انہوں نے دریافت کیا۔ کہ آپ اپنے اسم مبارک سے مجھے آگاہ فرمائیں۔ اس پر انہوں نے فرمایا کہ:۔

"میں حسنؓ مجتبےٰ بن علیؓ مرتضےٰ ہوں۔ اور میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے منشاء کے ماتحت تمہارے پاس آیا ہوں۔ تا تجھے **ولایت** اور **معرفت** سے مالا مال کروں۔"

ایک عظیم الشان پیشگوئی

اس کے بعد حضرت امام حسنؓ نے فرمایا۔ کہ:۔

"ایک خاص نعمت تھی۔ جو خانوادہ نبوت نے تیرے واسطے محفوظ رکھی تھی۔ اس کی ابتداء **تجھ پر ہوئی ہے۔ اور انجام اس کا مہدی موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ہوگا۔**

ہم خوشی سے تجھے اجازت دیتے ہیں۔ کہ اس نعمت سے جہان کو سیراب کر۔ اور جو تجھ سے طالب ہو، اس کو فیض پہنچا۔ تا یہ

سلسلہ پھیلے۔ اور یہ ساعت جو ابھی کچھ دیر باقی رہے گی۔ نہایت ہی مبارک ہے۔ اس وقت تو جس شخص کو اپنے ہاتھ پر بیعت کرے گا۔ اسے بقا باللہ کا مرتبہ حاصل ہو گا۔ اور قیامت تک اس کا نام آفتاب کی طرح چمکتا رہے گا۔

خواجہ محمدؒ ناصر صاحب نے حضرت امام حسنؓ سے دریافت کیا۔ کہ اس طریقہ کا نام کیا رکھا جائے تو انہوں نے اس کا نام طریقہ محمدؐیہ رکھا

اور فرمایا

"ہمارا نام محمدؐ ہے۔ ہمارا نشان محمدؐ ہے۔ ہماری ذاتِ محمدؐ ہے۔ اور ہماری صفات صفاتِ محمدؐ ہیں۔ اس لئے اس طریقہ کا نام محمدؐیہ طریقہ ہے۔"

پھر یہ بھی فرمایا:۔

"کہ اگرچہ تم اپنی مراد کو پہنچ گئے ہو۔ مگر چونکہ دنیاوی زندگی میں بیعت بھی سُنّت محمدؐیہ ہے۔ اس لئے عالم ظاہر میں بھی کسی بزرگ سے بیعت کر لینا۔

اس کے بعد وہ کشفی حالت جاتی رہی۔ میں اس کشف کے متعلق پھر بحث کروں گا۔ اس وقت واقعات کا لکھنا مطلوب ہے۔

پہلا مُرید

حضرت خواجہ محمدؒ ناصر صاحب کو اُس وقت یہ خواہش ہوئی۔ کہ اگر اس وقت میرا منجھلا بیٹا ہوتو اُسے میں اپنا مرید کرلوں تاکہ بقا باللہ کا مقام اسکو حاصل

ہو۔ اُس وقت حضرت خواجہ میر درد کی عمر ۱۳ سال کی تھی۔ اُن کو خیال آیا۔ کہ وہ اپنی ماں کے پاس سو رہا ہوگا۔ تاہم انہوں نے ارادہ کیا۔ کہ خواجہ میر درد کو لاکر اپنی بیعت میں شامل کر لوں۔ حجرہ کا دروازہ کھولا۔ باہر اندھیرا گھُپ تھا۔ نیچے پاؤں رکھا۔ تو محسوس ہوا۔ کہ حجرہ کی سیڑھی پر کوئی سو رہا ہے۔

دریافت کیا کون ہے؟ جواب آیا

حضور میں ہوں خواجہ میر

خواجہ میر اپنے باپ کو زندہ دیکھ کر خوشی کے جوش میں رونے لگے۔ حضرت خواجہ محمدؐ ناصر نے فرمایا۔ کہ بیٹا روتے کیوں ہو۔ خدا تعالےٰ نے ہمکو اپنی عنایت خاص سے عزت بخشی ہے۔ میرے ساتھ حجرہ میں آؤ۔ چنانچہ سارا واقعہ سُنا کر اپنے تیرہ سالہ بچے خواجہ میر کو جو بعد میں میر درد کہلائے **بقا باللہ** کے مرتبہ پر روحانی طور پر تیرہ سال کی عمر میں بیعت کر کے فائز کر دیا۔

حضرت خواجہ میر درد نے اپنی کتاب **علم الکتاب** میں لکھا ہے۔ کہ حضرت حسن رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی روح ان کے ساتھ حجرہ میں **سات دن تک** رہی۔

طریقۂ محمدیہ

اس دن سے دُنیا میں عالمِ تصوّف میں ایک جدید طریقہ۔ طریقہ محمدیہ کے نام سے جاری ہوا۔ جسے براہِ راست رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے فیض سے حضرت امام حسن رضؓ کی روح مبارک کے ذریعے حضرت خواجہ محمد ناصر صاحب کو عطا کیا۔ اور حضرت خواجہ میر درد اس سلسلہ محمدیہ میں مرید اول ہوئے۔

اس واقعہ کا ذکر خواجہ میر اثر صاحب نے جو حضرت خواجہ میر ناصر عندلیب کے چھوٹے صاحبزادے تھے نے اپنی ایک کتاب **بیان واقع** میں اِس

مندرجہ بالا واقعہ کو فارسی نظم میں لکھا ہے جس میں سے چند اشعار یہیں بطور نمونہ درج کر دیتا ہوں۔ فرماتے ہیں ؎

فیض خاصے یافت از روحِ حسن رضؓ
تخمِ آن را کشت اندر این چمن
ہفت روز و شب میانِ حُجرہ بود
پیشِ چشمش عالمے دیگر کشود
گشت نازل عالمِ روحانیان
در شہادت خارج از وہم و گمان
ہمچنان بر یک عبادت با وضو
اندریں مدّت نشستہ قیدِ او
جُز برائے پنج مکتوبی نماز
کہ در حُجرہ نمے فرمود باز
گوش چون صوتِ اقامت می شنود
آمدہ بیرون امامت می نمود
چون صلوٰۃِ فرض را دادے سلام
می شدے اندر حجرہ نے حرف و کلام
آشنائے خواب و خور اصلا نشد
ملتفت سوئے دگر اشیاء نشد
گوئیا او قیدِ جسمانی نبود
جُز ظہورِ نورِ رحمانی نبود
روزِ ہفتم چونکہ در را باز کرد

پسر خود را واقف ایں راز کرد

صادق آمد راست بروئے ایں خبر
آنکہ می باشد پسر بہ پدر

کائے سعادت مند بشنو ایں سخن
داشت تشریف شریف ابن حسنؓ

ایں سبب پیوستہ بودم در نماز
حسبِ حکمِ عالیش کردم نماز

نسبتِ خاصے عنایت کردہ است
راہِ پیغمبرؐ ہدایت کردہ است

امر شد تا دعوتِ اُمّت کنم
خلق را بر امر حق دعوت کنم

دینِ ما دینِ محمدؐ ہست و بس
خالص آئینِ محمدؐ ہست و بس

(بیان واقع)

"اُس واقعہ کشف پر ایک نظر"

متصوفین ہند و دیگر بلاد و امصار کا یہ طریق رہا ہے۔ کہ انہوں نے بڑے بڑے لمبے مجاہدے اور بڑی بڑی محنتیں اور مشقتیں اپنے نفس پر وارد کرلی تھیں۔ وہ کم خوردن۔ کم گفتن۔ کم خفتن پر عمل کیا کرتے تھے۔

اور یہ ایک حقیقت ہے۔ کہ روح جو ایک نورانی چیز ہے جسم کی دبیز اور موٹی چار دیواری میں قید ہے۔ انسان جو کچھ دیکھتا ہے وہ جسم کی

آنکھ سے دیکھتا ہے۔ اور جو سُنتا ہے وہ جسم کے کان سے سُنتا ہے۔ اور جو حظِ نفس اُٹھاتا ہے۔ وہ جسم کے نفس سے اُٹھاتا ہے۔ اسے اس کو چہ کی خبر بھی نہیں ہوتی جس میں روح کی لطافتیں جاگزیں ہوتی ہیں۔

روح کو خلود حاصل ہے اور جسم کو فنا۔ روح دُنیا اور اس کے آخری کونوں تک دیکھ سکتی ہے اور سُن سکتی ہے۔ اس کی رسائی دُنیا کے کناروں اور آسمانوں تک ہو سکتی ہے۔ مگر انسان نے اسے کبھی چھُوا تک نہیں۔ اور اس کی طرف کبھی توجہ تک نہیں کی۔ اِلاّماشاءاللہ لیکن صوفیائے کرام نے مختلف طریقوں سے جسم کو کمزور کیا اور روح کو نشوونما دی۔ تاکہ وہ ان بندھنوں سے آزاد ہو کر اپنا کام کر سکے۔ وہ ایک طرف تو جسم کو کم کھانے اور روزوں کے ذریعے کمزور کرتے۔ دوسری طرف عبادت و ریاضت سے روح کو قوت پہنچاتے تھے۔ چنانچہ اس اصل کے ماتحت حضرت خواجہ میر ناصر نے اس جسم کو جس کا گوشت پوست سلطنت و حکومت کے نشہ اور مال و دولت سے پرورش شدہ تھا۔ خوب ہی عبادتوں و ریاضتوں کے ذریعے سے ہلاک و فنا کر دیا تب الٰہی تجلّی کا ظہور حضرت امام حسن رضؓ کے رنگ میں اُن پر ہوُا۔ کوئی کہہ سکتا ہے۔ کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے

مگر

یہ ایک حقیقت ہے۔ کہ کبھی اللہ تعالےٰ اپنے بندوں پر اپنے جمال کا پرتوہ اُنہی کے بزرگوں کے رنگ میں ڈالا کرتا ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی ایک دفعہ اللہ تعالےٰ کو اپنے والد کی صورت پر دیکھا۔ اس لئے حضرت امام حسن رضؓ کی شکل و صورت پر تجلّی الٰہی کا ہونا کوئی بعید از قیاس امر نہیں۔ اور وہ لوگ جو اس دُنیا سے منقطع ہو جاتے ہیں۔ اُن کو عالمِ بالا کے صدہا عجائبات دکھائے جاتے

ہیں۔ جنکو وہ لوگ جو اہلِ بصیرت نہیں ہوتے نہیں سمجھ سکتے۔ اس لئے خدا تعالےٰ نے اُن کو اپنے کلامِ پاک میں اعمیٰ قرار دیا ہے۔ اس لئے کہ اُن کی وہ آنکھ نہیں ہوتی جس سے وہ اس نور میں دیکھ سکیں۔ اُن کی تمام حِسّیں مُردہ ہوتی ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالےٰ اُن کی نسبت فرماتا ہے۔

صُمٌّ بُکْمٌ عُمْیٌ فَھُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ

جو حواسِ خمسہ سے بے بہرہ ہو، اُسے دُنیا کی حقیقت کیا معلوم۔ وہ ایک مُردہ لاش ہے۔ جو گڑھے میں پھینک دی جائے گی۔ بالکل اسی طرح وہ لوگ جنکی روحانی حِسّیں مفقود ہو جاتی ہیں۔ وہ عالمِ روحانیت میں مُردہ لاش کی طرح تصور کئے جاتے ہیں۔ کروڑوں کروڑ انسان ایسے ہیں۔ جن کو ماؤں نے تو جن دیا۔ مگر وہ عالمِ روحانیت میں کبھی پیدا نہیں ہوئے۔ اور وہ اسی طرح مُردہ کے مُردہ ہی اِس جہان سے اُٹھ جاتے ہیں۔

انبیاء کا وجود

اِس لئے دُنیا میں آتا ہے۔ کہ وہ لوگوں کو ایک دُوسری دُنیا سے آگاہ کریں۔ جو عالمِ روحانیت کی دُنیا ہے۔ اور وہ ان قواء کو نشو و نما دینے کے طریقے بتلائیں جن سے انسان عالمِ روحانیت میں جاگزین ہو سکنے کے قابل ہو جاتا ہے۔

افسوس! کہ دنیا کو اس کوچہ کی خبر بھی نہیں اور اس حُسن و جمال سے آگاہ ہی نہیں۔ جس کا تعلق روحانیت سے ہے۔ اور جب انسان اس عالم میں پہنچ جاتا ہے۔ تو وہ بے اختیار پکار اُٹھتا ہے ؎

کس قدر ظاہر ہے نور اُس مبداء الانوار کا

بن رہا ہے سارا عالم آئینہ ابصار کا

چاند کو کل دیکھ کر میں سخت بے کل ہو گیا

کیونکہ کچھ کچھ تھا نشاں اس میں جمالِ یار کا
اس بہارِ حسن کا دل میں ہمارے جوش ہے
مت کرو کچھ ذکر ہم سے ترک یا تاتار کا
ہے عجب جلوہ تری قدرت کا پیارے ہر طرف
جس طرف دیکھیں وہ رہ ہے ترے دیدار کا
چشمۂ خورشید میں موجیں تری مشہود ہیں
ہر ستارے میں تماشہ ہے تری چمکار کا

یعنی وہ اِس دُنیا میں کسی چیز کو سوائے اس نئی دُنیا کے کچھ اور دیکھ ہی نہیں سکتا۔ ہر چیز اُسے خدا کی طرف بُلاتی ہے۔ اور اُسے ہر جگہ سے ایک ہی آواز سُنائی دیتی ہے۔ خدا۔ خدا۔ خدا۔ وہ نئے نئے نظارے دیکھا کرتا ہے۔ جو روحانی آنکھ کے اندھوں کو نظر ہی نہیں آسکتے۔

اس قریب کے زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وجود میں ان نظاروں کو ہم بکثرت دیکھتے ہیں۔

کبھی اللہ تعالےٰ کی تجلّی ان کو اپنے والد کی شکل میں نظر آتی ہے۔ اور کبھی حضرت فاطمہؓ اور حضرت علیؓ اور حضرت امام حسنؓ اور حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اپنے مکان میں دیکھتے ہیں۔

(تذکرہ صد ۲۱،۲۲ بحوالہ براہین احمدیہ حصہ چہارم صد ۵۰۳ حاشیہ در حاشیہ)

کبھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے بیداری میں ملاقاتیں ہوتی ہیں۔ اور کبھی حضرت عیسٰی علیہ السلام سے ملاقات ہوتی ہے اور ایک ہی برتن میں بیٹھ کر کھانا کھاتے ہیں۔

کبھی حضرت نانک رحمۃ اللہ علیہ سے باتیں ہوتی ہیں اور اپنے اسلام کا

آپ پر اظہار کرتے ہیں۔

کبھی کرشن جی مہاراج سے ملاقات ہوتی ہے

پس جو اس کوچے کا واقف نہیں۔ اسے یہ باتیں ہنسی اور کھیل سے زیادہ نہ معلوم ہوں گی۔ وہ ان لوگوں کی دماغی کیفیت کو ایک مجنون کی دماغی کیفیت سے ملانے میں دریغ نہ کرے گا۔

لیکن

اُسے کیا معلوم۔ کہ اس رنگین دُنیا کے سوا ایک اور دُنیا بھی ہے۔ جو اسی دُنیا میں پوشیدہ ہے۔ اور اس جسم میں ایک اور جسم بھی ہے۔ جو اسی جسم میں پوشیدہ ہے۔

اس جسم کی آنکھیں بھی ہیں۔ جو اس وقت دیکھتی ہیں۔ جب یہ آنکھیں بند ہو جاتی ہیں۔ اس کے کان بھی ہیں۔ جو اس وقت سُنتے ہیں۔ جب یہ کان بند ہو جاتے ہیں۔ اسی لئے متصوفین کے نزدیک ایک اصطلاح یہ بھی ہے لب بند و گوش بند و ہوش بند۔

مَیں اپنے ذوق کی لہروں میں کہاں سے کہاں چلا گیا۔ مَیں تو یہ لکھ رہا تھا۔ کہ اس روحانی عالم میں امام حسنؑ کی روح کا ظہور بھی ایک حقیقت ہے۔

روشنی سے کمرہ منوّر ہو گیا

یہ بھی ایک حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت موسٰے علیہ السلام کا واقعہ کس سے پوشیدہ ہے۔ جب وہ جنگل میں اپنے اہل کو لے کر آ رہے تھے۔ انہوں نے پہاڑ پر ایک آگ کو دیکھا۔ تو فرمایا

فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّیْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْٓ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَی النَّارِ هُدًی ۝

تم لوگ یہاں ٹھہر جاؤ۔ مجھے آگ نظر پڑی ہے۔ مَیں وہاں جاتا ہوں ممکن

ہے۔ کہ میں وہاں سے کوئی چنگاری لاسکوں۔ یا مجھے وہاں سے آگ کا ہی کچھ پتہ مل سکے۔

پس

یہ حقیقت ہے۔ کہ عالمِ بالا کا روشنی کے ساتھ ایک بڑا تعلق ہے۔ اور وہ اس سورج یا چاند یا ستاروں یا دوسری قسم کی روشنیوں کی مدد کا محتاج نہیں جب کسی انسان کو اس عالم میں لے جایا جاتا ہے۔ تو اسے روشنی ہی روشنی نظر آتی ہے۔ کیونکہ وہاں تاریکی کا کوئی مقام نہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا کشف

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھی ایسے بہت سے پاکیزہ مکاشفات دکھائے گئے۔ چنانچہ ایک واقعہ جو آپؑ نے تحریر فرمایا یوں ہے:۔

"حضرت والد صاحب کے زمانہ میں ہی جب کہ ان کا زمانہ وفات بہت نزدیک تھا۔ ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا۔ کہ ایک بزرگ معمر پاک سیرت مجھ کو خواب میں دکھائی دیا۔ اور اس نے یہ ذکر کرکے۔ کہ کسی قدر روزے انوارِ سماوی کی پیشوائی کیلئے رکھنا سُنّت خاندانِ نبوّت ہے۔ اس بات کیطرف اشارہ ہے۔ کہ میں اس سُنّت اہلِ بیت رسالت کو بجالاؤں۔ سو میں نے کچھ مدّت تک التزام صوم کو مناسب سمجھا۔ اور اس قسم کے روزہ کے عجائبات میں سے جو میرے تجربہ میں آئے وہ لطیف مکاشفات جو اس زمانہ میں میرے پر کھلے ۔ ۔ ۔ ۔ اور علاوہ اسکے انوارِ روحانی تمثیلی طور

پر برنگ ستون سبز و سُرخ ایسے دلکش اور دلستان طور پر نظر آتے تھے۔ جن کا بیان کرنا بالکل طاقت تحریر سے باہر ہے۔ وہ نورانی ستون جو سیدھے آسمان کی طرف گئے ہوئے تھے۔ جن میں سے بعض چمکدار سفید اور بعض سبز اور بعض سُرخ تھے۔ ان کو دل سے ایسا تعلق تھا۔ کہ ان کو دیکھکر دل کو نہایت سرور پہنچتا تھا۔ اور دُنیا میں کوئی بھی ایسی لذت نہ ہوگی۔ جیسا کہ ان کو دیکھ کر دل اور روح کو لذت آتی تھی۔ میرے خیال میں ہے۔ کہ وہ ستون خدا اور بندہ کی محبت کی ترکیب سے ایک تمثیلی صورت میں ظاہر کئے گئے تھے۔ یعنی وہ ایک نور تھا۔ جو دل سے نکلا۔ اور دوسرا وہ نور تھا جو اوپر سے نازل ہوا۔ اور دونو کے ملنے سے ایک ستون کی صورت پیدا ہوگئی۔ یہ روحانی امور ہیں۔ کہ دُنیا ان کو نہیں پہچان سکتی۔ کیونکہ وہ دُنیا کی آنکھوں سے بہت دُور ہیں۔ لیکن دُنیا میں ایسے بھی ہیں جنکو ان امور سے خبر ملتی ہے۔

نوٹ:۔ یہ واقعہ اوائل ۱۸۷۶ء کا ہے۔"

(تذکرہ صفحہ ۲۲، ۲۳۔ کتاب البریہ صفحہ ۱۶۴ تا صفحہ ۱۶۷)

اس کشف میں ایک اور چیز جو قابلِ توجہ ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ حضرت خواجہ محمد ناصر صاحب کو اسرارِ روحانی بغیر کسی ظاہری مُرشد کے سکھا دیئے گئے۔ بہت سے ظاہر پرست اس امر کی شدید مخالفت کرتے ہیں۔ کہ ایسا نہیں ہو سکتا۔

مگر

یہ حقیقت ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت ہمیشہ سے

زندہ تھی۔ زندہ ہے۔ اور زندہ رہے گی۔ اس لئے وہ لوگ جو آپؐ کی ذات سے ایک تعلق پیدا کرتے رہے۔ یا کرتے ہیں یا کرتے رہیں گے۔ اُن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض سے حصہ ملتا رہا ہے۔ ملتا ہے اور ملتا رہے گا۔ اس کی ہزار ہا مثالیں موجود ہیں۔

مَیں ایک وثوق سے کہہ سکتا ہوں۔ کہ جو لوگ اس کے منکر ہیں۔ اُن کو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیوض پر ایمان ہی نہیں۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو خدا تعالیٰ مومنوں کو آنحضرتؐ پر درود بھیجنے کے لئے کیوں فرماتا۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا

جب ہم درود شریف کے پاکیزہ تحفے حضور پُرنور کی بارگاہ میں بھیجتے ہیں۔ تو ہم کو بھی آپؐ کی بارگاہ سے ہمارے اخلاص۔ قلب کی صفائی۔ نورِ ایمان کے مطابق برکات سے حصہ ملتا ہے۔ اس زمانہ میں سب سے زیادہ درود بھیجنے والا ایک ہی انسان تھا۔ جسے خدا تعالیٰ نے ان برکات سے اس قدر مالا مال کیا۔ کہ اسے بروز محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم بنا دیا۔ چنانچہ آپؑ تحریر فرماتے ہیں:۔

"اس مقام میں مجھ کو یاد آیا۔ کہ ایک رات اِس عاجز نے اِس کثرت سے درود شریف پڑھا۔ کہ دل وجان اس سے معطر ہو گیا۔ اسی رات خواب میں دیکھا۔ کہ آب زلال کی شکل پر نور کی مشکیں اس عاجز کے مکان میں لئے آتے ہیں۔ اور ایک نے ان میں سے کہا۔ کہ یہ وہی برکات ہیں۔ جو تو نے محمدؐ کی طرف بھیجے تھے۔ صلے اللہ علیہ وسلم۔"

"اور ایسا ہی عجیب ایک اور قصہ یاد آیا ہے۔ کہ ایک مرتبہ الہام ہوا۔ جس کے معنے یہ تھے۔ کہ ملاءِ اعلیٰ کے لوگ خصومت میں ہیں۔

یعنی ارادہ الٰہی احیاء دین کے لئے جوش میں ہے۔ لیکن ہنوز ملاءِ اعلیٰ پر شخص محیی کی تعیین ظاہر نہیں ہوئی۔ اس لئے وہ اختلاف میں ہیں۔ اس اثنا میں خواب میں کچھ لوگ ایک محیی کو تلاش کرتے پھرتے ہیں۔ اور ایک شخص اس عاجز کے سامنے آیا۔ اور اشارہ سے اس نے کہا

هٰذَا رَجُلٌ یُحِبُّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ؐ۔

یعنی یہ وہ آدمی ہے۔ جو رسول اللہ ؐ سے محبت رکھتا ہے۔ اس قول سے مطلب یہ تھا۔ کہ شرط اعظم اس عہدہ کی محبت رسول ؐ ہے سو وہ اس شخص میں متحقق ہے"۔

(تذکرہ صفحہ ۲۷ و براہین احمدیہ حصہ چہارم صفحہ ۵۰۲، ۵۰۳)

پس آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جو ایک زندہ نبی ہیں، کے وجود سے اگر فیض نہ پہنچ سکتا ہوتا۔ تو میں سمجھتا ہوں۔ کہ درود شریف کی بھی ضرورت نہ رہتی۔

ایک عظیم الشان پیشگوئی

اس مکاشفہ میں ایک عظیم الشان پیشگوئی بھی فرمائی گئی۔ کہ :-

"یہ ایک خاص نعمت تھی۔ جو خانوادہ نبوت نے تیرے واسطے محفوظ رکھی تھی۔ اس کی ابتداء تجھ پر ہوئی۔ اور انجام اس کا مہدی موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ہو گا"۔ (میخانہ درد صفحہ ۲۷)

اِس پیشگوئی کے الفاظ پر غور کرنے سے بآسانی معلوم ہو سکے گا۔

۱۔ "یہ ایک خاص نعمت تھی"۔

۲۔ "جو اس خاندان کے لئے محفوظ چلی آتی تھی"۔

۳۔ اس کی ابتدا حضرت خواجہ محمدؐ ناصر سے ہوئی۔

۴۔ اور اس "نعمت" کا انجام مہدی موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ہوگا۔

اِس پیشگوئی میں اس خاندان کی برکات کی مدت کو محدود کر دیا گیا۔ کہ یہ برکت جو اب تمہارے وجود سے شروع ہوتی ہے۔ ظہور حضرت مہدی تک رہے گی۔ پھر یہ نعمت تمہارے خاندان سے ختم ہو جائے گی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ ظہور مہدیؑ کا وقت اِس پیشگوئی کے بعد جلد ہونے کا اظہار کیا گیا۔

یہ پیشگوئی مکمل نہیں سمجھی جائے گی۔ جب تک میں حضرت خواجہ میر درد رحمۃ اللہ علیہ کی ایک تحریر کو اس کے ساتھ شامل نہ کر دوں۔ جو اس پہلی پیشگوئی کی تائید مزید اور تشریح مکمل ہے۔ وہ فرماتے ہیں:۔

"اور یہ نسبت محمدیہ الخاصہ حضرت امام موعود علیہ السلام کی ذات پر ختم ہوگی اور تمام جہان ایک نور سے روشن ہوگا۔ اور اس نیرّ اعظم کے انوار میں سب فرقوں کے ستاروں کی روشنی گم ہو جائے گی۔" (میخانہ درد صفحہ ۱۲۸)

اب دونو پیشگوئیوں کو ملا کر پڑھنے سے یہ نتیجہ نکلے گا:۔

جو نعمت حضرت خواجہ محمدؐ ناصر پر نازل ہوئی اس کا انجام حضرت مہدی موعودؑ کے ظہور کے وقت ہوگا۔ مہدی موعود ایک نیرّ اعظم ہوگا جس کے انوار میں باقی تمام فرقوں

کی "روشنی گم ہو جائے گی"۔

اللہ۔ اللہ کیسی واضح پیشگوئی تھی۔ جس میں یہ بھی بتلایا گیا۔ کہ یہ طریقے، اور صوفیائے کرام کے طریقے ستاروں کا حکم رکھتے ہیں۔ اور ستارے اسیوقت اپنی روشنی سے منور کر سکتے ہیں۔ جبکہ نیّرِ اعظم مطلعِ شہود پر نہ ہو۔ لیکن جب روشنی کا بادشاہ مطلعِ شہود پر جلوہ فگن ہوتا ہے۔ تو ستاروں کی روشنی پھر کسی کو نظر نہیں آتی۔ بلکہ اس کی روشنی میں گم ہو جاتی ہے۔ کیسی صاف اور واضح مثال سے اس پیشگوئی کو واضح کیا گیا۔

ایک خاص نتیجہ

اِس پیشگوئی سے یہ بھی نکلتا ہے۔ کہ محمدؐ یین کا حضرت مہدی موعودؑ سے کوئی خاص تعلق ہو گا۔ کیونکہ محمدؐ یین پر اتری ہوئی نعمت جہاں ایک طرف ختم ہو رہی ہوگی وہاں ایک دوسری نعمت کا آغاز ہو رہا ہو گا۔ میرا کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس پہلی نعمت کا آخری سرا مہدی موعودؑ کی نعمت کے ابتدائی سرے سے مل کر پھر نئی صورت میں اس کا آغاز ہو جائے گا۔

چنانچہ بالکل ایسا ہی ہوا۔ حضرت خواجہ محمدؐ امیر صاحب اس سلسلہ محمدیہ میں آخری خلیفہ تھے۔ جو ۱۰ ستمبر ۱۸۰۴ء کو فوت ہو گئے۔ اور ان کے بعد کوئی حقیقی جانشین نہ ہو سکا۔ اگرچہ خانہ پُری کے طور پر حضرت محمدؐ امیر صاحب کے بیٹے خواجہ ناصر وزیر کو گدی نشین کر دیا گیا۔ مگر اُن کے بعد خانہ پُری بھی نہ ہو سکی۔ اب اِس خلافت کے اصل وارث حضرت میر ناصر نواب صاحب قبلہ تھے۔ جو مہدی موعود علیہ السلام پر ایمان لائے۔ اور انہوں نے اپنی اکلوتی بیٹی نصرت جہان بیگم کو جو ان تمام برکات اور نوروں کی حامل تھیں۔ جو

حضرت امام حسنؓ اور حسینؓ سے اُس وقت چلے آتے تھے۔ حضرت مسیح موعود مہدیٔ مسعودؑ کے نکاح میں دیدیا۔

اس طرح وہ روشنی اس نیرِ اعظم میں گُم ہوگئی۔ اور اس طرح اس خاندان کی روشنی کا آخری سرا جو خاتمہ کا سرا تھا۔ مہدیٔ موعود کے ابتدائی سرے۔ سے مِل کر نئے رُوپ۔ نئی شان۔ نئے رنگ میں ظہور پذیر ہوا۔

جن کی آنکھیں ہیں دیکھیں اور جن کے کان ہیں سُن لیں اور جن کو دل و دماغ میسّر ہیں وہ سوچیں۔ کہ کیا یہ انسانی تدابیر ہیں۔ کیا یہ سوچا ہوا منصوبہ ہے۔ کیا کوئی اسطرح انسانی تدابیر سے خدا کی مقرر شدہ تقدیروں کو بدل سکتا ہے۔ ہرگز نہیں پس دیکھو آفتاب صداقت چڑھ آیا ہے۔ اس کو دیکھکر تمہاری آنکھیں کیوں چندھیا گئیں۔ اور کیوں تم قبولِ حق کے لئے آگے نہیں بڑھتے۔ یہ پیشگوئی جو بڑی وضاحت سے پوری ہوئی۔ ایک اتمامِ حجت ہے۔ جس کے بعد کوئی جائے فرار نہ رہے گی۔

اب صوفیوں کا کوئی فرقہ خدا تک پہنچانے کا ذریعہ نہیں بن سکتا۔ اسلئے کہ اب اُن کی روشنی اِس نیرِ اعظم کی روشنی میں گُم ہوچکی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ایسے صوفیوں کو مخاطب کرکے فرماتے ہیں ؎

وہ جو کہلاتے تھے صوفی کیں میں سب سے بڑھ گئے
کیا یہی عادت تھی شیخ غزنوی کی یادگار
کہتے ہیں لوگوں سے ہم بھی زبدۃ الابرار ہیں
پڑتی ہے ہم پر بھی کچھ کچھ وحیٔ رحماں کی پھوار
پھر وہی نافہم ملہم اوّل الاعداء ہوئے
ہوگیا تیرِ تعصب اُن کے دل میں وار پار

دیکھتے ہرگز نہیں قدرت کو اس ستار کی
گو سُنا دیں ان کو وہ اپنی بجاتے ہیں ستار

صوفیا اب ہیچ ہے تیری طرح تیری تماہ
آسماں سے آ گئی میری شہادت بار بار

پھر فرمایا ؎
آسماں پر شور ہے پر کچھ نہیں تم کو خبر
دن تو روشن تھا مگر ہے بڑھ گئی گرد و غبار

سلسلہ محمدیہ

اس سلسلہ کا نام کشفی حالت میں سلسلہ محمدیہ خالصہ رکھا گیا۔ دراصل یہ لوگ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے لئے راستہ صاف کرنیوالے تھے۔ اس نسبت محمدی کو بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ ایک بڑی نسبت تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک الہام ہے

بخرام کہ وقتِ تو نزدیک رسید و پائے محمدیاں
برمنار بلند تر محکم افتاد۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آمد سے قبل ہی لوگ تبلیغ دین اور خدمتِ اسلام کا کام کر رہے تھے۔ اس لئے اس خدمت کا یہ صلہ تو نہیں تھا۔ کہ انکو مٹا دیا جاتا۔ بلکہ یہ تھا۔ کہ ان کو اور مضبوط و مستحکم کیا جاتا۔ اسی کی طرف اس الہام الٰہی میں اشارہ تھا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام میں ہو کر ان محمدیان

کا پاؤں اور بھی بلند و محکم ہو گیا۔

روشنی - اور منار

حضرت خواجہ سیّد محمدؐ ناصر صاحب کو کشف میں روشنی دکھائی گئی روشنی دی گئی۔ مسیح موعودؑ کا نام نیّرِ اعظم (خود حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہامات میں آپؑ کو شمس و قمر کے نام سے بھی پکارا گیا) رکھا جو روشنی کا منبع اور مصدر رہے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہام میں جو لفظ منار رکھا گیا تھا۔ اس کو اس روشنی سے نہ صرف ایک نسبت ہی تھی، بلکہ اس روشنی کا مقام اونچا کرکے بھی دکھایا گیا۔ یہ باتیں اس کشف میں غور طلب ہیں۔ اس لئے مَیں نے ایک لمبی اور مفصل بحث اس پر کی۔ ابھی اس کشف کے بعض دوسرے غوامض بھی ہیں۔ جو اپنی جگہ پر واضح کئے جائینگے۔ وباللہ التوفیق۔

یہ امر بھی یاد رہے۔ کہ دُنیا میں تصوف کے بہت سے طریقے ہیں۔ شاذلی۔ رفاعی۔ چشتی۔ صابری۔ سہروردی۔ نظامی وغیرہ وغیرہ۔ مگر فرقہ محمدیہ صرف اور صرف ایک ہی تھا۔

حضرت شیخ سعد اللہ صاحبؒ عرف شاہ گلشن صاحبؒ مجددی نقشبندیؒ کی صحبت

حضرت خواجہ میر محمدؐ ناصر صاحب کو اس ارشاد کے ماتحت جو حضرت

امام حسنؓ کے ذریعے حاصل ہوا تھا۔ کہ ظاہری طور پر بھی کسی کی بیعت کر لینا۔ کسی بزرگ کی جستجو ہوئی۔ چنانچہ انہوں نے یہ پسند کیا۔ کہ وہ حضرت شاہ گلشن صاحب نقشبندی کی طرف رجوع کریں جو حضرت بہاء الدین نقشبند کے سلسلہ نقشبندیہ میں اس وقت دہلی میں شہرت کامل رکھتے تھے۔ چنانچہ حضرت خواجہ محمد ناصر صاحب نے ان کے پاس حاضر ہو کر سارا واقعہ عرض کیا۔ انہوں نے ان کی عظمت اور نیکی کے مقام کو جانتے ہوئے بیعت لینے سے عذر کیا۔ البتہ یہ کہا۔ کہ آپ کبھی کبھی میرے فقیر خانہ پر تشریف لایا کریں۔ (نالۂ عندلیب ص۲)

"جو کچھ مجھے آتا ہے بغیر بیعت کے آپ کو بتادونگا"۔

"نیز چونکہ آپ صاحب مذاق شعر و شاعری"

"کے بھی ہیں اور فقیر بھی موزون طبع ہے۔ اسلئے"

"نظم و نثر کی بھی مشق رہے گی"۔

اس زمانے میں تمام امراء کے بچے اور شاہزادے اور شعراء اور علماء فضلاء، ادباء، حکماء سب آپ کی مجلس میں حاضر ہوا کرتے تھے اور بڑی علمی مجلسیں قائم ہوا کرتی تھیں۔ میرزا عبد القادر صاحب بیدلؔ جو اس زمانہ کے مشہور شعراء میں سے تھے، آپ کی مجلس میں مؤدب بیٹھا کرتے تھے۔

اور شمس ولی اللہ ولی جن کو مصنف آب حیات نے صـ۷ پر نظم اردو کا آدم لکھا ہے۔ آپ کے مرید اور شاگرد تھے۔

ولی

کے متعلق مولانا آزاد نے لکھا ہے:۔

کہ ولی اللہ کی برکت نے اُردو کو وہ زور بخشا۔ کہ آج ہند کی شاعری نظم فارسی سے ایک قدم پیچھے نہیں۔ تمام بحریں فارسی کی اُردو میں لائے۔ شعر کو غزل اور غزل کو قافیہ ردیف سے سجایا۔ ردیف وار دیوان بنایا۔ ساتھ اس کے رباعی قطعہ مخمس اور مثنوی کا رنگ بھی نکالا۔ انہیں ہندوستان کی نظم میں وہی رُتبہ ہے۔ جو انگریزی نظم میں چاسر شاعر کو اور فارسی میں رودکی کو اور عربی میں مہلہل کو۔" (آب حیات ص۸۵)

"ان کی وجہ سے اُردو زبان میں بڑی ترقی ہوئی تھی۔ وہ احمد آباد گجرات کے رہنے والے تھے۔

مگر

دلّی میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ ایک شعر میں کہتے ہیں ؎

دِل ولی کا لے لیا دلّی نے چھین
جا کہو کوئی محمد شاہ سوں

(آب حیات ص۹۳)

الغرض شاہ گلشن کی صحبت میں ہر قسم کے باکمال علم و ادب جمع ہوا کرتے تھے۔ شاہ گلشن صاحب کے کہا جاتا ہے۔ کہ دو لاکھ کے قریب شعر تھے مگر اب ان کا کوئی دیوان موجود نہیں بعض اشعار ادھر اُدھر سے دستیاب ہوتے ہیں آب حیات میں بھی دو شعر لکھے ہیں ؎

گشتم شہید تیغِ تغافل کشیدنت ❊ جانم زدست برد غزالانہ دیدنت
بدقت میتوانی فہمد معنی ہائے نازِ او ❊ کہ شرح حکمت العین است مژگانِ اداد

(ص۹۰ حاشیہ آب حیات)

ایسے علامہ اور فاضل اجل اور ادیب کبیر کی صحبت میں حضرت خواجہ محمد ناصر آنے جانے لگے۔

خواجہ محمد ناصر صاحب کی بیعت ظاہری

کچھ دنوں کے بعد جناب شاہ گلشن صاحب آپ کو اپنے مرشد زادہ خواجہ محمد زبیر صاحب کے پاس لے گئے۔ انہوں نے آپ کو دیکھ کر خندہ پیشانی سے اپنا مرید کر لیا۔ خواجہ محمد زبیر صاحب کا سلسلہ درویشی بھی سید خواجہ بہاء الدین صاحب نقشبند رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے چلتا ہے۔ خواجہ محمد زبیر صاحب نے بیعت لے کر اسی وقت ان کو بھی بیعت لینے کی اجازت دیدی (نالہ عندلیب ص ۳)

ان کا یہ خاندان حضرت شیخ احمد صاحب سرہندی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خاندان تھا۔ وہ اورنگ زیب کے زمانہ میں پیدا ہوئے۔ اور ۴ ذیقعدہ ۱۱۵۲ھ کو محمد شاہ کے زمانہ میں دلّی میں فوت ہوئے۔ اور سرہند میں دفن کیے گئے۔ اس طرح سے آپ کی ظاہری تکمیل بھی ہو گئی۔

میں لکھ چکا ہوں

کہ خواجہ محمد ناصر صاحب شاہجہان آباد کو چھوڑ کر میر عمدہ کے نالہ پر آ رہے تھے۔ جو شاہجہان آباد کے مقابلہ میں ایک اُجاڑ اور قصبہ تھا۔ مگر ان کے خاندان کے قدیم مکانات اسی جگہ تھے۔ جب ان کی درویشی کا چرچہ اور شہرہ ہونے لگا۔ تو

بادشاہِ وقت نے

بر مدہ کے نالہ پر بنفس نفیس پہنچ کر خواجہ محمد ناصر اور خواجہ میر درد کی زیارت کی۔ اور چاہا۔ کہ وہ اس ویران مقام کو چھوڑ دیں۔ مگر آپ نے اسے پسند نہ فرمایا۔ اس وقت مشائخ وسادات عام طور پر شاہجہان آباد دلّی کو ایک چھاؤنی خیال

کرتے تھے۔ اور ان کا خیال تھا۔ کہ شرفاء کی بہو بیٹیوں کو چھاؤنیوں میں نہیں رہنا چاہیئے۔

لیکن

رفتہ رفتہ ہندو مسلم شرفاء پرانی دلی سے نکلکر شاہجہان آباد میں آباد ہونے لگے۔ اور پرانی دلی اُجاڑ ہوتی چلی گئی حتیٰ کہ پانی لانے کے لئے سقّے اور صفائی کے لئے حلال خوری تک نہ ملتی تھی۔

بنیئے، بقال، کنجڑے۔ قصائی۔ سب پرانی دہلی سے منتقل ہو کر شاہجہان آباد میں آ گئے۔ مگر یہ گھرانا پھر بھی نہ اُٹھا۔

خواجہ محمد ناصر صاحب

نے متعدد کتابیں تصنیف کی تھیں۔ مگر افسوس کہ وہ سب کتابیں غدر کے ایام میں مفقود ہو گئیں۔ کیونکہ قلمی نسخے تھے۔ ایک کتاب

نالۂ عندلیب

جو ایک ہزار آٹھ سو صفحہ کی بڑی تقطیع پر لکھی تھی جسے نواب شاہجہان بیگم صاحبہ بیگم بھوپال نے طبع کرایا تھا۔ اور اب یہ کتاب بھی تقریباً نایاب ہو گئی ہے۔ مگر ہمارے سلسلہ کی لائبریری جو احمدیہ جوبلی ہال میں ہے۔ وہاں حضرت مولانا ابوالحمید صاحب آزاد مرحوم وکیل ہائی کورٹ حیدر آباد کی وقف شدہ کتابوں میں ایک نسخہ موجود ہے کتاب فارسی زبان میں ہے۔

نالۂ عندلیب

تصوف کی کتاب ہے مثنوی مولانا روم کی طرح بہت سی باتیں کہانیوں کے رنگ میں لکھی ہیں۔ جگہ جگہ فارسی اشعار سے اسے مزین کیا ہے۔ یہ اشعار ان کے اپنے ہی ہیں۔ انہوں نے کلام کو اور بھی جاذبِ نظر اور ملیح بنا دیا ہے مثنوی مولانا روم

تو نظم میں ہے۔ مگر یہ کتاب نثر میں ہے اور خوب ہے۔ اِس مختصر کتاب میں ہم انکی اس کتاب سے بہت کچھ لکھ نہیں سکتے۔ تاہم مختصر طور پر چند باتیں اس کتاب میں کسی دوسری جگہ درج کر دوں گا۔ تاکہ اُن کے خیالات اور فرقہ محمدیہ کے حالات پر ایک نظر پڑ سکے۔ اِس لئے بھی، کہ اُن کے خیالات ہمارے سلسلہ کے خیالات سے بہت حد تک ملتے جلتے ہیں۔ اور پڑھنے والوں کو ایک بڑی حد تک موازنہ اور مقارنہ کرنے کا موقع مل سکے گا۔ یہاں اس قدر درج کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ اسرارِ تصوف میں یہ ایک بینظیر کتاب ہے مصنّف نے کتاب کے دیباچہ میں لکھا ہے:۔

"کہ عرش سے فرش تک جو کچھ کون و مکان میں ہے۔ اکی امثال اور نمونے اس کتاب میں بہم کئے ہیں۔ (نالۂ عندلیب ص۶)

اور یہ بھی لکھا ہے:۔

"کہ میری یہ کتاب الہامی کتاب ہے۔ اور مَیں نے جو کچھ اسمیں لکھا ہے۔ وہ مکاشفہ اور معائنہ سے کیا ہے۔ اور خوبی یہ ہے۔ کہ تمام مکاشفے اور الہام قرآن پاک اور حدیث صاحبِ لولاک کے مطابق اور موافق ہیں۔ اور مرکزِ شریعت سے بال برابر ادھر اُدھر نہیں ہیں۔" (نالۂ عندلیب ص۶،۷)

اِس بیان کے پڑھنے سے مندرجہ ذیل امور کی وضاحت ہوتی ہے:۔

۱۔ حضرت خواجہ محمدؐ ناصر صاحب الہام الٰہی کا دروازہ بند نہیں سمجھتے تھے۔

۲۔ نیز ان کے نزدیک کشف اور معائنہ کا دروازہ بھی کھُلا تھا۔

۳۔ الہاماتِ الٰہیہ کے جاننے کے لئے معیار قرآن کریم اور حدیث نبویؐ کو ہی ٹھہرایا گیا تھا۔ جو الہامات قرآن کریم اور احادیث یا مرکزِ شریعت کے

کے خلاف ہوں۔ وہ کبھی بھی آسمانی کلام نہیں ہو سکتے۔

لیکن

کیسے تعجب کی بات ہے۔ کہ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اسی اصل کو پیش فرمایا۔ تو اس زمانے کے علماءِ سُوء نے اس کی مخالفت شروع کر دی۔ وہ الہام کے قطعی منکر ہو گئے۔ ان کے نزدیک مکالمہ اور مکاشفہ الہٰیہ اب کسی کو حاصل ہی نہیں ہو سکتا۔ اگر یہ باتیں درست ہوتیں تو اس زمانہ کے بزرگ اور مقتدر علماء جن میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی حضرت شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی اور حضرت مولانا محمد فخر الدین صاحب جیسے بزرگ جو ان کے معاصرین میں سے تھے۔ اور انہی کے محلے میں رہتے تھے، کیوں خاموش رہتے۔ ان بزرگ علماء کی طرف سے یہ سُننے کے بعد، کہ خواجہ محمد ناصر مدعیٔ الہام و مکاشفہ ہیں اور اپنی کتاب کو الہامی کتاب قرار دیتے ہیں۔ خاموش رہنا اس امر کی دلیل ہے۔ کہ ان کے نزدیک ایسا دعویٰ کرنا شریعت الہٰیہ کے خلاف نہ تھا۔

پس یہ ایک حجت ہے

کہ اس زمانے کے علماء اور صوفی اس بات پر ایمان رکھتے تھے۔ کہ اسلام ایک ایسا زندہ مذہب ہے۔ کہ جو خدا دانی اور خدا نمائی کا ذریعہ ہے۔ اور انسان اس مذہب کے ذریعے مکالمہ الہٰیہ اور مکاشفہ الہٰیہ سے مشرف ہو سکتا ہے۔

لیکن آجکل کے علماءِ سُوء

جادۂ صواب سے منحرف ہو گئے۔ جنہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ان دعاوی کی مخالفت کی۔ اور ان کو شریعتِ الہٰیہ کے خلاف قرار دیا۔

حالانکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی جو کچھ لکھا اور کہا وہ مکالمہ الٰہیہ اور مکاشفہ الٰہیہ اور ذاتی تجربہ اور مشاہدہ کے بعد لکھا اور کہا۔ چنانچہ آپؑ فرماتے ہیں ؎

ہمنے اسلام کو خود تجربہ کر کے دیکھا
نور ہی نور اُٹھو دیکھو سُنایا ہم نے

آج ان نُوروں کا اِک زور ہے اِس عاجز میں
دل کو ان نوروں کا ہر رنگ دلایا ہم نے

جب سے یہ نُور ملا نورِ پیمبرؐ سے ہمیں۔
ذات سے حق کی وجود اپنا ملایا ہم نے

مُصطفےٰؐ پر تیرا بیحد ہو سلام اور رحمت
اُس سے یہ نور لیا بار خدایا ہم نے

ربط ہے جانِ محمدؐ سے میری جاں کو مدام
دل کو وہ جام لبالب ہی پلایا ہم نے

اِس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اِس زمانے کے علماء اُس زمانے کی نسبت زیادہ سیاہ دل ہو گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ ان کو آسمان کی آواز سُنائی نہ دی۔

نالۂ عندلیب بڑی مقبول ہوئی۔ شاہانِ دہلی اور امرائے دہلی اور صوفیائے کرام نے اس کتاب کی نقلیں کروائیں۔ اور سنہری اور لاجوردی جدولوں کے ساتھ ان کے اوراق سجائے گئے۔ اور کتب خانوں میں رکھی گئیں۔

آپ کا ایک الہام

ایک دفعہ آپ کو یہ الہام ہوا :۔

"ہم نے تمہارے نام کو پسند فرما لیا۔ اور تمہاری اولاد، اور تمہارے معتقدین اور مریدوں کے لیے اس میں دونوں جہان کی برکات داخل فرما دیں۔ جو شخص از راہِ عقیدت لفظ ناصر کو اپنی یا اپنی اولاد کے نام میں شامل کرے گا۔ اس کی برکت سے ہمیشہ مظفر و منصور رہے گا۔ اور آتش دوزخ اس پر حرام کر دیجائیگی۔ اور جو شخص اپنی کتاب یا خط کی پیشانی پر "ھُوَالنَّاصِر" تحریر کرے گا، اس کتاب اور خط کے مطالب کو کامیابی ہوگی۔" (میخانۂ درد صفحہ ۹۲)

اِس بناء پر آپ نے یعنی حضرت خواجہ محمد ناصر صاحب نے اپنا نام دلیل الناصر رکھا۔ اور اس کے بعد آپکی تمام اولاد ذکور و اناث کے ناموں میں لفظ ناصر ایک جزو قرار دیا گیا۔ یہانتک اپنے غلاموں کے نام بھی ناصر قلی اور ناصر بخش وغیرہ رکھے گئے۔

حتےٰ کہ جس چیز پر وہ بیٹھکر سہارا لیتے تھے، اُس کا نام بھی ناصری رکھ دیا گیا۔

ایک عجیب اتفاق

جیسے کہ پیشگوئی تھی، کہ "یہ نسبت حضرت امام موعود علیہ السلام کی ذات پاک پر ختم ہو جائے گی اور تمام جہان ایک نور سے روشن ہو گا اور اس نیرّ اعظم کے انوار میں سب فرقوں کے ستاروں کی روشنی گم ہو جائے گی"۔

بالکل اس پیشگوئی کے مطابق سب فرقوں کی روشنی گم ہو گئی اور فرقہ محمدیہ خالصہ بھی ختم ہو گیا۔ اب ان کے ناموں میں بھی وہ بات نہ رہی۔

مگر

حضرت ام المومنین نصرت جہان بیگم کے ذریعے کسی خاص قصد سے نہیں بلکہ خود

بجو دیہ چیز سلسلہ احمدیہ اور خاندانِ نبوت میں منتقل ہو گئی۔ صاحبزادگان میں سے میرزا ناصر احمد صاحب۔ میرزا منصور احمد صاحب۔ صاحبزادیوں میں سے صاحبزادی ناصرہ بیگم صاحبہ منصورہ بیگم صاحبہ۔ لفظ ناصر کے حامل ہیں۔

ناصر آباد ایک محلہ کا نام رکھا گیا۔ نصرت گرلز سکول ایک مدرسہ کا نام رکھا گیا۔ النصرت حضرت میرزا ناصر احمد صاحب کی کوٹھی کا نام رکھا گیا۔ اور اس طرح وہ لفظ ناصر بھی سلسلہ محمدیہ سے منتقل ہو کر سلسلہ احمدیہ میں آگیا۔ جماعت میں ہزار ہا افراد کے نام کے ساتھ ناصر کا لفظ استعمال ہونے لگا۔

عبداللہ ناصر

مجھے یاد ہے۔ کہ میرا ایک عزیز بھائی تھا جس کا نام حضرت خلیفۃ المسیح اول رضؓ نے عبداللہ رکھا تھا۔ حضرت میر ناصر نواب صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو ازراہِ شفقت و محبت حضرت والد صاحب کے پاس اکثر تشریف لایا کرتے تھے۔ نے دریافت فرمایا بچے کا کیا نام رکھا ہے۔ حضرت والد صاحب نے فرمایا۔ کہ حضرت نے عبداللہ نام تجویز فرمایا ہے۔ اس پر حضرت میر صاحب نے فرمایا کہ اس کے ساتھ ناصر کا اضافہ کر دو۔ چنانچہ ان کے فرمانے پر اس کا نام عبداللہ ناصر کر دیا گیا۔ خدا کی قدرت اس کی زندگی تھوڑی تھی وہ ڈوب کر فوت ہو گیا۔ ہمارے خاندان میں لفظ ناصر بہت پسند کیا گیا۔ چنانچہ

عزیزم شیخ ابراہیم علی عرفانی میرے چھوٹے بھائی کے لڑکی ہوئی۔ تو اس کا نام ناصرہ رکھا گیا۔ خدا کی قدرت یہ بچی بھی پندرہ سولہ سال کی ہو کر فوت ہو گئی۔ تب یہ دونو نام

عزیزم شیخ یوسف علی صاحب عرفانی کے بچوں کی طرف منتقل ہو گئے۔ چنانچہ اُن کے ایک لڑکے کا نام

محمدؐ زکریا ناصر

رکھا گیا۔ اور بچی کا نام صدیقہ ناصرہ۔

الغرض

اس طرح سلسلہ احمدیہ میں لفظ ناصر بکثرت پھیل گیا۔ اور مکانوں۔ محلّوں اور مدرسوں تک کے ناموں میں لفظ ناصر کا استعمال ہونے لگا۔

"خطوں اور کتابوں کی پیشانی پر النّاصر"

محمدیّہ الخاصہ تو اب اپنے خطوں اور کتابوں پر اس پیشگوئی کے مطابق النّاصر نہیں لکھتے۔ مگر یہ چیز بھی سلسلہ احمدیہ میں منتقل ہو گئی۔

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز اپنی تمام تحریروں پر اپنی ایک رؤیا مبارکہ کی بناء پر (اس رؤیا کا تفصیلی ذکر خود انکی سوانح میں آئے گا) ہمیشہ یہ عبارت لکھا کرتے ہیں:۔

خدا تعالیٰ کے فضل اور رحم کے ساتھ
هُوَ النَّاصِرُ

آپ کی ہر کتاب پر اور تصنیف پر یہ عبارت کندہ ملے گی۔ چنانچہ جماعت احمدیّہ کے مضمون نگار اور مصنّف بھی جب کوئی اہم تحریر لکھتے ہیں۔ تو اس عبارت کا استعمال کرتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ قادیان کے محلّہ جات میں پھرنے والے انسان کو بہت سے مکانوں کی پیشانی پر یہی عبارت لکھی ہوئی نظر آئے گی۔ مثال کے طور پر میں حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی کے مکان کی پیشانی کا ذکر کر سکتا ہوں۔ اور خود ہمارے گھر میں عزیز مکرم یوسف علی عرفانی کے مکان پر هُوَ النَّاصِرُ لکھا ہوا موجود ہے۔ اور اسی طرح اور بہت سے احباب کے مکانوں پر بھی یہ لکھا ہوا ہے۔

اس طرح خواجہ محمدؐ ناصر کے گھرانہ کی ہر چیز ام المومنین کے وجود کیساتھ

ہی سلسلہ احمدیہ میں منتقل ہو آئی۔ ہر وہ شخص جسے ایک ذرہ بھی ایمان اور بصیرت سے حصّہ ملا ہے۔ وہ اس مقارنہ اور موازنہ سے اپنے ایمان میں ایک نئی لذت محسوس کرے گا۔

یہ قدرت الٰہی کے نوشتے ہیں۔ جو پورے ہو کر رہے کسی انسان کی طاقت نہ تھی۔ کہ وہ ان چیزوں کو اپنی مرضی کے مطابق بنا لے۔ اگر یہ انسانی تدابیر اور ہوشیاریوں کا نتیجہ ہے تو چاہیئے، کہ کوئی اور شخص بھی اس میدان میں قدم رکھکر دُنیا کو محوِ حیرت بنائے۔ مگر نہیں! نہیں!! ایسا نہیں ہو سکتا۔ یہ انسانی مکر و دجل کا کام نہیں۔ یہ خدا کی عین منشاء کے ماتحت ہونے والے امور ہیں۔ جو پورے ہوئے۔

اے سچائی کے طالبو!

آؤ دیکھو! کہ ہم تمہارے سامنے ایک سچائی کا چمکتا ہوا سورج رکھتے ہیں۔ اگر تم روشنی سے پیار کرتے ہو۔ تو دیکھو کہ نیّر بیضا اپنی پوری تجلی سے چمک رہا ہے۔

خواجہ محمدؐ ناصر صاحب کی روشن ضمیری

ایک قصّہ جو خاندانِ خواجہ محمدؐ ناصر صاحب میں مشہور ہے۔ اس کا بھی تذکرہ کر دینا کوئی بیجا نہ ہو گا۔ کہتے ہیں۔ کہ ایک سیّاح صاحب آئے اور وہ مولانا محمدؐ فخر الدین صاحب کے ہاں مہمان ہوئے۔ ان سیّاح نے کہا۔ کہ یا حضرت آپ کو تو ہیں نے چشتیہ نظامیہ طریقہ کا آفتاب پایا ہے۔ کیا یہاں کوئی نقشبندیہ طریقہ کا بھی کوئی کامل فقیر ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ ہاں ہے۔ ان کا نام خواجہ محمدؐ ناصر ہے۔ اور وہ اس طریقہ کے یکتا درویش ہیں۔ سیّاح نے آپ سے ملنے کی خواہش کی۔ مولانا نے ساتھ چل کر ملانا منظور فرما لیا۔ وہ وقت دوپہر کا تھا

اُس وقت حضرت خواجہ صاحب کا دستر خوان بچھا کرتا تھا۔ اور جو مہمان آتا اُسے الگ دستر خوان بچھا کر کھانا کھلایا کرتے تھے۔ اپنے ساتھ نہیں کھلایا کرتے تھے۔ مولانا فخر نے فرمایا۔ کہ ان کا یہ معمول ہے۔ کہیں آپ کو بُرا نہ معلوم ہو۔ سیّاح نے کہا۔ کہ میں ان کی روشن ضمیری کے امتحان کے لئے جا رہا ہوں۔ میں نے اپنے دل میں دو خواہشیں سوچ رکھی ہیں۔ اگر وہ صاحب باطن ہوں گے۔ تو دونو خواہشوں کو پورا کر دیں گے۔

مولانا فخر الدین صاحب نے پُوچھا۔ کہ وہ کیا خواہشات ہیں؟ سیّاح نے کہا۔ کہ ایک تو یہ کہ وہ مجھے اپنے ساتھ کھلائیں اور دوسرے مجھے ایک تربوز بھی کھلائیں۔

چنانچہ جب حضرت مولانا فخر سیاح کو لیکر آپ کی بارہ دری میں آئے۔ تو آپ کھانا کھا رہے تھے۔ خواجہ صاحب نے مولانا فخر کے لئے اپنے کندھے کی چادر اُتار کر بچھا دی۔ کہ اس پر تشریف رکھیں۔ اور سیّاح صاحب کو زبردستی اپنے ساتھ کھانے میں شریک کر لیا۔ اور ایک خادم سے کہا۔ بازار سے تربوز لاؤ۔ ہمارے مہمان گرمی میں آئے ہیں۔ اس سے کچھ تسکین ہو گی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کا معمول

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا معمول یہ تھا۔ کہ وہ اپنے مہمانوں کو ساتھ لیکر کھانا کھایا کرتے تھے۔ آپؑ کے قلب کی صفائی کا حال تھا۔ کہ آپؑ کے پاس بیٹھنے والے مریدین مخلصین کے دل میں کوئی بات آتی آپؑ فوراً اسے پُورا کر دیتے۔ مثلاً کھانے کھاتے ہوئے کسی کے دل میں یہ خیال آتا۔ کہ فلاں چیز ملجائے۔ تو حضرتؑ فوراً ہی بغیر سوال کے لا دیتے۔

مثلاً

مُنشی عبدالعزیز صاحب پٹواری جو ہمارے ہمسائے ہیں۔ اور حضورؑ کے پُرانے صحابی۔ کی ایک روایت ہے۔ کہ ایک دفعہ میرے دل میں شہتوت کھانے کی خواہش پیدا ہوئی۔ حضرتؑ اس دن سیر کو اپنے باغ تشریف لے گئے۔ باغ میں سے شہتوت تڑوا کر ٹوکرے بھروائے۔ دوستوں کو کھانے کے لئے فرمایا۔ خود بھی کھانے لگے۔ اور مجھے بار بار فرماتے: مُنشی صاحب! اچھی طرح کھاؤ۔ مُنشی صاحب کا بیان ہے۔ کہ مجھے کچھ شرمندگی سی ہونے لگی۔ کہ کہیں حضرتؑ کو میری خواہش کا علم تو نہیں ہو گیا۔

اِسی طرح

انہی کا بیان ہے۔ کہ ایک دفعہ حضرت اقدسؑ ایک مقدمہ کے دوران میں گورداسپور گئے ہوئے تھے۔ حضرتؑ کو کسی نے دُودھ پیش کیا۔ بہت سے لوگ ارد گرد بیٹھے اور مَیں فاصلے پر تھا۔ میرے دل میں آپؑ کا تبرک پینے کا خیال آیا۔ مگر ساتھ ہی خیال آیا۔ کہ مجھے کیسے مل سکتا ہے۔ حضرتؑ نے دُودھ پی کر باقی برتن میری طرف بڑھا کر کہا۔ کہ لو مُنشی صاحب پی لو۔ اس طرح مَیں آپؑ کے تبرک کی نعمت سے مالا مال ہو گیا۔

ایسے صدہا واقعات ہیں۔ ایک دوست نے ایک روایت میں لکھا کہ ایک دفعہ کھانے میں بٹیرے پک کر آئے۔ حضرتؑ نے بعض دوستوں کو کھانے کو دیئے۔ میرے دل میں بھی بٹیر کھانے کی خواہش پیدا ہوئی۔ خیال کا آنا تھا۔ کہ حضرتؑ نے اپنی تھالی سے بٹیر اُٹھا کر میری تھالی میں رکھ دیا۔

نوٹ:۔ یہ روایات مَیں نے اپنے حافظہ کی بناء پر لکھی ہیں۔ اس لئے مفہوم تو درست ہے۔ الفاظ میرے اپنے ہی ہیں۔

اصل الفاظ نہیں ہیں۔ (محمود احمد عرفانی)

یہی حال سائل کا تھا۔ کہ ایک سوال کسی کے دل میں پیدا ہوا۔ اور حضورؒ نے فوراً ہی اس کا جواب خود بخود اپنی تقریر میں دیدیا۔ سچ ہے۔ کہ حضور اقدسؒ اس اس زمانے کے

نیرّ اعظم تھے۔

جن میں سب ستاروں کی روشنیاں گم تھیں۔

حضرت خواجہ محمدؒ ناصر کی وفات

آپ کی وفات ۲ رشعبان ۱۱۷۲ھ ہجری کو ہفتہ کے دن ہوئی۔ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ جب آپ کی لاش کو قبرستان میں لایا گیا۔ حضرت خواجہ میر درد صاحب نے کشفی حالت میں دیکھا۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بھی تشریف فرما ہیں اور فرماتے ہیں۔ کہ ہم خواجہ محمدؒ ناصر کے جنازہ کی انتظار میں ہیں۔ اور جب تک خواجہ صاحب کو دفن نہیں کیا گیا حضورؐ کھڑے رہے۔ حضرت خواجہ میر درد نے جس جگہ حضورؐ پُرنور کو دیکھا تھا۔ وہاں ایک سنگِ سُرخ کا نشان لگوا دیا تھا۔ اس پتھر پر یہ رباعی کندہ تھی ؎

ایں ارضِ مقدس است بس پاک بود

رشکِ عرش و نجوم و افلاک بود

ازبس ز کرم داشتہ تشریف شریف

نقشِ قدم صاحب لولاک بود

آپ کے مزار کا کتبہ

آپ کے مزار پر حسب ذیل کتبہ لگا ہوا ہے ؎

محبوب خدا خواجہ محمدؐ ناصر ⁂ حق راہ نما خواجہ محمدؐ ناصر
ہادی و شفیع و دستگیر ہمہ است ⁂ در ہر دو سرا خواجہ محمدؐ ناصر

ناصر الملت والدین امیر المحمدیین الخالصین محمدی المتخلص بہ عندلیب۔ علیہ التحیات۔

ولادت۔ ۲۵ شعبان۔ ع۔ وارثِ علم امامینؑ و علیؑ

رحلت۔ یوم شنبہ بعد العصر قرب شام
دوم ماہ شعبان ۱۱۷۲ھ ہجری۔ عمر شریف ۶۶ سالی

⁂

آپ کی وفات کے بعد بادشاہِ دہلی نے آپ کا مقبرہ سنگِ مرمر کا بنوانا چاہا۔ مگر حضرت خواجہ میر درد صاحب نے منظور نہ کیا۔ اور فرمایا:-

"اِن تکلفات سے فقیروں کو کیا سروکار"

خواجہ میر اثر صاحب جو خواجہ محمد ناصر صاحب کے چھوٹے صاحبزادے تھے۔ (دیکھو تذکرہ شعرائے ہند مصنفہ میر حسن دہلوی (مسنفہ مولوی حبیب الرحمٰن شروانی انجمن ترقی اردو) نے اپنے والد بزرگوار کے حالات ایک منظوم کتاب میں لکھے ہیں۔ جس کا نام بیان واقع ہے۔ اس منظوم کلام کے لکھنے کی ضرورت نہیں۔ مندرجہ بالا حالات کا ماخذ بیان واقع اور بعض دوسری کتابیں ہیں۔ جس میں خود نالہ عندلیب اور بیانِ درد۔ سوزِ درد۔ شمع محفل وغیرہ رسائل شامل ہیں۔

خواجہ میر درد کے نزدیک خواجہ محمدؐ ناصر کا مقام

خواجہ میر درد صاحب نے اپنی کتاب علم الکتاب میں خواجہ محمدؐ ناصر صاحب کے مقام کا اظہار اِن الفاظ میں کیا ہے :۔

"نسبت خالص محمدیہ کہ در زمان آن سرور علیہ السلام بود۔ تا حضرت امام حسنؓ عسکری علیٰ جدہٖ علیہ السلام بطناً بعد بطنٍ رسیدہ می آمد۔ و بعد ازیں او باختفا آوردہ بود۔ باز از بعد یک ہزار و یک صد و چند سال ہجری ازیں فیض خاص از متبع باطن سید بحق و مقتدائے احق آفتاب عالم تاب فلک سیادت نیر اعظم سپہر ولایت وارثِ منصب کمالاتِ نبوت خلیفہ مرتبہ الوہیت صاحب سجادہ قرب امامت مظہر انوارِ محمدیہ صاحب شریعت واصلِ حقیقت واقفِ طریقت۔ کاشفِ معرفت خداوند حکمت الٰہیہ۔ حامی ملتِ مصطفویہ۔ اولو العزم عالی جاہ بے نیاز کبریا۔ دستگاہ رضی اللہ عنہ سلالہ و رود جان نقشبندیہ و قادریہ۔ قدر افزائے طریقہ محمدیہ۔ ناصر دینِ نبوی حضرت خواجہ محمد ناصر رضی اللہ عنہ ظہور فرمود۔

خواجہ محمدؐ ناصر کی تصانیف

خواجہ محمدؐ ناصر صاحب کی کئی ایک تصانیف تھیں۔ مگر افسوس غدر میں

اکثر تلف ہوگئیں۔ آپ نے ایک رسالہ ہوش افزا تصنیف کیا تھا۔ یہ رسالہ صوفیانہ شطرنج بازی میں تھا۔ کہتے ہیں آپ کے خاندان کے بعض نوجوان اور بعض مرید شطرنج کی طرف مائل ہوگئے تھے۔ آپ نے ان کو منع کیا۔ مگر وہ نہ رُکے۔ اس لیئے آپ نے ایک صوفیانہ شطرنج ایجاد کیا۔ جس میں بڑی پُرعبرت بازیاں رکھی گئی تھیں۔ ان بچوں اور مریدوں کو جب یہ رسالہ دیا گیا۔ کہ شطرنج کھیلتے ہوئے ان امور کو ملحوظ رکھ لینا۔ جب انہوں نے پڑھا۔ تو انہوں نے شطرنج سے توبہ کر لی۔ افسوس۔ کہ غدر میں یہ چیز بھی ضائع ہوگئی۔

سُنتا ہوں مکہ اُس کی ایک کاپی حضرت میر ناصر نواب صاحب کے سوتیلے بھائی سیّد ناصر وزیر کے پاس تھی معلوم نہیں۔ کہ اب تک ہے یا نہیں۔ اُنکے ایک پوتے زندہ ہیں۔ جن کا نام سیّد ناصر جلیل ولد سیّد ناصر خلیل ولد سیّد ناصر وزیر ہے۔ اور گلبرگہ میں ملازم ہیں۔ افسوس کہ اُن کے ہاں بھی اس رسالہ کا پتہ نہیں مل سکا۔

ایجادات

خواجہ محمد ناصر صاحب نے بہت سی چیزیں بھی ایجاد کی تھیں۔ مثلاً خیمہ رواں۔ خانہ رواں۔ حمام ہر مقام۔ پلنگ سفری۔ شمع بید مع چراغ ظلمت۔ سوز فانوس بے افسوس۔ حربہ لوائے محمدی۔ نصرت بخش کبیر۔ نصرت بخش صغیر۔ وغیرہ۔

ان چیزوں کے نام و نشان کا پتہ کتاب نالہ عندلیب سے بخوبی ملتا ہے۔

ان سے بہت سی کرامات اور خارق عادت باتیں بطور نشان کے

ظاہر ہوئیں۔ تاکہ لوگوں کے لئے ازدیادِ ایمان کا باعث ہوں۔ آپ کا تخلص عندلیب تھا۔ اور آپ فارسی زبان کے بڑے شاعر تھے۔

حضرت خواجہ میر درد

اِس خاندان میں حضرت خواجہ میر درد ایک خاص بزرگ تھے۔ خواجہ محمد ناصر صاحب کی دو بیویاں تھیں۔ پہلی بیوی حضرت شاہ میر بن سید لطف اللہ صاحب کی صاحبزادی سے ہوئی۔ اُن کے بطن سے ایک صاحبزادے محمد محفوظ صاحب پیدا ہوئے۔ اور انیس سال کی عمر میں فوت ہو گئے۔ انکی والدہ محمد محفوظ سے قبل اُن کو بچہ چھوڑ کر فوت ہو گئی تھیں۔

دوسری شادی

آپ نے دوسری شادی سیّد العارفین سید محمد قادری بن نواب عظیم القدر میر احمد خان شہید کی صاحبزادی سے کی تھی۔ اُن کے بطن سے تین لڑکے پیدا ہوئے۔

پہلے سیّد میر محمدی تھے۔ دوسرے خواجہ میر درد۔ تیسرے خواجہ محمد میر اثر

سیّد میر محمدی صاحب نے بھی ۱۹ سال کی عمر میں وفات پائی۔ دوسرے درمیانی خواجہ میر درد اور خواجہ محمد میر اثر باقی رہے۔

ان کی والدہ صاحبہ کا نامی بخش بیگم عرف منگا بیگم تھا۔

آپ کی ولادت نوزدہم ذیقعدہ سنہ ۱۱۳۳ھ ہجری بروز سہ شنبہ دہلی میں

میر عمدہ کے نالہ پر ہوئی۔

دو برس سال کی عمر

آپ نے دو سال کی عمر میں باتیں کرنی شروع کر دی تھیں۔ آپ بڑی لطیف باتیں بچپن ہی سے کرتے تھے سننے والے بڑا لطف اُٹھاتے اور محظوظ ہوتے تھے۔ بچپن میں آپ کو رونے کی بڑی عادت تھی۔ گھر والوں کو پتہ نہ لگتا تھا۔ کہ کیا تکلیف ہے۔ ہر ممکن ذریعے سے اُن کو چُپ کرایا جاتا۔ مگر چُپ نہ ہوتے جب ہر ممکن ذریعے سے چُپ نہ کرتے۔ تو اُن کے اباجان کو بُلایا جاتا۔ تو آپ اُن کے سینے سے چمٹ جاتے۔ اور کبھی کبھی اس امر کا اظہار کرتے۔ کہ میں بعض ایسے نظارے دیکھتا ہوں۔ جنکو میں برداشت نہیں کر سکتا۔ اُن کے والد صاحب اُن کو سینے سے لگاتے اور کچھ تسلی آمیز کلمات کہتے جس سے تسلی ہو جاتی۔

تعلیم

خاندان کے سب بچوں کی تعلیم دس برس کے بعد ہوتی تھی۔ مگر خواجہ میر درد صاحب کی تعلیم کا خلافِ معمول بچپن ہی میں آغاز ہو گیا تھا۔ چنانچہ آپ نے تیرہ برس کی عمر میں علوم و فنون عربیہ کی تکمیل کر لی تھی۔ اور یہ تکمیل اپنے والد صاحب سے ہی حاصل کی تھی۔ مگر فارسی کے علم ادب کے واسطے آپ نے خان آرزو سے فخرِ تلمذ حاصل کیا۔ اور مثنوی مولانا روم۔ مفتی دولت صاحب سے پڑھی تھی۔

خواجہ میر درد کو اپنے والد سے بڑی محبت تھی۔ اور اُن کے رنگ میں رنگین تھے۔ جب خواجہ محمد ناصر صاحب مجاہدات کیا کرتے تھے اور اپنے حجرہ میں بھوکے

پیاسے بیٹھا رہا کرتے تھے۔ خواجہ میر درد جن کی عمر اُس وقت تیرہ سال کی تھی حجرہ کے دروازہ پر بھُوکے پیاسے بیٹھا رہا کرتے تھے۔ اُن کا جذبہ یہ تھا۔ کہ ایسا نہ ہو۔ کہ ابا جان کسی ضرورت سے پکاریں اور مَیں پڑا سوتا رہوں۔ اِسی محبت اور جوش میں اکثر فاقہ بھی ہو جایا کرتے تھے۔ اُن کی والدہ کو ان کی اس حالت سے بہت صدمہ ہوتا تھا۔ وہ اِس حالت کو دیکھ کر اکثر رو دیا کرتی تھیں۔ کبھی کھانے کے وقت اُن کو پکڑ کر بلوا بھیجتیں۔ اور اپنے سامنے کھانا کھلاتیں۔ خواجہ میر درد اکثر رو دیا کرتے اور کہہ دیتے۔ کہ اماں جان! مجھ سے بغیر ابا جان کے ایک نوالہ نہیں کھایا جاتا۔ اُن کی اِس محبت کا اُن کے والد صاحب کے قلب پر بھی اثر تھا۔

خواجہ میر درد کی بیعت

جب خواجہ محمدؐ ناصر صاحب کو محمدؐیہ فرقہ کی بناء رکھنے کا حکم ہوا۔ تو اُس وقت اُن کو یہ بھی بشارت دی گئی۔ کہ اِس وقت جس شخص کو تو بیعت کرے گا اُسے

بقا باللہ

کا مقام حاصل ہو گا۔ اس محبت کی وجہ سے، اور ان آثار رشد و ہدایت کی وجہ سے جو خواجہ میر کے اندر ظہور پذیر تھے، خواجہ محمدؐ ناصر کو خواہش پیدا ہوئی۔ کہ وہ اپنے لختِ جگر کو اپنا مُرید بنا کر بقا باللہ کا درجہ دلا دیں۔ چنانچہ انکو خیال ہوا۔ کہ وہ گھر میں اپنی والدہ کے پاس سو رہا ہو گا۔ وہیں سے اس کو جگا کر لے آتا ہوں۔ انہوں نے اپنے حجرہ کا دروازہ کھولا۔ چونکہ اندھیرا تھا۔ کچھ پتہ نہ لگتا تھا۔ اِدھر خواجہ میر درد کی یہ حالت تھی۔ کہ وہ حجرہ کی سیڑھی سے جُدا نہ ہوتے۔ چنانچہ وہیں سو رہے تھے۔ خواجہ میر محمدؐ ناصر صاحب نے دروازہ کھولا تو اُن کا

پاؤں بیٹے کے جسم پر پڑا۔ حیران ہو کر پوچھا کون سوتا ہے؟
خواجہ میر درد نے فوراً عرض کی۔
حضور میں ہوں۔ اور ساتھ ہی اپنے باپ کو زندہ دیکھ کر فرطِ محبت سے رونے لگے۔ خواجہ محمد ناصر صاحب نے اُن کو تسلی دی۔ اور کہا۔ کہ خدا نے ہم کو ایک عزت سے مشرف کیا ہے۔ اور حجرہ میں لیجا کر سب حالات بتلا کر ان کی بیعت لے لی۔

اس طرح

تیرہ سال کی عمر میں نہ صرف ظاہری علوم سے حصۂ وافر حاصل کر لیا بلکہ روحانی فیض سے بھی فیضیاب ہو گئے۔

خواجہ میر درد کی دُعا کا اثر

جس روز خواجہ میر درد صاحب نے اپنے والد صاحب کی بیعت کی اُس کی صبح کو برمدہ کے نالہ میں ایک شخص آیا۔ اس کے ساتھ ایک زنانی ڈولی تھی۔ اُس نے لوگوں سے خواجہ میر درد کا گھر پوچھا۔ لوگوں کی توجہ اس طرف نہ ہو سکی۔ انہوں نے کہا۔ کہ یہاں کوئی خواجہ میر درد نہیں رہتا۔ ایک لڑکا ۱۳، ۱۴ سال کا ہے۔ اُس شخص نے کہا۔ کہ ہاں وہی ہیں۔ چنانچہ خواجہ محمد ناصر صاحب کے مکان کا پتہ دیا گیا۔ وہ خواجہ محمد ناصر صاحب کے مکان پر آیا۔ اور عرض کی۔ کہ میری بیوی سل دق میں مبتلا ہے۔ میں روزانہ اس کی صحت کے لئے دُعا کرتا تھا۔ آج مجھے خواب میں کہا گیا۔ کہ وہ خواجہ میر درد کی دُعا سے اچھی ہو گی۔
چنانچہ وہ مریضہ خواجہ میر درد کی دُعا سے اچھی ہو گئی۔
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں دعوے سے قبل بہت سے ایسے

واقعات ظہور پذیر ہوئے۔ مثلاً لالہ ملاوامل جس کو تپ دق ہو گیا تھا۔ وہ آپؒ کی دُعا سے اچھے ہو گئے۔ (تذکرہ صـ ۳۸)

اسی طرح جناب میرزا غلام قادر صاحب جو بالکل مُردہ ہو چکے تھے۔ آپؒ کی دُعا سے اچھے ہو گئے۔ (تذکرہ صـ)

پہلی تصنیف

حضرت خواجہ میر درد صاحب نے ۱۵ سال کی عمر میں پہلی تصنیف کی۔ یہ ایک چند اوراق کا رسالہ تھا۔ جس کا نام اسرار الصلوٰۃ تھا۔ اس رسالہ کی لطافت اور عمدگی کا یہ عالم تھا۔ کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی اور مولانا فخر الدین صاحب چشتی نظامی دہلوی نے دیکھکر بہت پسند فرمایا۔ اور فرمایا:۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ

اس کے بعد انہوں نے بہت سی کتابیں لکھیں جنکے حسب ذیل نام ہیں:۔
رسالہ حرمتِ غنا۔ وارداتِ درد۔ علم الکتاب۔ آہِ سرد۔ نالۂ درد۔ دردِ دل۔ شمعِ محفل۔ سوزِ دل۔ واقعاتِ درد۔ دیوانِ درد اردو۔ دیوانِ درد فارسی۔ ممکن ہے۔ اور بھی تصانیف ہوں۔ کیونکہ ان کی بہت سی تحریریں غدر میں تلف ہو گئیں۔

اس طرح ۱۵ سال کی عمر میں انہوں نے قلم کو ہاتھ میں لیا۔ اور ۶۸ سال کی عمر تک قلم کے ذریعے خدمتِ دین کرتے رہے۔

خواجہ میر درد کی شہرت

خواجہ میر درد کی شہرت بہت جلد دہلی میں پھیل گئی۔ چنانچہ خود بادشاہ

دہلی بنفسِ نفیس برمدہ کے نالے پر تشریف لائے اور دونو باپ بیٹوں کی زیارت کی اور ان سے درخواست کی۔ کہ آپ شاہجہان آباد میں چلکر رہئے۔ مگر
ان دونو نے اسے منظور نہ کیا۔
اور اسی اجاڑ جنگل میں جہاں صرف چند خال خال ہستیاں رہا کرتی تھیں رہنا پسند کیا۔

شہنشاہ اورنگ زیب کی بہو

جس کا نام مہر پرور بیگم تھا۔ خواجہ میر درد صاحب کی بہت معتقد تھی۔ اُس نے بار بار خواہش ظاہر کی۔ کہ آپ شہر چلے چلیں۔ مگر آپ ایک عرصہ تک اُسے رد ہی کرتے رہے۔ اور ۱۷۳۸ء تک وہیں مقیم رہے۔

نادری قتل عام

حتیٰ کہ وہ زمانہ بھی آگیا۔ جبکہ نادر شاہ ایران نے دہلی میں قتل عام کروایا
اُس وقت پھر

شاہزادی مہر پرور بیگم

نے جو اورنگ زیب کی بہو تھی بڑے ادب سے اپنے ایک خاص ایلچی کو بھیجا۔
اور عرض کی۔ کہ :۔

"حضرت یوں تو سب جگہ خدا ہی حافظ و ناصر ہے۔ مگر برمدے کا نالہ شاہجہان آباد کی شہر پناہ سے باہر ہے اور ایرانی فوجیں بے تمیز ہیں۔ ایسا نہ ہو۔ کہ حضرت کے دشمنوں کو کوئی گزند پہنچائیں۔ اس لئے آپ مع اہلبیت کے شاہجہان آباد کے اندر چلے آئیں۔ مَیں نے دو محل آپ کے لئے خالی کرا دیئے ہیں۔"

حضرت خواجہ محمدؐ ناصر اور خواجہ میر درد کیطرف سے یہ جواب دیا گیا۔کہ:-

"جس خدا نے میدانِ کربلا میں اہلبیت کی حفاظت کی تھی۔ وہی اب بھی اِن سیدانیوں کے ناموس کی حفاظت کریگا۔ یہ بھی انہیں کی ذریت ہیں۔"

اس واقعہ سے اُن کی اس ایمانی قوت کا پتہ چلتا ہے جو اُن کے قلب میں موجزن تھی۔ اور یہ کہ وہ ایک زندہ خدا پر ایمان رکھتے تھے۔ چنانچہ جیسے انہوں نے خدا پر بھروسہ رکھا تھا، ویسا ہی ہوا۔ نادر شاہ نے دہلی میں قتلِ عام کیا اور صدہا گھرانے زیر وزبر ہو گئے۔ مگر خدا تعالے نے فرشتوں کے ہاتھوں سے ایک ایسی مضبوط دیوار بر مدش کے نالہ کے گرد کھینچوائی۔ کہ کسی نے بھی اُدھر کا رُخ نہ کیا۔ اور یہ خاندان معجزانہ طور پر محفوظ رہا۔ اور محفوظ کیوں نہ رہتا۔ جبکہ وہ ابھی اُمّ المومنین جیسی عظیم الشان امانت کو اپنے اندر سنبھالے ہوئے تھے۔ جو اپنے وقت پر مہدیٔ موعودؑ کی طرف منتقل ہونیوالی تھی۔

الغرض

یہ وقت تو نکل گیا۔ لیکن شاہزادی مہر پرور کا مطالبہ روز بروز بڑھنے لگا۔ اور اسنے کہنا شروع کیا۔ کہ آپ اس ویران محلہ کو چھوڑ دیجئے۔ مہر پرور کے زور دینے پر بالآخر آپ نے دہلی کے اندر رہنا منظور کر لیا۔ مگر

ایک شرط پر

کہ میں کسی محل میں نہیں رہوں گا۔ بلکہ جیسے ہمارے یہ مکان ہیں ویسے ہی مکان بنوائے جائیں۔

شہزادی مہر پرور بیگم نے بخوشی اس شرط کو منظور کر لیا۔ اور کوچہ چیلوں میں ایک قطعہ

لیکر نو مکان چھوٹے بڑے بنوائے۔ اور ایک بارہ دری جس کا ایک بڑا صحن تھا اور ایک مسجد تیار کروائی۔

آٹھ مکانوں میں آپ کے اہل و عیال اور عزیز و اقارب رہنے لگے۔ نویں حویلی حجرہ بن گئی۔

بارہ دری میں مختلف قسم کی بزم آرائیاں ہوا کرتی تھیں۔ اور کبھی کبھی مشاعرے بھی ہوا کرتے تھے۔

اِس واقعہ سے خواجہ میر درد کی قناعت اور درویشی پر بخوبی روشنی پڑتی ہے۔ اُن کے دل میں اگر دُنیا اور جاہ طلبی کی خواہش ہوتی، وہ محلات میں چلے جاتے۔ مگر انہوں نے نادری قتلِ عام کے وقت بھی لال قلعہ کی مضبوط دیواروں کیطرف نہ دیکھا۔ اور ہر پر در بیگم کے مجبور کرنے پر اگر قبول کیا تو یہ۔ کہ جیسے ہمارے فقیرانہ مکان ہیں ویسے بنوا دو۔

محمد شاہ بادشاہ

اُس وقت دہلی کے تخت پر محمد شاہ بیٹھا ہوا تھا۔ جب اُسنے حضرت میر درد کی شہرت سُنی۔ تو اُس نے چاہا۔ کہ آپ قلعہ میں تشریف لائیں۔ مگر اُسے معلوم ہو گیا۔ کہ آپ بادشاہوں کی مجلس اور صحبت سے بہت دُور رہتے ہیں۔ اس لئے ایک دن بغیر اطلاع دیئے ہوئے ہاتھی پر سوار ہو کر خواجہ صاحب کی بارہ دری میں تشریف لے آیا۔ مگر آپ نے بادشاہ سے کسی قسم کا تملق نہیں کیا۔ بادشاہ آپ کی زیارت سے بہت خوش ہوئے۔ اور فرمایا۔ کہ کوئی خدمت میرے لائق ہو۔ تو اس سے سرفراز فرمایا جائے۔

حضرت خواجہ میر درد نے ارشاد شاہی سُنکر فرمایا :-

"آپ کے لائق یہی خدمت ہے۔ کہ اب کبھی فقیر خانہ پر تشریف نہ لائیے گا۔ کیونکہ آپ کے آنے سے فقیر کا نفس موٹا ہوتا ہے"۔
محمد شاہ اُٹھ کر خاموشی سے چلے گئے۔ اور بارہ دری سے نکل کر کہا۔ بیشک یہ آل رسولؐ ہیں۔

حضرت خواجہ میر درد کا یہ استغناء قابلِ رشک ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے مقام کا اظہار فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

آن کس کہ بتو رسد شہاں را چہ کند

فاقہ!

حضرت خواجہ میر درد نے اپنی عمر فاقوں میں بسر کی۔ اور بعض اوقات کئی کئی دن تک یہ سلسلہ چلتا رہتا تھا۔ اور پھر اللہ تعالےٰ خود ہی غیب سے سامان مہیا فرما دیا کرتا۔ خواجہ میر درد نے تمام عمر کسی امیر۔ وزیر اور شاہزادے کے پاس جانا پسند نہ کیا۔ ہاں اپنے والد خواجہ محمدؐ ناصر کے مزار پر روزانہ بلا ناغہ جایا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ جبدن نادر شاہ دہلی تک آیا۔ دہلی کے چاروں طرف قتل اور لوٹ کا بازار گرم تھا۔ اُسدن بھی باوجود گھر والوں کے روکنے کے آپ نادر شاہ کے سپاہیوں میں سے ہو کر گذر گئے۔ اور اپنے معمول میں فرق نہ آنے دیا۔ وہاں آپ نے یہ رباعی پڑھی ؎

در کوئے تو اے مونسِ جان می آیم
تا جان باقی ست بے گمان می آیم
گرم شام کشان کشان برندم زینجا
چون صبح شود باز ہمان می آیم

آپ رح اپنے زمانے کے ولی کامل تھے

آپ نے مقامِ ولایت کے متعلق خود لکھا ہے۔ کہ :-

"برکت جامعیتِ محمدیہ کی تمام نسبتیں فقر کی خدا تعالےٰ نے میری ذات میں جمع فرمائی ہیں۔ اور مجھے حق و باطل ہیں۔ فقر میں فارق بنایا ہے .... " اور مجھے نجابتِ طرفین اور سیادتِ والدین کی طرف سے مشرف فرمایا۔ تاکہ میں محمدیہ خالص کے طریقہ کو رواج دوں۔ اور مجھے جہان کے لئے صفی اور خلیفہ تجویز فرمایا۔ اور آدم علیہ السلام کا مقامِ ولایت عطا کیا۔ اور مکائدِ نفس و شیطان سے نجات دی۔"

پھر فرمایا :-

"مجھے حضرت داؤد علیہ السلام کی ولایت کا مقام بخشا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا مقامِ ولایت مجھے دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقامِ ولایت مجھے دیا۔ اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا مقامِ ولایت مرحمت فرمایا۔ پھر حضرت یوسف علیہ السلام کا بھی مقامِ ولایت مرحمت کیا۔

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقامِ ولایت بھی عنایت کیا۔ اور پھر اس جامعیت کا کمال اور اختتام کے لئے ولایت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف فرمایا۔ اور محمدیت خالص کی ردا میں مجھے چھپالیا۔

اور رسول پاکؐ کی ذات میں مجھے فنا کر دیا۔ پس نہ میں رہا اور نہ میرا نام و نشان۔"

پھر فرمایا:۔

"مجھے خدا تعالےٰ نے عقل کامل و نفس کامل اور روح کامل اور جسد کامل کیساتھ اپنے تمام اسماء کا مظہر پیدا کیا۔ تاکہ میں معرفین کو طریقہ خالصہ محمدیہ کی دعوت دوں۔"

پھر فرمایا:۔

"ہر فرد انسان بقدرِ عقل و فہم و استعدادِ شخصی کے علومِ کلیہ اضافیہ کو اخذ کرتا ہے۔ اور طاقتِ بشریہ کے موافق برابر کا ادراک کرتا ہے۔

اور ہر شخص واحد کو معانی اور مرادیں بہت سے اختلاف مثل اُن کی اشکال مختلفہ بایک دِگر کے لاحق ہوتے ہیں۔ اور اس حیثیت سے فرقہ فرقہ اور گروہ گروہ جداگانہ قائم ہو جاتے ہیں اور ملتِ واحدہ میں اگرچہ باعتبار نوعیت کے ایک ہوتے ہیں۔ مگر صور استعدادی کے اختلاف کی وجہ سے آدمیوں اور رنگوں کی طرح سے اسے رنگا رنگ کر ڈالتے ہیں۔ اور اصل دین کو قیود اضافی میں مقید کر کے وحدت پر قائم نہیں رکھتے۔ اور انتزاجات نفسانی کے ساتھ اسے ممتزج کر کے اسے متفرق کر دیتے ہیں اور وہ ایک ملت جس پر ربانی ملت کے عہد میں سب متفق تھے۔ باقی نہیں رہتے۔

اس لئے

ضرور ہے، کہ ہر زمانہ میں خدا کی طرف سے ایک فردِ اکمل آتا رہے۔ رہتا ہے۔ تاکہ ملتِ حقیقی کی نوعیت اور اصلیت کو سنوارتا رہے۔

اسلئے امتِ محمدیہ میں ایک ولی کامل کا وقت مقررہ پر آنا جو دین متین کو از سرِ نو زندہ کر دیتا ہے اور اس کی تجدید ہو جاتی تھی۔ یہاں تک کہ خدا تعالےٰ نے حضرت امیر المحمدیین خواجہ محمد ناصر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو بارہویں صدی کے آغاز میں اس خدمت کے لئے مامور فرمایا اور آپ نے اس دین مبین کے آفتاب کو نصف النہار میں پہنچا دیا۔ اور محمدیہ خالصہ کے انوار سے جہان کو منور کر دیا۔ . . .

. . . . یہی فرقہ ناجیہ ہے۔ اس اصل نسبت سے تعلق رکھتا ہے۔ جو جناب سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد میں جاری تھا۔ اور زمانہ اسے فراموش کر چکا تھا۔ اور میں کہ اول المحمدیین ہوں اسی نسبت خاصہ خالصہ کا دروازہ ہوں۔

. . . .

فیا قوم لا تکونوا کالذی فرقوا دین اللہ الذی لہ الدین الخالص وما ثلثۃ وسبعین فرقۃ واختلفوا بالاختلاف المنکرۃ المبتدعۃ۔

اور یہ نسبت محمدیہ الخاصہ حضرت امام موعود علیہ السلام کی ذات پاک پر ختم ہوگئی۔ اور تمام جہان ایک نور سے روشن ہوگا اور اس نیر اعظم کے انوار میں سب فرقوں کے ستاروں کی روشنی گم ہو جائے گی۔" (میخانہ درد صـ۱۴۵ تا صـ۱۴۸)

اس بیان کو

پڑھ جانے سے یہ بخوبی واضح ہو جاتا ہے۔ کہ آپ کو سب انبیاء کا مقامِ ولایت دیا گیا۔ اور بالآخر حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا مقامِ ولایت بھی دیا گیا۔ اور آپ کو رسول کریمؐ کی ذات سے ایک ایسی نسبت تھی۔ کہ آپ پردۂ محمدی ڈالدی گئی۔ اور آپ وجودِ محمدی میں فنا ہو گئے۔

دوسرے۔ آپ اس حدیث کے ماتحت یاتی علیٰ کل رأس مائۃ سنۃ من یجدد دینہا۔ ہر صدی کے سر پر ایک مجدد کی آمد کو تسلیم کرتے تھے۔ بلکہ بارہویں صدی کے مجدد حضرت خواجہ محمد ناصر صاحب کو اعتقاد کرتے تھے۔

تیسرے۔ اور ان کا یہی اعتقاد تھا۔ کہ جو لوگ وقت کے مجدد کو نہیں مانتے وہ ناجی نہیں ہیں۔ جیسے کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ من لم یعرف امام زمانہ فقد مات میتۃ الجاہلیۃ۔

چوتھے۔ ان کا یہ مذہب تھا۔ کہ حضرت مسیح موعودؑ ایک نیر اعظم ہیں جنکی آمد پر سب فرقوں کی روشنی گم ہو جائیگی۔ اور یہ نسبت

محمدیہ الی اصد بھی ختم ہو جائے گی۔
یہ وہ اعتقادات ہیں جو بالکل سلسلہ احمدیہ کے ساتھ ملتے جلتے ہیں۔
آج ہم بھی اس امر کو مانتے ہیں۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے امتِ محمدیہ میں فیض کے بڑے بڑے دروازے کھلے ہیں۔ اور ولایت ہی کا نہیں بلکہ نبوت کا مقام بھی آپؐ کی برکت اور فیض سے حاصل ہو سکتا ہے۔ جب حضرت خواجہ میر درد کو تمام انبیاء کا مقامِ ولایت حاصل تھا۔ جو آسمانِ مجددیت پر ایک ستارہ تھا۔ اس نیّرِ اعظم کو جسے وہ خود نیّرِ اعظم کہتے ہیں جس میں سب ستاروں کی روشنی گم ہونیوالی تھی کیا کہا جائے گا۔ کیا اس کے لئے نبوت کے سوا اور کوئی مقام باقی رہ جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خود ہی اس مسئلہ کو حل فرما دیا ہے

غیر کیا جانے کہ دلبر سے ہمیں کیا جوڑ ہے
وہ ہمارا ہو گیا اس کے ہوئے ہم جاں نثار
مَیں کبھی آدم کبھی موسےٰ کبھی یعقوب ہوں
نیز ابراہیمؑ ہوں نسلیں ہیں میری بے شمار
اک شجر ہوں جس کو داؤدی صفت کے پھل لگے
مَیں ہوا داؤد اور جالوت ہے میرا شکار
پر مسیحا بن کے مَیں بھی دیکھتا روئے صلیب
گر نہ ہوتا نام احمدؐ جس پہ میرا سب مدار
سر سے میرے پاؤں تک وہ یار مجھ میں ہے نہاں
اے مرے بدخواہ کرنا ہوش کر کے مجھ پہ وار

(درثمین)

اس مسئلہ پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بہت بڑی روشنی اپنی کتب میں ڈالی ہے۔ مگر افسوس! کہ کاغذ کی نایابی اور حصولِ اشیاء کی دقت مجھے مجبور کرتی ہے۔ کہ میں اس موضوع پر زیادہ نہ لکھوں۔

الغرض

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو سارے انبیاءؑ کا مقامِ نبوت عطا کیا گیا۔ اور خدا تعالےٰ نے اپنی وحی میں آپؑ کو

جری اللہ فی حلل الانبیاء

کا خطاب دیا۔ اور اپنی وحی میں آپؑ کو شمس و قمر بھی فرمایا۔ جو حضرت خواجہ میر درد رضی اللہ عنہ کو "نیّر اعظم" دکھایا گیا۔

حضرت خواجہ میر درد فنا فی الرسول کے مقام پر اپنے آپ کو بیان کرتے ہیں۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام فنا فی الرسول اور فنا فی اللہ کے دونو مقاموں پر فائز تھے۔ آپؑ اپنی محبت رسول کا ذکر اپنی کتابوں میں صدہا جگہ فرما چکے ہیں۔ مگر مختصر طور پر آپؑ فرماتے ہیں ؎

بعد از خدا بعشقِ محمدؐ مخمرم
گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم

نقشِ ہستی تیری اُلفت سے مٹایا ہمنے
اپنا ہر ذرہ تری راہ میں اُڑایا ہم نے

دلبرا قسم ہے مجھ کو تیری یکتائی کی
آپ کو تیری محبت میں بھُلایا ہم نے

بخدا دل سے مرے مٹ گئے سب غیروں کے نقش
جب سے دل میں یہ ترا نقش جمایا ہم نے
دیکھ کر تجھ کو عجب نور کا جلوہ دیکھا
نور سے تیرے شیاطیں کو جلایا ہم نے

اس طرح بہت سا کلام آپؑ کے عربی۔ فارسی۔ اُردو اشعار میں اور اس کے علاوہ عربی۔ اردو۔ فارسی نثر میں موجود ہے۔ جس سے اس عشق و محبت کا پتہ چلتا ہے۔ جو آپؑ کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے تھا۔ اور اس خصوص میں آپؑ کا مقام اس قدر بلند ہوا۔ کہ آپؑ کامل طور پر بروز محمدؐ ہو گئے اور خدا سے علم پا کر آپؑ نے فرمایا :-

"من فرق بینی و بین المصطفیٰ فما عرفنی وما رأی"
یعنی اور جو شخص مجھ میں اور مصطفےٰ میں تفریق کرتا ہے۔ اس نے مجھ کو نہیں دیکھا ہے اور نہیں پہچانا۔ (خطبہ الہامیہ صد ۱۷۱)

آپؑ فنا فی اللہ کے مقام پر

آپ تحریر فرماتے ہیں :-

"مَیں نے اپنے ایک کشف میں دیکھا۔ کہ مَیں خود خدا ہوں۔ اور یقین کیا۔ کہ وہی ہوں۔ اور میرا اپنا کوئی ارادہ اور کوئی خیال اور کوئی عمل نہیں رہا۔ اور مَیں ایک سوراخ دار برتن کی طرح ہو گیا ہوں۔ یا اس شے کی طرح جسے کسی دوسری شے نے اپنی بغل میں دبا لیا ہو۔ اور اسے اپنے اندر بالکل مخفی کر لیا ہو۔ یہاں تک کہ اس کا کوئی نام و نشان باقی نہ رہ گیا ہو۔

اس اثناء میں مَیں نے دیکھا۔ کہ اللہ تعالیٰ کی روح مجھ پر محیط ہو گئی۔ اور میرے جسم پر مستولی ہو کر اپنے وجود میں مجھے پنہاں کر لیا۔ یہاں تک میرا کوئی ذرہ بھی باقی نہ رہا۔ اور میں نے اپنے جسم کو دیکھا، تو میرے اعضاء اس کے اعضاء اور میری آنکھ اسکی آنکھ اور میرے کان اس کے کان، اور میری زبان اس کی زبان بن گئی۔ میرے رب نے مجھے پکڑا اور ایسا پکڑا۔ کہ میں بالکل اسمیں محو ہو گیا۔ اور مَیں نے دیکھا۔ کہ اس کی قدرت اور قوت مجھ میں جوش مارتی ہے۔ اور اس کی الوہیت مجھ میں موجزن ہے۔ حضرتِ عزت کے خیمے میرے دل کے چاروں طرف لگائے گئے۔ اور سلطان جبروت نے میرے نفس کو پیس ڈالا سو نہ تو مَیں ہی رہا۔ اور نہ میری کوئی تمنا ہی باقی رہی۔ میری اپنی عمارت گر گئی۔ اور رب العالمین کی عمارت نظر آنے لگی۔ اور الوہیت بڑے زور کیساتھ مجھ پر غالب ہوئی۔ اور مَیں سر کے بالوں سے ناخن پا تک اس کی طرف کھینچا گیا۔ پھر ہمہ مغز۔ ہو گیا۔ جسمیں کوئی پوست نہ تھا۔ اور ایسا تیل بن گیا جس میں کوئی میل نہ تھی۔ اور مجھ میں اور میرے نفس میں جدائی ڈالی گئی۔ پس میں اُس شے کی طرح ہو گیا جو نظر نہیں آتی۔

یا اس قطرہ کیطرح جو دریا میں جا ملے۔ اور دریا اس کو اپنی چادر کے نیچے چھپا لے۔ اس حالت میں مَیں نہیں جانتا تھا۔ کہ اس سے پہلے میں کیا تھا اور میرا وجود کیا تھا۔ الوہیت میری رگوں اور پٹھوں میں سرایت کر گئی۔ اور مَیں بالکل اپنے آپ

سے کھویا گیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے میرے سب اعضاء اپنے کام میں لگائے۔ اور اس زور سے اپنے قبضہ میں کرلیا۔ کہ اس سے زیادہ ممکن نہیں۔ چنانچہ اس کی گرفت سے میں بالکل معدوم ہو گیا۔ اور میں اس وقت یقین کرتا تھا۔ کہ میرے اعضاء میرے نہیں۔ بلکہ اللہ تعالےٰ کے اعضاء ہیں۔ اور میں خیال کرتا تھا۔ کہ میں اپنے سارے وجود سے معدوم اور اپنی ہویّت سے قطعاً نکل چکا ہوں۔ اب کوئی شریک اور کوئی منازع روک کرنے والا نہیں رہا۔ خدا تعالےٰ میرے وجود میں داخل ہوگیا۔ اور میرا غضب اور حلم اور تلخی اور شیرینی اور حرکت اور سکون سب اسی کا ہوگیا۔ اور اس حالت میں میں یوں کہہ رہا تھا۔ کہ ہم ایک نیا نظام اور نیا آسمان اور نئی زمین چاہتے ہیں۔ سو میں نے پہلے تو آسمان اور زمین کو اجمالی صورت میں پیدا کیا۔ جس میں ترتیب اور تفریق نہ تھی۔ پھر میں نے منشاء حق کے موافق اس کی ترتیب اور تفریق کی۔ اور میں دیکھتا تھا۔ کہ میں اُس کے خلق پر قادر ہوں۔ پھر میں نے آسمان دُنیا کو پیدا کیا۔ اور کہا۔ کہ اِنَّا زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ پھر میں نے کہا۔ کہ اب ہم انسان کو مٹی کے خلاصہ سے پیدا کریں گے۔ پھر میری حالت کشف سے الہام کی طرف منتقل ہوگئی۔ اور میری زبان پر جاری ہوا۔ اَرَدْتُّ اَنْ اَسْتَخْلِفَ فَخَلَقْتُ اٰدَمَ۔ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ

(تذکرہ صفحہ ۱۹۵ و صفحہ ۱۹۶ و آئینہ کمالاتِ اسلام صفحہ ۵۶۴ تا صفحہ ۵۶۶)

اِس کشف کی عظمت سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ کس مقام پر حضرت مسیح موعودؑ فائز تھے۔ اور کتنا فرق تھا اس ستارہ میں اور اس نیرِ اعظم میں۔ خدا تعالےٰ نے خود آپؑ کی وحی میں بھی آپؑ کا نام

یا شمس یا قمر

بھی رکھا۔ یعنی نیرّ اعظم۔ اور یہ بھی فرمایا۔ انت منی بمنزلۃ توحیدی و تفریدی۔ (تذکرہ ص۶۴)

مسئلہ کفر اسلام

حضرت خواجہ میر درد صاحب نے اس فرقہ کو جو مجدّدِ وقت کو مانے، ناجی فرقہ قرار دیا ہے۔ اور حدیث نبویؐ بھی یہی کہتی ہے۔

من لم یعرف امام زمانہ فقد مات میتۃ الجاھلیۃ

اِس ایک بات سے واضح ہو جاتا ہے۔ کہ جو اِس نیرّ اعظم کا انکار کریگا اس کا ناجی ہونا کیسے یقین کیا جا سکتا ہے؟

حضرت خواجہ میر درد صاحب فرماتے ہیں:۔

"درویشی فقط قربِ الٰہی کا نام ہے اور فقیری شعبدہ بازی اور بھنڈیلہ پن کا نام ہے۔"

وہ تمام ان امور کو جو شریعت کے خلاف تھے، ناجائز قرار دیتے تھے۔

خواجہ میر درد اور موسیقی

حضرت خواجہ میر درد کو موسیقی میں کمال دستگاہ حاصل تھی۔ اُن کے

پاس بڑے بڑے موسیقار جمع ہوا کرتے تھے۔ اس زمانہ کا مشہور موسیقار، فیروز خان آپ کے فنِ موسیقی کا بڑا مداح تھا۔ ہر ماہ کی دوسری تاریخ کو بارہ دری میں خواجہ محمد ناصر صاحب کی یاد میں محفلِ موسیقی ہوا کرتی تھی۔ اور اس کا بڑا شاندار انتظام کیا جاتا تھا۔ ہزارہا لوگوں کا مجمع ہو جاتا۔ خواجہ میر درد بھی تشریف لے آتے۔

آپؒ کی مجلس میں سب لوگ دو زانو ہو کر بیٹھا کرتے تھے۔ ایکدفعہ شاہ عالم بادشاہ دہلی آپؒ کی مجلس میں آئے اور دو زانو نہ بیٹھے۔ آپؒ نے بادشاہ سے کہا کہ اگر آپ فقیروں کی محفل میں آیا کریں تو دو زانو ہو کر بیٹھا کریں۔ بادشاہ نے معذرت کرتے ہوئے کہا۔ کہ آج میرے پاؤں میں درد تھا اس وجہ سے بیٹھ نہ سکا۔

اِس سے اس جرأت اور شجاعت کا پتہ لگتا ہے۔ جو حضرت میر دردؒ میں تھی۔ اور یہ شرفِ سعادت اِس خاندان میں چلی آئی۔ حضرت میر ناصرِ نواب رضی اللہ عنہ کی جرأت وصاف گوئی مشہور اور زبان زد ہے۔ وہ حق گو تھے اور اسکے کہنے میں دلیر۔

آپؒ کا مقولہ تھا

کہ مَیں نغمہ و سرود کو عالموں۔ فاضلوں کی طرح سُنتا ہوں۔ جو علم ریاضی و طبیعی پڑھتے پڑھاتے ہیں اور اس کے دقائق کو خوب جانتے ہیں۔ مگر حکما کی طرح اس کا اعتقاد نہیں رکھتے اسی طرح مَیں بھی موسیقی کے ساتھ توغل کیا کرتا ہوں کیونکہ موسیقی ریاضی کی ایک پُرمیوہ شاخ ہے۔ وہ اسے علمی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ نہ کہ ذریعہ حظِ نفس۔

پھر فرمایا:-

"مَیں نے آجتک اپنے کسی مرید کو راگ سُننے کی اجازت دی۔ نہ اپنی اولاد کو۔ کیونکہ جو چیز ہماری شریعت میں ممنوع اور ہمارے طریقہ میں مکروہ ہو اس کیلئے میں اسکی کب کسی کو اجازت دے سکتا ہوں۔ میں اپنے تئیں گناہگار جانتا ہوں۔ اور ہمیشہ اسی دھیان میں ہوں کہ راگ سے توبہ کروں۔ اور جو لوگ راگ نہیں سُنتے۔ میں انہیں اپنے سے اچھا جانتا ہوں۔" (میخانہ درد صفحہ ۱۵)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تو کبھی موسیقی نہیں سُنی۔ البتہ آپؑ کی مجلس میں کبھی کبھی کوئی شاعر اپنے اشعار خوش گلوئی سے سُنا دیتا تھا۔ آپؑ کے ایک مُرید شیخ محمد اسمٰعیل صاحب سرساوی جو صوفیانہ طرز کے آدمی ہیں کی ایک روایت ہے۔ کہ مَیں چونکہ قوالی سُن لیا کرتا تھا۔ ایکدفعہ حضرتؑ نے مجھے فرمایا۔ میاں اسمٰعیل! قوالی کی لذت کتنی دیر رہتی ہے؟ مَیں نے عرض کیا۔ کہ حضور کچھ بھی نہیں۔ جب تک سُنتے رہو۔ فرمایا۔ ہم تو چاہتے ہیں۔ کہ وہ لذت ہو جو ہمیشہ قائم رہے۔ اس طرح حضورؑ نے موسیقی کی اس کمی کا اظہار فرمایا۔ جسے صوفی کمال سمجھ رہے تھے۔

اردو علم ادب پر آپکا احسان

آپ کو عربی، اردو۔ فارسی میں کامل دستگاہ تھی۔ اُردو زبان پر آپ کا بڑا احسان تھا۔ کہ آپ نے اس زبان کو صاف کیا۔ آپ فرماتے ہیں:-

"اے اُردو گھبرانا نہیں۔ تو فقیروں کا لگایا ہوا پودا ہے

خوب پھلے پھولے گی۔ تو پروان چڑھے گی۔ ایک زمانہ ایسا آئے گا۔ کہ قرآن وحدیث تیری آغوش میں آکر آرام کرینگے۔ بادشاہی قانون اور حکیموں کی طباعت تجھ میں آجائیگی اور تو سارے ہندوستان کی زبان مانی جائے گی۔" (میخانہ درد صـ۱۵۳)

یہ ایک پیشگوئی بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانے میں پوری ہوئی۔ جبکہ قرآن وحدیث نے آکر آرام حاصل کیا۔

بارہ دری میں مہینہ میں ایک دو دفعہ مشاعرہ ضرور ہو جایا کرتا تھا۔ میر حسن دہلوی۔ چھمن لال۔ شاہ محمدی۔ شیخ محمد قیام۔ حکیم ثناءاللہ خان لطیف علی۔ میرزا اسمٰعیل۔ شیخ محمد بقا۔ محمد پناہ خان۔ لالہ مکندلال۔ میرزا محمد جان۔ لالہ نرائن داس۔ علی نقی وغیرہ شاعری میں ان کے شاگرد تھے۔

وفات

حضرت خواجہ میر درد صاحبؒ اپنی پیشگوئی کے مطابق ۱۱۹۹ھ میں صفر ۲۴ کو صبح صادق کے وقت ۶۸ برس کی عمر میں عالم قدسی کی طرف رحلت فرما گئے۔ آپؒ کو آپکے والد کے داہنے پہلو میں دفن کیا گیا۔

آپ کی اولاد

آپ کا ایک ہی فرزند تھا۔ جس کا نام خواجہ صاحب میر اور لقب ضیاء الناصر اور الم تخلص تھا۔ اور آپ کی دو صاحبزادیاں تھیں۔ ایک براتی بیگم صاحبہ تھیں اور دوسری زینت النساء بیگم صاحبہ تھیں۔

خواجہ میر درد صاحب کی وفات کے بعد ان کے بھائی خواجہ ظہور الناصر سید میر اثر صاحب ان کے خلیفہ اور جانشین ہوئے۔ اور صفر ۱۲۰۹ھ میں وفات پائی۔

ان کی ایک ہی دختر تھی۔ جس کا نام بیگما جان تھا۔ جس کی شادی نواب سید اسد اللہ خان بن نواب سید جعفر علی خان صاحب سے ہوئی تھی۔

ان کی وفات کے بعد خواجہ سید ضیاء الناصر المعروف بہ سید صاحب میر متخلص بہ الم آپ کے خلیفہ ہوئے۔

آپ کی وفات ۲۱ جمادی الآخر ۱۲۱۵ہجری کو ہوئی۔ خواجہ میر درد صاحب کے پائیں میں دفن ہوئے۔

ان کی اولاد

ان کے ایک صاحبزادے میر محمد بخش نام اور ایک صاحبزادی بی امانی بیگم تھیں۔

میر محمد بخش

میر محمد بخش صاحب جو حضرت خواجہ میر درد کے پوتے تھے۔ بڑے نامی

جگہ میں کمپنی کی حکومت کی طرف سے حاکم تھے۔ اُن کے پاس ایک نوکر تھا۔ جسنے چوری کی اور گرفتار ہوا۔ اسے خیال تھا۔ کہ میرا مالک میری مدد کرے گا۔ مگر آپ نے فرمایا کہ میں چور کا حامی نہیں ہوں۔ اُسے سزا ہوگئی۔ وہ قید سے جب آزاد ہوا۔ اُس نے آپ کو آپ ہی کی تلوار سے سوتے میں قتل کر دیا۔ وفات کیوقت آپ کی عمر کل تیس برس کی تھی۔ اُن کی لاش دہلی لائی گئی۔ اور خاندانی قبرستان میں دفن ہوئی۔

امانی بیگم صاحبہ

امانی بیگم صاحبہ خواجہ صاحب میر کی بیٹی تھیں۔ مگر اُن کی والدہ میر محمد بخش صاحب کی والدہ نہ تھیں۔ بلکہ بی عزت النساء صاحبہ جو اُمِّ سلمہ کرکے مشہور تھیں اور خواجہ صاحب میر صاحب کی دوسری بیوی تھیں، کے بطن سے تھیں۔ اٹھوانسی پیدا ہوئی تھیں۔ مگر لمبی عمر پائی۔ ۱۲۰۳ھ ہجری کو پیدا ہوئیں اور ۱۲۷۲ھ ہجری میں ۱۱۔ ربیع الاول کو وفات پائی۔

خواجہ محمد نصیر صاحب

خواجہ میر درد کے بعد اُن کے بھائی صاحب اُن کے جانشین ہوئے پھر خواجہ میر درد کے بیٹے جانشین ہوئے۔

خواجہ میر درد کے پوتے میر محمد بخش صاحب اپنے باپ کی زندگی میں فوت ہوگئے تھے۔ اس کے بعد ان کے ہاں اولاد نرینہ نہ ہوئی اور نہ میر محمد بخش صاحب ہی کی کوئی اولاد تھی۔ اس لئے خلافت کا مسئلہ کچھ الجھن میں پڑ گیا۔ مگر اس کا حل یہ پیدا ہوا۔ کہ خلافت خواجہ میر درد صاحب کی لڑکی کی اولاد میں منتقل کیجائے۔

چنانچہ خواجہ صاحب کی دو لڑکیاں تھیں، بڑی کا نام براتی بیگم تھا۔ جن کی شادی مولوی عبدالحی صاحب سے ہوئی تھی۔ جو خواجہ میر درد صاحب کے چچازاد بھائی تھے۔ مولوی عبدالحی صاحب کلکتہ میں سرکار کمپنی کے مجلس واضع قوانین کے رُکن تھے۔ بڑی آمدنی تھی۔ آپ نے بنارس کے قریب ایک تعلقہ بھی خریدا تھا۔

ناصری گنج

ایک قصبہ خواجہ محمدؐ ناصر صاحب کی یادگار کے طور پر آباد کیا تھا جس کا نام ناصری گنج رکھا۔

جب تک وہ زندہ رہے، اپنی بیوی کو ایک ہزار روپیہ ماہانہ بھیجا کرتے تھے۔ وہ ایک ہی دن میں اسے بانٹ کر ختم کر دیتیں۔ چاندی کے روپے تقسیم کرتے کرتے ہاتھ کالے ہو جاتے تو آپ فرماتیں:۔

"خدا اس سفید ڈائن کی محبت کسی مسلمان کو نہ دے۔ جس طرح اس کے چھونے سے ہاتھ کالے ہو جاتے ہیں۔ اسیطرح اسکی محبت سے آدمی کا دل سیاہ ہو جاتا ہے۔"

مولوی عبدالحی صاحب لاولد فوت ہو گئے۔ ناصری گنج کا علاقہ از رُوئے وصیت اپنے ورثاء میں تقسیم کر گئے۔ جس میں سے ابتک ایک گاؤں کا بڑا حصہ حضرت میر ناصر نواب صاحب رضی اللہ تعالے عنہ کی اولاد کے پاس موجود ہے۔ اور کچھ تھوڑا سا بک بھی گیا ہے۔

زینت النساء بیگم

زینت النساء بیگم دوسری صاحبزادی کی شادی میر کلو صاحب سے

ہوئی تھی۔ جو میر نعمان بدخشانی کی اولاد میں سے تھے۔ میر نعمان صاحب بڑے مرتبہ کے درویش تھے۔ اُن کا ذکر شیخ عبدالقدوس صاحب گنگوہی چشتی صابری کے مکتوبات میں بکثرت ملتا ہے۔ اُن کا مقبرہ بھی آگرہ میں اب تک موجود ہے۔ خواجہ شاہ محمدؐ نصیر صاحب زینت النساء بنت خواجہ میر درد رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے تھے۔ ۱۱۹۹ھ ہجری میں پیدا ہوئے تھے۔ خواجہ محمدؐ نصیر صاحب اپنے ماموں کے لاولد رہ جانے کی وجہ سے خلیفہ بنائے گئے۔ خواجہ محمدؐ نصیر صاحب بھی شاعر تھے۔ اور رنج تخلص کیا کرتے تھے۔

خواجہ رنج صاحب کو بھی فنِ موسیقی میں بڑا کمال حاصل تھا۔ چنانچہ لکھا ہے کہ ہمت خان گویّہ جو دہلی کا ممتاز ترین گویّہ تھا۔ اپنا گانا بغرض اصلاح حضرت رنج کو سُنایا کرتا تھا۔

خواجہ محمدؐ نصیر صاحب نے خواجہ میر درد صاحب کے خاندان کے مفصّل حالات پر ایک کتاب لکھی تھی جو افسوس غدر ۵۷ء میں تلف ہوگئی۔

خواجہ محمدؐ نصیر کی وفات ۲۔ شوال کو ۱۲۶۱ھ ہجری میں ہوئی۔ اُن کی وفات پر مومن خان نے یہ تاریخ لکھی ؎

شیخِ زمان شد ز دہر روزپئے سال وفات

فکر بلندم رہ جنّت ماویٰ گرفت

گفت بمومن ملک خواجہ محمدؐ نصیر

در قدم ناصر و درد نکوجا گرفت
۱۲۶۱

ان کی عمر بہتّر ۷۲ سال کی ہوئی۔ آپ خواجہ صاحب میر اپنے ماموں کے پہلو میں دفن ہوئے۔ ان کے اشعار میں سے ایک شعر بطور نمونہ درج کرتا ہوں ؎

خط دیکھ کر ادھر تو میرا دم اُلٹ گیا
قاصد ادھر بدیدۂ پُرنم اُلٹ گیا

خواجہ سیّد محمد نصیر صاحب کی اولاد

آپ کی دو بیویاں تھیں۔ پہلی بیوی سے ایک لڑکا خواجہ سیّد ناصر جان اور دختر بی نصیرہ بیگم صاحبہ دو ہی اولادیں ہوئیں۔

دوسری بیوی سے دو صاحبزادیاں پیدا ہوئیں۔ ایک کا نام اشرف النساء بیگم صاحبہ اور دوسری کا انجمن النسّاء بیگم صاحبہ تھا پیدا ہوئیں۔

خواجہ سیّد ناصر جان

خواجہ سیّد ناصر جان جو آپ کے صاحبزادے تھے، کی شادی خواجہ میر درد صاحب کی پوتی امانی بیگم صاحبہ سے ہوئی تھی۔ میر ناصر جان بھی شاعر تھے۔ اور اپنا تخلص محزون کہا کرتے تھے۔

آپ کو فنِ ریاضی میں بڑا کمال حاصل تھا۔ یہ علم آپ نے نواب فرید الدین احمد خان صاحب ہمدانی دہلوی سے حاصِل کیا تھا۔

آپ اسی فن ریاضی کی وجہ سے سرکار کمپنی کے بعض حکام کی نظروں میں بہت معزز تھے۔ اور انہوں نے آپ کو گڑگاؤں میں منصف مقرر کرا دیا تھا۔ جہاں وہ ۱۳ر جنوری ۱۸۴۶ء مطابق ۲ر رمضان ۱۲۴۹ھ ہجری میں فوت ہو گئے۔

ان کا خیال تھا۔ کہ میں اپنے بزرگوں کی سب کتابیں خود شائع کر دوں۔ چنانچہ آپ نے اِس غرض کے لئے ایک مطبع بھی خرید لیا تھا۔ مگر موت نے مہلت

نہ دی۔ اُن کی شاعری کے نمونہ کے لئے ایک شعر یہاں درج کرنا ضروری خیال کرتا ہوں۔ ؎

نہ تو نامہ ہی نہ پیغام زبانی آیا
حیف محزون تجھے یارانِ وطن بھول گئے

آپ کی لاش وہاں سے دہلی لائی گئی۔ اور خاندانی قبرستان میں دفن کی گئی۔

صاحبزادی بی نصیرہ بیگم صاحبہ

صاحبزادی بی نصیرہ بیگم صاحبہ کی شادی نواب خان دوران خان صاحب کے پوتے میر ہاشم علی صاحب کے ساتھ ہوئی جو ایک صحیح النسب سید تھے۔

خواجہ میر ناصر امیر صاحب

ان کے بطن سے ایک صاحبزادے خواجہ ناصر امیر صاحب پیدا ہوئے۔ اور ایک دُختر فرحت النساء بیگم پیدا ہوئیں۔

میر ناصر امیر صاحب کی شادی میر بھکاری صاحب کی دُختر بلند اختر سے ہوئی۔ جن کا نام سعیدہ بیگم صاحبہ تھا۔ اُن کے بطن سے ایک صاحبزادہ پیدا ہوئے۔ جن کا نام سیّد ناصر وزیر تھا۔

خواجہ ناصر امیر صاحب نے ایک اور شادی بھی کی تھی جو میر شفیع احمد صاحب ساکن فراشخانہ کی دُختر بلند اختر سے ہوئی۔ ان محترمہ کا نام بی بی روشن آراء بیگم صاحبہ تھا۔

ان کے بطن سے وہ عظیم الشان بزرگ پیدا ہوا۔ جو اُس مقدس امانت کو جو بخارا سے لائی گئی تھی۔ اپنی صُلب میں اٹھائے ہوئے تھا۔ اور سلسلہ بسلسلہ یہ امانت منتقل ہوتی آئی تھی۔ اور انقلاب آفرین زمانہ میں شاید خدا نے اس کے طفیل سے اس خاندان کو محفوظ رکھا۔ یعنی حضرت میر ناصر نواب صاحب رضی اللہ تعالےٰ عنہ۔ حضرت میر ناصر نواب رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی دو ہمشیر گان بھی تھیں۔ جنکے نام رفعت النساء بیگم صاحبہ اور انجمن آرا بیگم صاحبہ تھے۔ پہلی کی شادی قصبہ جلیسر میں پیرجی بشیر الدین صاحب سے ہوئی۔

اور دوسری کی شادی مولوی محمد یوسف صاحب ولد مولوی عبد القیوم صاحب دہلوی سے ہوئی جو شاہ اسحاق صاحب محدث دہلوی کے نواسے تھے۔ اور بھوپال میں رہتے تھے۔

خواجہ سید ناصر امیر صاحب

سید محمد نصیر کی وفات کے بعد پھر خلافت کا مسئلہ اٹھا۔ کیونکہ اُنکے بیٹے تو پہلے ہی فوت ہو چکے تھے۔ اس لئے مشورہ کے بعد یہ قرار پایا۔ کہ بی امانی بیگم سے پوچھا جائے۔ جو خواجہ میر درد صاحبؒ کی پوتی تھیں۔ تمام مشائخ ڈیوڑھی پر جمع ہوئے۔ اور یہ سوال کیا۔ آپؒ نے فرمایا:۔

”جس رُتبہ کے بزرگ خواجہ میر درد صاحبؒ اور میر اثر صاحبؒ اور میرے والد خواجہ صاحب میر تھے۔ ویسا تو اب خاندان میں کوئی نظر نہیں آتا۔ اگر تھے تو میرے شوہر مولوی ناصر جان۔ مگر وہ رحلت فرما چکے ہیں۔ اب رسمی سجادہ نشین باقی رہ گئے ہیں۔ وہ میں اپنے داماد کو دلوانی نہیں چاہتی۔

میرے نزدیک میاں ناصر امیر خواجہ محمد نصیر صاحب کے
نواسہ گدی پر بٹھا دیئے جائیں"۔

چنانچہ بی امانی بیگم کے اِس ارشاد کو سب نے قبول کیا۔ اور خواجہ ناصر امیر خلیفہ منتخب ہو گئے۔ اور یہاں سے خلافت، اور درویشی اور طریقہ محمدیہ کا سلسلہ منتقل ہو کر بالکل ایک دوسرے خاندان میں آگیا۔ جو ماں کی طرف سے حضرت خواجہ میر درد کا خاندان تھا، اور باپ کی طرف سے

نواب خانِ دَوران

کا خاندان تھا۔

حضرت خواجہ میر دردؒ کی پوتی **بی امانی بیگم** کا ارشاد قابلِ غور ہے۔ کہ انہوں نے کس اخلاص سے امر **خلافت** کا فیصلہ فرمایا۔ اور جو حقدار تھا، اسی کا نام لیا۔ یعنی جس میں اہلیت تھی۔ اور یہ منشاءِ الہیٰ کے ماتحت ہوا۔ کیونکہ آخر یہ خلافتِ محمدیہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روشنی میں ختم ہو جانیوالی تھی، اس کا ظہور ابتدائی اس رنگ میں ہوا۔ پہلا انتقال خلافتِ محمدیہ باپ کے سلسلہ میں منقطع ہو کر بیٹی کے خاندان میں چلا گیا۔ اور حضرت ناصر امیر پر ختم ہو گیا۔ اس سلسلہ میں وہی آخری خلیفہ تھے۔

اس لئے قبل اس کے کہ ہم نواب خانِ دوران کے خاندان کا ذکر کریں ہم خواجہ میر درد کے خاندان کے ذکر کو ختم کر دیتے ہیں۔ اور مختصر سا شجرۂ نسب شامل کر دیتے ہیں۔ تاکہ یکجائی طور پر نظر ڈالی جا سکے۔

نوٹ:۔ اگرچہ ایک رنگ کی خلافت بعد میں بھی جاری رہی اور ہے۔ مگر یہ صرف عرس وغیرہ کرانے کے لئے۔ چنانچہ خواجہ ناصر امیر کے بعد ان کے بیٹے ناصرِ وزیر خلیفہ ہوئے۔ اور اب بھی ناصر عزیز خلیفہ ہیں ؛

شجرۂ نسب حضرت خواجہ میر درد صاحبؒ و حضرت خواجہ محمد ناصر صاحبؒ

نمبر (۱)

۱ خواجہ میر درد	بن	۲ خواجہ محمد ناصر	بن	۳ نواب روشن الدولہ	بن	۴ خواجہ فتح اللہ خان
بن ۵ خواجہ محمد طاہر	بن	۶ خواجہ عوض بخاری	بن	۷ خواجہ سلطان احمد	بن	۸ خواجہ میرک
بن ۹ سلطان احمد ثانی	بن	۱۰ خواجہ قاسم	بن	۱۱ خواجہ شعبان	بن	۱۲ خواجہ عبداللہ
بن ۱۳ خواجہ زین العابدین	بن	۱۴ حضرت بہاء الدین نقشبند	بن	۱۵ خواجہ عبداللہ بخاری	بن	۱۶ خواجہ جلال الدین بخاری
بن ۱۷ سید کمال الدین بخاری	بن	۱۸ سید حسین ملقب بہ محبوب	بن	۱۹ سید حسین اکبر	بن	۲۰ سید عبداللہ
بن ۲۱ سید فخر الدین	بن	۲۲ سید یلاق	بن	۲۳ سید محمود اعلیٰ	بن	۲۴ سید حسین مقبول
بن ۲۵ سید حسین محمد تقی	بن	۲۶ سید حسین محمد نقی	بن	۲۷ سید عبداللہ	بن	۲۸ سید جامع
بن ۲۹ سید علی اکبر	بن	۳۰ امام حسن عسکری رض	بن	۳۱ امام علی نقی رض	بن	۳۲ امام علی تقی رض
بن ۳۳ امام موسیٰ رضا	بن	۳۴ امام موسیٰ کاظم رض	بن	۳۵ امام جعفر رض	بن	۳۶ امام باقر رض
بن ۳۷ امام زین العابدین رض	بن	۳۸ امام حسین رض	بن	۳۹ حضرت علی رض	بن	۴۰ ابو طالب رض

اس طرح انتالیسویں پشت میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خواجہ میر درد رحمۃ اللہ علیہ دہلی میں پیدا ہوئے۔ یہ شجرہ تفصیلات کا حامل نہیں ہے۔

شجرہ نمبر (۲)

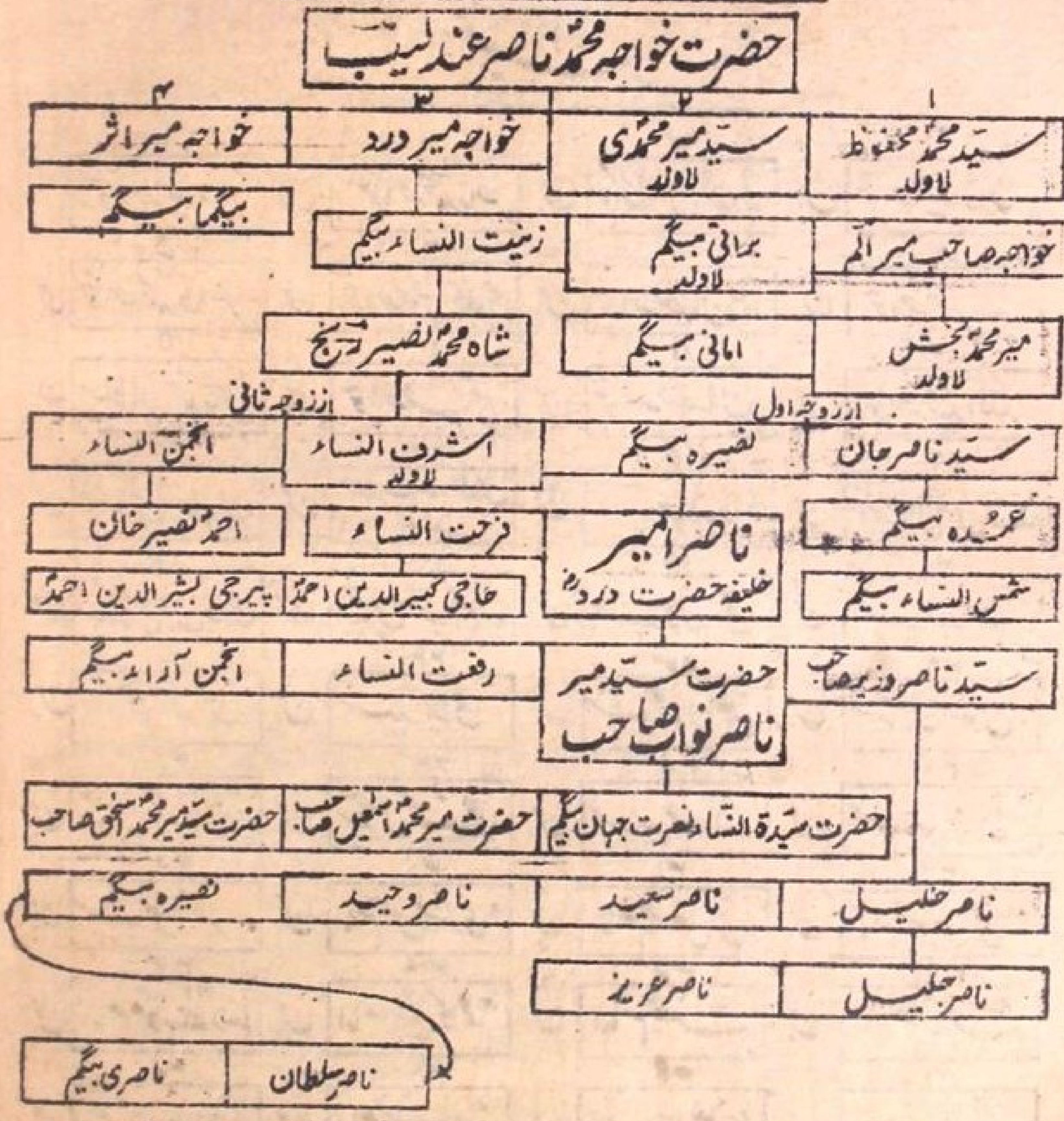

نوٹ :- حضرت میر ناصر نواب سے جو نسل چلی اس کا نقشہ
دوسری جگہ دیا جائے گا۔

توضیح

۱۔ بی بی زینت النساء بیگم صاحبہ جو حضرت خواجہ میر درد کی دوسری بیٹی تھیں وہ شاہ محمدؐ نصیر کی والدہ تھیں۔ اور شاہ محمدؐ نصیر کے نواسہ ناصر امیر تھے۔ جن کے دو بیٹے ہوئے، ایک ناصر وزیر، اور دوسرے حضرت میر ناصر نواب صاحب۔ جنکو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خُسر اور آپؑ کی اولاد کے نانا ہونے کا فخر حاصل ہوا۔ اور جن کے وجود باجود کے ذریعہ حضرت اُمّ المومنین علیہا السلام کا وجود دُنیا میں ظہور پذیر ہوا۔ اور جس کو خدا تعالےٰ نے اپنی وحی میں خُدیجتی فرمایا۔ اور آپ کو نعمتِ عظمےٰ قرار دیا۔ جس کی تصریحات اپنے مقام پر آئیں گی۔

۲۔ خواجہ میر درد کا جو خاندان کہلاتا ہے، وہ اُن کی بیٹیوں سے ہی چلا ہے۔ کیونکہ خواجہ میر درد کے بیٹے ضیاء الناصر سے کوئی نرینہ اولاد نہیں چلی۔

۳۔ حضرت ام المومنین کے ددھیالی کے خاندان کا جو شجرہ ہمکو دستیاب ہو سکا۔ وہ نواب خانِ دوران خان منصور جنگ سے شروع ہوتا ہے۔ اور مورثِ اعلیٰ حضرت علاؤ الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ نقشبندی ہیں۔

۴۔ نواب خانِ دوران منصور جنگ کے نانا عزیز میرزا کوکلتاش تھے جو افواجِ مغلیہ میں شاہنشاہ اکبر کے زمانہ سے افواجِ مغلیہ کے کمانڈر انچیف تھے اور انکو خانِ زمان کا خطاب بھی تھا۔ اور تاریخ ہند میں ان کے ذکر سے صفحات کے صفحات پُر ہیں۔

۵۔ نواب خانِ زمان کے چھوٹے بھائی نواب اعظم خان تھے جو خود بھی افواجِ مغلیہ کے ارکانِ حرب میں سے تھے۔ اور تاریخ ان کے ذکر کو بھی محفوظ رکھنے پر مجبور ہے۔

۶۔ نواب خانِ دوران کے دو بھائی تھے۔ ایک کا نام مظفر خان تھا۔ جو صوبہ دار گجرات بھی رہ چکے تھے۔ اور بعد میں افسر بارود خانہ مقرر ہو گئے تھے۔ انکے عہدہ کا نام میر آتش تھا۔ دوسرے بھائی خواجہ جعفر تھے۔ جو درویشی کے رنگ میں تھے۔ تاریخ ہند مصنفہ مولوی ذکاء اللہ صاحب میں ان کا تذکرہ بھی موجود ہے۔

۷۔ نواب خانِ دوران کے زمانہ میں ارکانِ حرب حسب ذیل تھے۔

ا۔ صمصام الدولہ امیر الامراء نواب خانِ دوران منصور جنگ بخشی اوّل۔

ب۔ نواب اعتماد الدولہ معز الدین خان۔ بخشی دوم

ج۔ نواب روشن الدولہ رستم جنگ بخشی سوم

د۔ سید صلابت خان بخشی چہارم

امیر الامراء صمصام الدولہ نواب خانِ دوران بہادر
میر بخشی منصور جنگ کمانڈر انچیف افواج
مغلیہ

حضرت میر ناصر نواب صاحبؓ کا جدّی خاندان

اِس وقت تک ہم نے حضرت میر ناصر نواب صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ننہیال کے خاندان کا ذکر کیا تھا۔ اب ہم آپ کے ددھیال کا مختصر ذکر کرینگے۔

نواب خان دوران

حضرت میر ناصر نواب صاحبؓ کے جدّی بزرگوں کا سلسلہ خواجہ علاءالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ سے ملتا ہے۔ اِس سلسلہ کی درمیانی کڑیوں کی میں تلاش نہیں کر سکا۔ مگر اس سلسلہ میں سب سے قریب کے زمانے میں جس نامور بزرگ کا پتہ چلتا ہے وہ نواب خان دوران ہیں۔ نواب خان دوران کا اصلی نام خواجہ محمد عاصم تھا۔ اور ان کے والد کا نام خواجہ محمد قاسم تھا۔ مگر تاریخ ہند مصنفہ مولوی ذکاءاللہ صاحب جلد ۹ مطبوعہ ۱۸۹۷ء کے صفحہ ۹۵ پر ان کا اصلی نام خواجہ حسن خان لکھا ہے۔ مگر میرا خیال ہے۔ کہ خواجہ محمد عاصم زیادہ درست اور صحیح نام معلوم ہوتا ہے اور سیر المتاخرین جلد ۲ صفحہ ۱ پر خواجہ عاصم ہی نام لکھا ہے۔ مغلیہ سلطنت میں سادات کرام کو فوج میں بڑے مناصب بآسانی مل جایا کرتے تھے۔ تاریخی کاغذات اور قلمی وثائق کے غدر ۱۸۵۷ء میں گم ہو جانے سے بہت سی قیمتی اور تاریخی معلومات دُنیا سے ناپید ہوگئیں۔

اس لئے ہمارے لئے یہ معلوم کرنا بہت مشکل ہوگا۔ کہ یہ خاندان جو حضرت علاءالدین عطار کا خاندان تھا، کب وارد ہند ہوا۔ مگر قرائن اسقدر بتلاتے ہیں کہ سلسلہ نقشبندیہ میں حضرت علاءالدین عطار خواجہ محمد ناصر سے گیارہ پُشت اُوپر

کے بزرگوں میں سے ہیں۔ اس طرح خواجہ میر درد کے خاندان کو حضرت عطار سے تعلق ارادت تھا۔ پھر سلسلہ نسب میں دونو خاندان سادات میں سے تھے۔ اسلئے قیاس یہی ہے۔ کہ کچھ نہ کچھ تعلق رشتہ داری پہلے سے چلا آتا ہوگا۔ لیکن تاریخ ہمکو بتلاتی ہے۔ کہ نواب خانِ دوراں کے نانا جو پہلے اکبر پھر بہادر شاہ اور پھر عزیز میرزا کوکلتاش معز الدین جہاندارشاہ کے زمانے میں فوج کے اعلیٰ عہدے دار تھے۔ معز الدین جہاندارشاہ کے مزاج میں اُن کو بڑا دخل تھا۔ اور جو چاہتے تھے کرتے تھے۔ اور جو چاہتے تھے بادشاہ سے کراتے تھے۔ کوکلتاش خان اُن کا خطاب تھا۔ اور وہ اسی نام سے مشہور تھے۔ چنانچہ مولوی ذکاء اللہ صاحب نے لکھا ہے۔ کہ "بادشاہ کا ایمان تھا۔ کہ وہ کوکلتاش خان کی خاطرداری کرے۔ اس لئے وہ ذوالفقار خان کی کچھ نہ سُنتا تھا۔ (تاریخ ہند صہ ۹۹)

چنانچہ معز الدین جہاندارشاہ نے کوکلتاش کو

خانِ جہان

کا خطاب دیا تھا۔ اور اس پر جو اعتماد تھا۔ اس میں روز بروز اضافہ کرتا جاتا تھا۔

(سیر المتاخرین صہ ۱۳ جلد ۲)

خان جہان کوکلتاش کو بادشاہ کسی وقت اپنے سے الگ نہیں کرتا تھا۔ اسلئے جب فرخ سیر جہاندارشاہ سے لڑنے کے لئے آیا۔ تو اس وقت ۱۲ ذیقعدہ ۱۱۲۴ھ دوشنبہ کی شب کے دو بجے جہاندارشاہ شاہجہان آباد سے لڑنے کے لئے اکبرآباد کی طرف روانہ ہوا۔ ہراول کی فوج کا افسر ذوالفقار خان تھا۔ کوکلتاش خان جہاندار کے ساتھ تھا۔ ستر اسی ہزار فوج ساتھ تھی۔ (سیر المتاخرین صہ ۱۸)

فرخ سیر اور جہاندار شاہ کی جنگ

۱۴ ذی الحج کو میدانِ جنگ میں دونو طرف کی فوجیں جم گئیں۔ خانِ جہان

بمع اعظم خان و جانی خان ہمراہیان کے دستِ راست پر تھے۔ اُن کے مقابل پر خانِ زمان اور چھبیلہ رام ناگر صف آرا ہوئے۔ (سیر المتاخرین صہ ۱۹)

جنگ نے نازک صورت اختیار کر لی خانِ جہان جہاندار شاہ کیطرف جا رہے تھے۔ کہ خان زمان اور چھبیلہ رام کمین گاہ سے نکلکر حملہ آور ہوئے اور خانِ جہان کو مجروح بے دست و پا کر دیا (سیر المتاخرین صہ ۲ جلد ۲)

چونکہ تاریخ میں اِس واقعہ کے بعد خانِ جہان کا ذکر نہیں آتا۔ اس لئے اغلب خیال ہے کہ وہ زخموں سے چُور ہو کر مر گئے۔

مَیں لکھ چکا ہوں، کہ خانِ جہان کے ساتھ جو افسران فوج اعظم خان اور جانی خان تھے۔ اعظم خان کے متعلق سیر المتاخرین کے مصنّف نے لکھا ہے۔ کہ وہ گوکلتاش خان کے بھائی تھے۔ (صہ ۲ جلد ۲) وہ بھی اِس جنگ میں زخمی ہو کر مارے گئے۔

اِس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ نواب خانِ دَوران کے دیگر عزیز رشتہ دار اکبر و بہادر شاہ کے زمانے یا اس سے بھی پہلے سے حکومت کے مناصب جلیلہ پر فائز تھے۔ بادشاہانِ وقت کو ان پر پُورا پُورا اعتماد تھا۔ اور باوجود اسکے کہ وہ زمانہ دسائیس اور فتنہ سازی کا زمانہ تھا۔ مگر ان لوگوں کا مقام اس قدر مضبوط تھا۔ کہ انکو کسی قسم کا خطرہ کبھی دامنگیر نہ ہوا۔

خانِ دَوران خان

اغلباً بہادر شاہ کے زمانہ میں فوج میں بھرتی ہوئے تھے۔ اُن کے ابتدائی مناصب کا علم نہیں۔ جب فرخ سیر جہاندار شاہ سے لڑنے آیا۔ اُس وقت خانِ دَوران کا منصب پنج ہزاری تھا۔ معز الدین جہاندار شاہ نے اُس وقت خانِ دَوران کا منصب بڑھا کر ہفت ہزاری بنا دیا۔ نیز جب تک وہ پنج ہزاری تھے۔ اُس

وقت تک وہ اپنے اصلی نام ہی سے یاد کیے جاتے تھے۔ مگر ہفت ہزاری ہونے کے ساتھ ہی اُن کو خانِ دَوراں کا خطاب دیا گیا۔

میرا خیال یہ ہے۔ کہ چونکہ اُن کے ماما جو ابھی زندہ تھے اور انکو خانِ جہاں کا خطاب تھا۔ اس لئے اسی مناسبت سے اُن کو خانِ دَوراں کا خطاب دیا گیا۔ اور اپنے شاہزادے کا بھی اُن کو مربّی تجویز کیا۔ اور تمام فوج اور توپخانے کا اختیار دیا گیا۔ (تاریخ ہند ص۹۵ و ص۹۶ مصنفہ ذکاءاللہ، سیر المتاخرین جلد ۲ ص۱۸)

اگرچہ خان جہاں مر گیا۔ مگر خان دَوراں کا ڈنکہ بدستور بجتا رہا۔ خان دَوراں خان متعدد لڑائیوں میں لڑتا رہا۔ مگر جہاندار شاہ کو شکست ہوئی۔ اور اس شکست کا اصل سبب بدنظمی اور افسران کی بداعتمادی تھی۔ اس کے نتیجہ میں فرخ سیر بادشاہ ہوگیا۔

فرخ سیر نے اپنے وفاداروں کو نئے منصب اور خطابات دیئے۔ چنانچہ سیّد عبداللہ خان قطب الملک یار وفادار ظفر جنگ کا خطاب ملا۔ ہفت ہزاری ہفت ہزار سوار، دو اسپہ، سہ اسپہ کا منصب اور وزارت عظمیٰ دی گئی۔

سیّد حسین علی خان کو امیر الامراء بہادر فیروز جنگ ہفت ہزاری ہفت ہزار سوار کا منصب۔ اور میر بخشی محمد امین خان کو اعتماد الدولہ کا خطاب ہزاری ہزار کا منصب نظام الملک فتح جنگ کا خطاب اور دکن کا صوبہ دار مقرر کیا۔

قاضی عبداللہ تورانی کو خانخاناں میر جملہ کا خطاب۔ ہفت ہزاری اور ہفت ہزار سوار کا منصب ملا۔ (تاریخ ہند ص۱۰۱ مصنفہ ذکاءاللہ جلد دہم)

اس سلسلہ میں جہاندار شاہ کے مقربین نے بھی کسی نہ کسی طرح عذر معذرت کر کے رسوخ حاصل کیا۔ چنانچہ نواب خان دَوراں کو صمصام الدولہ خانِ دَوراں کا خطاب عطا ہوا۔ اور منصب

ہفت ہزار شش ہزار سوار عطاء ہوا۔ (سیر المتاخرین صہ ۲ جلد ۲)

فرخ سیر کے زمانے میں بھی صمصام الدولہ نواب خانِ دوراں خاں کا ستارہ عروج پر چڑھتا چلا گیا۔ بادشاہ کے مزاج میں اُن کو بڑا دخل ہوا۔ ۱۱۲۹ ہجری ۸ ذیقعدہ بروز یک شنبہ کا تقرر باجی راؤ مرہٹہ کی سرکوبی کیلئے ہوا۔ اس وقت ان کے خطابات میں مزید اضافہ ہو چکا تھا۔ اور وہ

امیر الامراء اور منصور جنگ

کے گراں قدر خطابات کے حامل ہو چکے تھے۔ اور اب ان کا نام نامی اس طرح لکھا جاتا تھا

امیر الامراء صمصام الدولہ خانِ دوران خان بہادر منصور جنگ۔ اس وقت نواب خان دوران کی یہ عظمت تھی، کہ وہ بادشاہ کے علم کے بغیر گورنروں تک کے عزل و نصب کے احکام جاری کر دیتے تھے۔ (سیر المتاخرین صہ ۱۶ جلد ۲)

امیر الامرائے کے معاصرین

امیر الامراء کا لقب معمولی لقب نہ تھا۔ اور یہ ہر کس و ناکس کو نہیں دیا جاتا تھا۔ قطب الملک۔ نظام الملک۔ آصف جاہ اول جیسے بڑے بڑے عمائدین نواب خان دوران کے معاصرین میں سے تھے۔ اس زمانہ میں نواب روشن الدولہ رستم جنگ بھی ان کے معاصرین میں تھے۔ جو خواجہ میر درد کے بزرگوں میں سے تھے۔ نواب روشن الدولہ کا تذکرہ میں پہلے کر چکا ہوں مگر یہاں صمصام الدولہ کے ذکر کے ساتھ اس قدر ذکر کرنا چاہتا ہوں کہ نواب روشن الدولہ افسر خزانہ تھے۔ کابل کے محاصل جو بارہ لاکھ سالانہ تھے۔ اُنہی کے پاس آتے تھے۔

نواب روشن الدولہ کے گرانے کے لئے اُن کے دشمن سازشیں کرتے رہتے تھے۔ آخر فرخ سیر کے دل میں بھی شک پیدا ہوا۔ تو اس نے روشن الدولہ سے چارج لینے کا کام بھی صمصام الدولہ کے سپرد کیا۔ اور اس طرح روشن الدولہ کے بعد اُن کو افسر خزانہ اور افسر محاصیل افغانستان بھی مقرر کر دیا گیا۔

(سیر المتاخرین جلد دوم صفحہ ۸۵، تاریخ ہند جلد دہم مصنفہ ذکاء اللہ صفحہ ۲۲۵)

فخر الدولہ صوبہ دار عظیم آباد پٹنہ

فخر الدولہ جو نواب روشن الدولہ رستم جنگ کا حقیقی بھائی تھا بھی حکومتِ مغلیہ میں بڑا با اثر شخص تھا۔ وہ صوبہ عظیم آباد پٹنہ کا گورنر تھا۔ اُس زمانہ کی گورنری ایک مطلق العنان بادشاہ سے کم نہ ہوتی تھی۔ ایک دفعہ جبکہ وہ اپنے علاقۂ حکومت سے آیا ہوا تھا۔ اس نے خواجہ معتصم سے کوئی ایسا سلوک کیا۔ جو اُسے ناگوار گزرا۔ خواجہ معتصم ایک باشان و شوکت انسان تھا۔ مگر وہ فقرا اور مشائخ کے رنگ میں رنگین تھا۔ یہ نواب صمصام الدولہ کا بھائی تھا۔ اس نے اپنے بھائی صمصام الدولہ سے اس بے ادبی کا ذکر کیا۔ جسے سُنکر صمصام الدولہ اس قدر برہم ہوا کہ فخر الدولہ کو وہاں سے بدل دیا گیا۔ (سیر المتاخرین صفحہ ۱۲ جلد ۲)

اِس سے بآسانی اِس امر کا پتہ چل سکتا ہے۔ کہ اُس وقت صمصام الدولہ کی کیا طاقت تھی۔ اور اُسے بادشاہ کی طبیعت میں کسقدر دخل تھا۔

مظفر خان میر آتشی

سنہ ۱۱۳۸ ہجری میں مظفر خان صاحب جو نواب خان دوران کے بھائی تھے، کو میر آتشی یعنی بارود خانہ کی افسری کا عہدہ سرفراز کیا گیا۔ (تاریخ ہند

جلد دہم مصنفہ ذکاء اللہ صد ۳۵)

سنہ ۱۱۴۶ ہجری میں مرہٹوں نے گجرات اور مالوہ کے صوبوں کو تسخیر کرلیا تھا۔ اُن کی سرکوبی کے لیے مظفر خان میر آتشی کو بھیجا گیا۔ بائیس امیر مع سپاہ کے ساتھ تھے۔ مگر مرہٹوں نے کسی جگہ مظفر خان کے لشکر سے جنگ نہ کی۔ (تاریخ ہند صد ۲۳)

بالآخر اس فتنہ کی سرکوبی کے لیے ۷ ذیقعدہ سنہ ۱۱۴۹ ہجری میں صمصام الدولہ خود تیس چالیس ہزار سوار مع توپ خانہ کے گئے۔ اور ہندوستان کے بعض عمدہ راجے بھی ہمراہ تھے۔

بادشاہ کے حضور صمصام الدولہ کی اس قدر عزت تھی۔ کہ اس کی مرضی کے خلاف کسی کی بات نہ سنتا تھا۔ اور جو بادشاہ کے دل میں آتا، اُسے لکھ بھیجا کرتا تھا (تاریخ ہند صد ۲۴)

محمدشاہ کا زمانہ

فرخ سیر کا زمانہ بھی گذر گیا۔ اب محمدشاہ کا زمانہ آگیا۔ مگر نواب خان دوران ابھی تک بدستور کمانڈر انچیف افواج مغلیہ تھا۔ محمدشاہ بھی اُن کی ہر ایک بات مانتا تھا۔ حتیٰ کہ نادرشاہ نے ہندوستان پر حملہ کردیا۔ تاریخ کی عام کتابوں سے تو یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ نادرشاہ کا مقابلہ کرنال کے قریب خان دوران خان سے ہوا۔ مگر ایک کتاب جس کا نام ہی نادرشاہ ہے اور سنہ ۱۷۴۳ء میں لندن میں طبع ہوئی تھی۔ اور اب بالکل نادر ہے۔ اس کا ایک نسخہ میں نے جناب میرزا فرحت اللہ بیگ صاحب ریٹائرڈ جج ہائی کورٹ حیدرآباد دکن لائبریری میں دیکھا

تھا جس میں لکھا ہوا ہے۔ کہ خان دَوران نے نادر شاہ کا دو دفعہ مقابلہ کیا۔ ایک تو جبکہ وہ کابل سے گزر کر ہندوستان میں داخل ہو رہا تھا۔ اٹک میں اس سے جنگ ہوئی۔ مگر خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی۔

دوسرے جب نادر خان دہلی کے قریب آ گیا، تو خان دَوران خان اپنے دو بیٹوں سمیت کرنال کے قریب اس سے لڑنے کے لئے نکلا۔ دہلی کے تمام عمائدین اُس وقت اپنے حوصلے ہار چکے تھے۔ اطلاع آئی۔ کہ چند قزلباش برہان الملک کے ڈیروں پر ہاتھ مار گئے۔

یہ سنکر برہان الملک تلوار ٹیک کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور کہا۔ کہ:۔

"صاحب، اب کونسی بات باقی ہے جس کا انتظار کیا جائے"!

اُسی وقت فوج لیکر لڑنے کو روانہ ہوا۔ نواب خانِ دَوران نے اس واقعہ کی اطلاع بادشاہ کو دی۔ انہوں نے آصف جاہ اوّل کو خبر کی۔ آصف جاہ نے کہا پہر دن باقی ہے۔ اِس لئے برہان الملک کو روکنا چاہئے۔ کیونکہ اُن کا لشکر منزلیں مارتا ہوا آیا ہے۔ اِس وقت بے موقع جرأت کرنی مناسب نہیں۔ کل توپخانہ سامنے رکھکر اور سب لشکر کو ترتیب دیکر بندوبست سے لڑیں۔ بادشاہ نے یہی بات خانِ دَوران کو کہلا بھیجی۔ خان دَوران سُنتے ہی بگڑ کر اُٹھ بیٹھا۔ اور کہا۔ کہ بڑے خبث کی بات ہے۔ ایسا جوانمرد سردار آقا کے نمک پر نثار ہونے جائے۔ اور ہم پہلو میں بیٹھے اس کے مرنے کا تماشا دیکھا کریں۔ اُسی وقت ہاتھی پر سوار ہو کر فوج لیکر روانہ ہوا۔ نادر خان کی فوج سے جنگ ہوئی۔ خان دَوران زخمی ہو گئے تھوڑی ہی دیر میں تمام ڈیرے خیمے لُٹ گئے۔

بادشاہ کو خبر ہوئی۔ تو بادشاہ کی طرف سے خواجہ سرا آئے اور آصف جاہ وغیرہ امراء عیادت کو آئے۔ خان دَوران خان نے آنکھ کھولی اور کہا:۔

"ہم نے تو اپنا کام کرلیا۔ اب تم جانو اور تمہارا کام۔ مگر کہتے ہیں۔ کہ بادشاہ کو نادر کے پاس اور نادر کو شہر میں نہ لیجانا۔"

(ہندوستان کی تاریخی کہانیاں صفحہ ۴۴، ۱۸۵)

سیر المتاخرین کے مصنف نے اس سارے واقعہ پر اس قدر اضافہ کیا ہے۔ کہ اُس کا بھائی مظفر خان اور اُس کا بڑا لڑکا بھی اس جنگ میں تھا۔ ملاحظہ ہو ص۷۸ جلد ۲۔ نادر شاہ مطبوعہ لنڈن میں خان دوران خان کے دو لڑکوں کا ذکر ہے۔

تاریخ اسلام مصنفہ ذاکر حسین جعفر مطبوعہ ۱۳۴۲ھ ہجری نے ص۳۹۱ میں لکھا ہے۔ کہ نادر شاہ سے صمصام الدولہ کی فوجوں کی جنگ ۱۷۳۹ء میں کرنال پر ہوئی۔

یہ مختصر سے واقعات اُن لمبے واقعات سے لئے گئے ہیں۔ تاکہ یہ بتلایا جاسکے۔ کہ نواب خان دوران اپنے زمانہ میں کس پایہ کے آدمی تھے۔ وہ فوج کے افسر اعلیٰ تھے۔ وہ خزانہ کے افسر اعلیٰ تھے۔ ان کا سارا خاندان نانا۔ بھائی بیٹے وغیرہ فوج میں سر برآوردہ عہدوں پر فائز تھے۔ وہ ہر وقت حکومتِ وقت کے لئے فداکارانہ جذبہ رکھتے تھے۔ ان لوگوں نے اپنی جان کو ہتھیلی پر رکھکر سلطنت کی مضبوطی کی کوشش کی۔ اُن کے دروازوں پر ہاتھی جھومتے تھے۔ سونے چاندی کی نہریں اُن کے محلات میں بہا کرتی تھیں۔ نوکر چاکر۔ خدم حشم سب کچھ موجود تھا اور کسی چیز کی کمی نہ تھی۔

معلوم ہوتا ہے۔ کہ نواب خان دوران کے دو ہی بیٹے تھے۔ بڑے کا نام قمرالدین خان تھا جو محمد شاہ کا وزیر اعظم تھا۔ اور چھوٹے کا نام احتشام علی خان تھا۔ جو شاہی محلات کا داروغہ تھا۔ احتشام علی خان کا ذکر مسٹر جیمس فریزر نے اپنی کتاب

موسومہ نادر شاہ میں احتشام خان کے نام ہو گیا ہو اور امیر الامراء کا خطاب جو اُس وقت سلطنت کے سب سے بڑے آدمی کو حاصل تھا، اِس خاندان سے نکل کر نواب آصف جاہ اوّل کی طرف منتقل ہو گیا۔ اور بالآخر یہ خطاب ہی سلطنت کی تباہی کا باعث ہوا۔ برہان الملک کو امید تھی۔ کہ یہ خطاب مجھے ملے گا۔ مگر جب آصف جاہ اوّل کو مل گیا۔ تو برہان الملک نے وہ کچھ کیا جو غداری کے مفہوم میں داخل ہو گیا۔

آخری واقعہ نواب خان دوران کا اس شجاعت اور بہادری کا ثبوت دیتا ہے جس کی مثال نہیں مل سکتی۔ اس کی غیرت نے پسند نہ کیا۔ کہ وہ برہان الملک کی فوج کو موت کے منہ میں جھونک دے۔ وہ خود مرٹ گیا۔ مگر اپنے خون سے تاریخ میں یہ ثبت کر گیا ع

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

صمصام الدولہ دن کو ایک بہادر سپاہی تھا۔ اور رات کو اس کی مجلس میں علماء، حکماء، شعراء جمع ہوا کرتے تھے۔ وہ خود بھی شعر و شاعری کا ذوق رکھتے تھے۔ ایک دفعہ فرخ سیر بادشاہ کے سامنے آئینہ تھا۔ اور وہ بار بار آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھتے تھے۔ نواب خانِ دوران خان نے فی البدیہہ ایک غزل کہی۔ جس کا مطلع ہے ؎

سحر خورشید لرزاں بر سرِ کوئے تو می آید

دلِ آئینہ را نازم کہ بر روئے تو مے آید

الغرض اس طرح

امیر الامراء صمصام الدولہ نواب خانِ دوران خان بہادر میر بخشی منصور جنگ ایک لمبی مدت تک اپنی حکومت، اپنی صولت و جاہ اپنی شوکت و طاقت و حکومت کا چار دانگ عالم میں ڈھول بجوا کر سنہ ۱۱۵۱ھ ہجری راہیٔ ملکِ بقا ہوئے۔ دہلی میں اُن کی یادگار ایک شاندار مسجد ہے۔ اُسی کے ایک پہلو میں اُن کا مرقد بنا ہوا

ہے۔ رہے نام اللہ کا۔

میر ہاشم علی صاحب

میں لکھ چکا ہوں۔ کہ نواب خان دوران نادر شاہ کی جنگ میں مارے گئے اُن کے ساتھ اُن کے بھائی مظفر خان اور اُن کے دو بیٹے بھی اس جنگ میں لڑ رہے تھے۔ جن میں سے بڑے کا نام قمر الدین خان اور چھوٹے کا نام احتشام علیخان تھا۔ احتشام علی خان کے بیٹے میر ہاشم علی خان تھے۔ . . . . میر ہاشم علی صاحب غالباً کسی سرکاری منصب پر نہ تھے۔ باپ، دادا کی جائیداد اُن کے گزارے کیلئے کافی ہوئی۔ غدر ۱۸۵۷ء میں اُن کی عمر اسّی سال کی ہو چکی تھی۔ اور حضرت میر ناصر نواب صاحب نے اپنی خود نوشت سوانحمری میں لکھا ہے کہ "دادا اسّی سالہ ضعیف تھے۔ اور کچھ جائیداد نہ رکھتے تھے۔ اور جو جائیداد تھی۔ وہ ہمارے خاندان سے جا چکی تھی۔" (حیات ناصر صـ۳)

میر ہاشم علی صاحب کی اولاد

میر ہاشم علی صاحب کے ایک صاحبزادے تھے۔ جن کا نام خواجہ سید ناصر امیر صاحب تھا۔ خواجہ سید ناصر امیر کی والدہ بی نصیرہ بیگم صاحبہ تھیں جو شاہ محمد نصیر صاحب رنجؔ کی بیٹی تھیں۔ بی نصیرہ بیگم کے بطن اور میر ہاشم علی صاحب کی صُلب سے ایک صاحبزادی فرحت النساء بیگم اور ایک صاحبزادے یعنی سید ناصر امیر صاحب پیدا ہوئے۔ فرحت النساء بیگم کی شادی حافظ منیر الدین صاحب سے ہوئی۔ جو قصبہ جلیسر میں رہتے تھے۔ اُن کے بطن سے دو بیٹے پیدا ہوئے۔ جن کا نام حاجی کبیر الدین احمد صاحب اور پیرجی بشیر الدین احمد صاحب

ہے۔ یہ پیری مریدی کا سلسلہ رکھتے ہیں۔ اِن دونو حضرات کا بفضلہ سلسلہ نسل چل رہا ہے۔

سیّد ناصر امیر صاحب

سیّد ناصر امیر صاحب بن میر ہاشم علی صاحب کے جوان ہونے پر اُن کی پہلی شادی میر بھکاری صاحب کی دُختر سعیدہ بیگم صاحبہ سے ہوئی۔ یہ سعیدہ بیگم صاحبہ خواجہ محمد نصیر صاحب رنج کے نواسہ کی بیٹی تھیں۔ اُن کے بطن سے ایک لڑکا سیّد ناصر وزیر پیدا ہوا۔

دوسری شادی

کچھ عرصہ کے بعد انہوں نے دوسری شادی میر شفیع احمد صاحب ساکن فراشخانہ کی دُختر بلند اختر سے کی۔ اُن کا نام بی روشن آراء بیگم صاحبہ تھا۔
بی روشن آراء بیگم کے متعلق خاندان کے تمام افراد یہی بیان کرتے ہیں۔ کہ وہ اپنے نام کی طرح روشن آراء ہی تھیں۔ وہ بڑی بزرگ اور مقدسہ خاتون تھیں۔ بڑی نیک بخت اور عبادت گزار تھیں۔ اُن کے بطن سے ایک صاحبزادے جو ہمارے واجب الاحترام بزرگ ہوئے، پیدا ہوئے۔ یعنی حضرت میر ناصر نواب صاحب رضی اللہ عنہ۔
ان کی دو ہمشیرگان بھی تھیں۔ ایک کا نام رفعت النساء بیگم صاحبہ تھا۔ جنکی شادی حافظ منیر الدین صاحب کے صاحبزادے پیرجی بشیر الدین صاحب سے قصبہ جلیسر میں ہوئی۔ اور دوسری صاحبزادی کا نام بی انجمن آراء بیگم صاحبہ تھا۔

اُن کی شادی مولوی محمد یوسف صاحب بن مولوی عبد القیوم صاحب سے ہوئی۔ جو شاہ محمد اسحاق صاحب محدّث کے نواسے تھے۔ اور بھوپال میں سکونت پذیر تھے۔

خواجہ ناصر امیر صاحب کی سجّادہ نشینی

جب خواجہ سیّد محمد نصیر صاحب کی وفات ہوگئی۔ تو مسئلہ سجّادہ نشینی بہت پیچیدہ ہوگیا۔ خواجہ سیّد محمد نصیر صاحب کے بیٹے مولوی سیّد ناصر جان اُن کی زندگی میں ہی فوت ہو گئے تھے۔

بالآخر تمام مشائخ بارہ دری میں جمع ہوئے۔ اور مشورے کے بعد طے ہوا۔ کہ بی امانی بیگم صاحبہ۔ کیونکہ امانی بیگم صاحبہ خواجہ صاحب میر کی بیٹی اور خواجہ میر درد صاحب کی پوتی تھیں۔ ان سے استصواب کیا گیا۔ یہ مولوی سیّد ناصر جان کی بیوہ تھیں۔ انہوں نے کہا۔ کہ:۔

"جس رُتبہ کے بزرگ خواجہ میر درد صاحب، خواجہ میر اثر صاحب اور میرے والد خواجہ صاحب میر صاحب تھے۔ ویسا تو اب خاندان میں مجھے کوئی نظر نہیں آتا۔ میرے شوہر تھے۔ وہ تو رحلت کر گئے ہیں۔ اس لئے میرے نزدیک میاں ناصر امیر خواجہ محمد نصیر صاحب کے نواسہ کو گدّی پر بٹھا دیا جائے"۔

چنانچہ اِس مشورے کے ماتحت سب مشائخ نے سیّد ناصر امیر صاحب کو سجّادہ نشین تسلیم کرلیا۔

اس طرح خواجہ محمد ناصر کے گھر میں جو نور آیا تھا۔ وہ منتقل ہوکر منشاء الٰہی کے ماتحت سیّد ناصر امیر صاحب کے گھر میں آگیا۔

سید ناصر امیر صاحب کی گدی نشینی کی مخالفت

شاہ محمد نصیر صاحب کی ایک اور بیوی تھیں۔ جن کے بطن سے دو لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ جن کا نام تھا انجمن النساء اور اشرف النساء۔

انجمن النساء صاحبہ کی شادی حکیم مومن خان صاحب مشہور شاعر سے ہوئی۔ چونکہ حکیم مومن صاحب شاہ محمد نصیر صاحب کے داماد تھے۔ اس لئے اُن کو سید ناصر امیر صاحب کی سجادہ نشینی سخت ناگوار گزری۔ انکا خیال تھا۔ کہ وہ شاہ محمد نصیر صاحب کی جگہ گدی نشین ہوتے۔ مگر وہ خود بھی اپنے آپکو اس کا اہل خیال نہ کرتے تھے۔

اس لئے انہوں نے اپنے ہم زلف مولوی سید یوسف علی صاحب مدراسی کو آمادہ کیا۔ جمعہ کے دن ان کے گلے میں کفنی ڈالی اور ایک ناصری اُن کے کندھے پر رکھی۔ جو خواجہ میر درد کے خاندان کی خاص علامت ہے۔ اور اُن کو جامعہ مسجد میں لے گئے۔ جمہور مسلمانوں سے کہا گیا۔ کہ یہ خواجہ محمد نصیر صاحب کی جگہ گدی نشین ہوئے ہیں۔ مگر دلی کے لوگ ان کی طرف ذرا بھی متوجہ نہ ہوئے۔ اور یہ جادو بھی نہ چل سکا۔ (میخانہ درد صفحہ ۲۰۶)

تباہی کیطرف دوسرا قدم

اِس ناکامی کے بعد حکیم مومن نے اپنی بیوی اور سالی کی طرف سے یہ دعویٰ کر دیا۔ کہ بارہ دری اور اس کے متعلق تمام جائیداد ہماری ہے۔

اس مقدمہ بازی کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ بارہ دری اور حجرہ یعنی خواجہ میر درد کا عبادت خانہ تو وقف ہو کر دعویٰ سے مستثنیٰ ہو گیا۔ اور باقی جائیداد کا دعوے

خارج ہوگیا۔ کہ یہ تمام جائیداد خواجہ محمد نصیر کی نہیں بلکہ خواجہ میر درد کی متروکہ ہے البتہ خواجہ محمد نصیر صاحب کا چوتھائی حصہ تسلیم کیا گیا۔

اِس مقدمہ بازی کا یہ نتیجہ ہوا۔ کہ حکیم مومن کی بیوی اور سالی کے مکانات مصاریف مقدمہ میں بک گئے۔

دوسرا دعوے

اب چوتھائی حصہ کے لئے پھر دعویٰ ہوا۔ اس میں مومن خان کو کامیابی ہوئی۔ خاندان کی جائیداد اِس مقدمہ میں تباہ ہوگئی۔ کئی مکانات نیلام ہوگئے۔ اور اس طرح اس جائیداد کو تباہ و برباد کر دیا گیا۔

ناصری گنج کی طرف نظر

اب انکی آنکھوں کے سامنے صرف ناصری گنج کی جائیداد تھی۔ اس کیلئے مومن خان صاحب نے مولوی یوسف علی صاحب کو ناصری گنج بھیجا۔ تاکہ میر عبدالناصر صاحب پر نالش کرکے وہاں چوتھا حصہ وصول کیا جائے۔ مگر میر عبدالناصر صاحب نے پہلے ہی بائیس کے بائیس گاؤں اپنی بیوی کے نام مہر پر لکھدیئے تھے۔ اس لئے وہاں کا جانا سوائے زیر باری کے اور کوئی نتیجہ پیدا نہ کر سکا۔ ہاں اِس چھیڑ چھاڑ کا یہ نتیجہ ہوا۔ کہ میر عبدالناصر صاحب جو روپیہ بی امانی بیگم صاحبہ اور دیگر حقداروں کو بھیجا کرتے تھے وہ بھی بند کر دیا۔ اس لئے ان سب متعلقین کو تکلیف ہوگئی۔

اسی سلسلہ میں خواجہ ناصر امیر صاحب بھی ناصری گنج تشریف لے گئے تاکہ نالش کرکے اپنے حقوق حاصل کریں۔ مگر قضاء الٰہی کے ماتحت ۱۰ ذوالحجہ ۱۲۶۵ھ

سنہ ۱۲۷۲ھ ہجری مطابق ۱۰ ستمبر سنہ ۱۸۵۵ء کو مرض ہیضہ میں مبتلا ہو کر فوت ہو گئے۔

خواجہ سیّد ناصر وزیر صاحب

خواجہ سیّد ناصر امیر صاحب کی وفات کے بعد بی امانی بیگم کے مشورے سے سیّد ناصر امیر کے بڑے بیٹے ناصر وزیر صاحب کو گدی نشین کر دیا گیا۔ انہوں نے اپنے طریقہ محمدیہ کے علاوہ طریقہ مجددیہ نقشبندیہ اور سہروردیہ اور قادریہ کو بھی حاصل کیا۔ فقہ حدیث بھی پڑھی۔ خط نسخ۔ نستعلیق۔ شفیعہ۔ شکستہ وخط ناخن وغیرہ میں کمال حاصل کیا۔ مسجد میر درد کی تجدید کرائی۔ آپ نے عُرسوں وغیرہ کو خوب ترقی دی۔

آپ سنہ ۱۲۹۰ھ ماہ شعبان میں حج سے واپس آکر مرض اسہال کی وجہ سے فوت ہو گئے۔

سیّد ناصر وزیر کی شادی نواب امین الدین خان صاحب جاگیردار لوہارو کی صاحبزادی سے ہوئی تھی۔

آپ کی اولاد

آپ کے تین لڑکے پیدا ہوئے۔ جن کے حسب ذیل نام ہیں۔ سیّد ناصر خلیل عرف کلن۔ سیّد ناصر سعید عرف ابّن۔ چھوٹے کا نام سید ناصر وحید تھا۔ یہ تینوں اصحاب بھی فوت ہو چکے ہیں۔ البتہ سیّد ناصر خلیل صاحب کے بیٹے سیّد ناصر جلیل صاحب گلبرگہ دکن میں ملازم ہیں اور صاحبِ اولاد ہیں۔

سیّد ناصر وزیر صاحب کی تین صاحبزادیاں تھیں۔ بڑی لڑکی جناب محی الدین صاحب کو بیاہی گئیں۔ وہ خود فوت ہو گئی ہیں۔ اُن کی اولاد موجود ہے

دوسری لڑکی مومن خان کے نواسہ سے بیاہی گئیں۔ یہ بھی صاحبِ اولاد ہیں۔
تیسری لڑکی کی شادی میرزا محمد سعید بیگ صاحب بن میرزا مہر علی بیگ صاحب ساکن کوچہ پنڈت دہلی سے ہوئی۔ ان کے بطن سے ایک لڑکی اور دو لڑکے پیدا ہوئے۔

آخری انجام

خواجہ ناصر وزیر کی وفات کے بعد خواجہ ناصر خلیل اور ناصر سعید میں جھگڑا ہو گیا۔ اس جھگڑے کا نتیجہ یہ نکلا۔ کہ خواجہ میر درد صاحب کا عبادتخانہ جسے حجرہ کہتے تھے بک گیا۔ اور بارہ دری جو عبادتخانہ کے ساتھ وقف تھی، مکان مسکونہ بنالی گئی۔ اور اس طرح مسیح موعود علیہ السلام کے ظہور کے ساتھ ہی درد کے ظاہری آثار بھی گم ہو گئے۔ اور اب اس بارہ دری میں ناصر سعید صاحب کی اولاد رہتی ہے۔

یہ حالات دیدۂ بینا کے لئے بہت کچھ حقائق اور بصیرت افروز امور اپنے اندر لئے ہوئے ہیں۔ کس شان و شوکت سے جس چیز کا آغاز ہوا تھا۔ کیسا بھیانک اس کا انجام ہوا۔ یہ کیوں؟ اس لئے کہ اس خانہ ان کے لئے یہی مقدر تھا۔ کہ اس کی روشنی اس نیرِ اعظم میں جس کا نام مسیح موعود ہے گم ہو جائیگی۔
کاش! دُنیا سمجھے اور سوچے اور عبرت پکڑے

خواجہ میر درد صاحب کی درگاہ کے ساتھ ایک بڑی شاندار باغیچی تھی۔ یہیں اُن کا قبرستان بھی تھا۔ اور عیدگاہ بھی تھی۔ خواجہ میر درد اسی جگہ عید پڑھنے جایا کرتے تھے۔ قبرستان میں عام مسلمانوں کے مُردے بھی دفن ہوتے

تھے۔

باغیچی سو سال تک خوب بہار اور رونق پر رہی۔ ایک چلہ خانہ بھی یہاں تھا جہاں صوفی لوگ چلہ کشی کرتے تھے۔ اسی چلہ خانہ کے اوپر بارہ دری بنی ہوئی تھی۔ اس ساری زمین کو بڑی رونق تھی۔ لاکھوں بندگانِ خدا آتے تھے۔ ذکرِ الٰہی ہوتا تھا بادشاہ، امراء حاضر ہوتے تھے مگر آج یہ سب کچھ ویران ہے۔ درخت کلہاڑوں اور آروں کی نظر ہو گئے۔ قبروں پر گائے، بھیل چرنے لگے۔ اور وہاں نہ کوئی عمارت رہی اور نہ کوئی رونق اور نہ درخت۔ وحشت اور ویرانی چھا گئی۔ وہ محفلیں جو کل نظر آتی تھیں۔ آج اُن کی خاک اُڑتی بھی نظر نہیں آتی۔

یہ سب کیوں ہوا؟ تاکہ الٰہی نوشتے پورے ہوں۔

حضرت میر درد کا اپنا ایک شعر ہے۔ جو اس ساری حالت پر گویا بطور پیشگوئی کہا گیا تھا۔ خوب صادق آتا ہے۔ فرماتے ہیں ؎

گزروں ہوں جس خرابہ پہ کہتے ہیں واں کے لوگ
ہے کوئی دن کی بات یہ گھر تھا، وہ باغ تھا

(میخانۂ درد ص۲۴۲)

حضرت میر ناصر نواب صاحب

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

طور پر گھر کا کام چل رہا تھا۔ کیونکہ حضرت میر صاحب لکھتے ہیں کہ :۔

"والد صاحب کی وفات کے بعد سامانِ معیشت بظاہر کچھ نہ رہا۔ فقط اللہ ہی کا آسرا تھا۔ دادا صاحب اگرچہ موجود تھے مگر وہ اسّی سالہ ضعیف تھے۔ اور کچھ جائیداد بھی نہ رکھتے تھے۔ اور جو جائیداد تھی وہ ہمارے خاندان سے جا چکی تھی اور مفلس محض رہ گئے تھے۔ اس پر ظاہر آراستہ رکھنا بھی ضروری تھا۔" (حیاتِ ناصر ص۳)

یہ آخری فقرہ اس وقت کی حالت پر خوب روشنی ڈالتا ہے۔ باوجود دولت و شوکت کے چلے جانے کے بعد خاندان کا رویہ ایسا تھا۔ کہ دیکھنے والے جانتے تھے، کہ جس طرح شرفاء اور باحیاء اپنی تکلیف کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیتے تھے، بالکل اسی طرح کسی کو معلوم نہ تھا۔ کہ خاندان کی مالی حالت کیسی ہے۔

ایسی حالت میں حضرت میر صاحب کے کنبہ کی کفالت کا بوجھ نانا صاحب میر شفیع احمد صاحب ساکن فراشخانہ نے اٹھایا۔ حضرت میر صاحب کے دو ماموں تھے۔ بڑے ماموں ڈپٹی کلکٹر انہار تھے۔ اور دوسرے جن کا نام میر ناصر حسین صاحب تھا، وہ بھی مادھو پور ضلع گورداسپور بھی محکمہ نہر ہی میں ملازم تھے۔ ماموں صاحبان نے اس وقت مدد کی۔

غدر کی مصیبت

ابھی داغِ یتیمی کا اثر دور نہیں ہوا تھا، کہ ۱۸۵۷ء میں دہلی میں غدر ہو گیا۔ غدر کی داستان بہت طویل ہے، وہ اِس مختصر کتاب میں نہیں آسکتی مگر مختصر

کیفیت۔ اور وہ بھی حضرت میر صاحب کی زبانی یوں ہے۔ کہ دلّی غدر میں اُجڑ گئی۔ اور تو اور شاہی خاندان بھی تباہ و برباد ہو گیا۔ شاہزادوں تک کو برسرِ عام قتل کر دیا گیا۔ ہر شخص کو اپنی جان و مال کا دغدغہ لگا ہوا تھا۔ دن کا چین اور رات کا آرام حرام ہو گیا تھا۔ جوں جوں محاصرہ تنگ ہوتا جاتا تھا۔ توں توں شہر کی آفت بڑھتی جاتی تھی۔ شہر پر اسقدر گولے پڑتے تھے۔ کہ فصیل اور متصلہ مکانات چھلنی ہو گئے تھے۔

بعض لوگ گولوں سے ہلاک بھی ہوتے جاتے تھے۔ چند ماہ کے محاصرہ کے بعد دلّی انگریزوں نے فتح کر لی۔ اور باغی فوج وہاں سے بھاگ گئی۔ دلّی والوں کی شامت آ گئی۔ کر گیا داڑھی والا۔ پکڑا گیا مونچھوں والا۔ نانی نے خصم کیا اور نواسہ پر جرمانہ ہوا۔ فتح مندوں نے شہر کو برباد کر دیا۔ اور فتح کے شکریہ میں صدہا آدمیوں کو پھانسی چڑھا دیا۔ مجرم اور غیر مجرم میں تمیز نہ تھی۔ چھوٹا بڑا ادنے اعلیٰ برباد ہو گیا۔ سوائے چوہڑے، چماروں، سقّوں وغیرہ کے یا ہندوؤں کے خاص محلوں کے کوئی لُوٹ مار سے نہیں بچا۔ ایک طوفان تھا۔ کہ جس میں کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ غرضیکہ گیہوں کے ساتھ جو کا گھن بھی پس گیا۔ شہر کے لوگ ڈر کے مارے شہر سے نکل گئے۔ اور جو نہ نکلے تھے، وہ جبراً نکالے گئے اور قتل کئے گئے۔

اس حالت سے یہ معزز خاندان بھی بچ نہ سکا

چنانچہ

حضرت میر صاحب خود لکھتے ہیں۔ کہ :۔

"یہ عاجز بھی ہمراہ اپنے کنبہ کے دلّی دروازہ کی راہ سے باہر گیا چلتے وقت لوگوں نے اپنی عزیز چیزیں جنکو اُٹھا سکے ہمراہ لیلیں

حضرت میر ناصر نواب صاحبؓ

اب ہم اس بزرگ انسان کا ذکر کرتے ہیں جس کا وجود ان تمام برکتوں کا جامع تھا۔ جو ایک طرف خواجہ میر درد کے گھرانے کو حاصل تھیں اور دوسری طرف خواجہ علاء الدین عطار نقشبندی کے گھرانے کو حاصل تھیں۔ یہ وہی بزرگ انسان تھا جس کے لئے مقدر تھا۔ کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام جری اللہ فی حلل الانبیاء کا خسر کہلائے۔ اور جس کی بیٹی کے لئے مقدر تھا کہ وہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت ثانیہ میں مومنوں کی ماں کہلائے۔ یہی وہ خاتون تھی جسے میں نے بخارا سے آنیوالی امانت قرار دیا تھا۔ جسکو ہندوستان میں لانے کے لئے جہاں مسیح موعودؑ نے پیدا ہونا تھا، یہ خاندان جو محمدیین کا خاندان کہلایا ہندوستان ہجرت کر کے آیا تھا۔

حضرت میر ناصر نواب میر ناصر امیر صاحب کے دوسرے بیٹے تھے۔ اور دوسری بیوی محترمہ روشن آراء بیگم کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔

حضرت میر ناصر نواب صاحب کے سن پیدائش کا صحیح علم نہیں۔ البتہ ایک قیاسی حساب کی رو سے ۱۸۴۶ء آپ کا سن پیدائش بنتا ہے۔ اور وہ قیاسی حساب یہ ہے۔ کہ غدر ۱۸۵۷ء حضرت میر صاحب نے دیکھا تھا غدر کے بعد جب آپ کی عمر ۱۶ سال کی ہوئی۔ تو اس وقت آپ کی شادی ہوئی۔ اس لحاظ سے اگر غدر کا زمانہ چار سال قبل کا رکھا جائے۔ تو اُن کو ۱۴ سال کی عمر میں غدر کا حادثہ پیش آیا۔ اور دو سال بعد شادی قرار دی جائے۔ تو سولہ سال کی عمر بنجاتی ہے۔ اس لحاظ سے ۱۸۴۵ء یا ۱۸۴۶ء کے قریب کا زمانہ

قرار دیا جا سکتا ہے۔

ایک دوسرا قرینہ حضرت میر صاحب نے اپنی خود نوشت سوانح عمری میں لکھا ہے :۔

"ایک زمانہ آیا۔ کہ مَیں پیدا ہوا۔ اور دہلی شہر میں جنم لیا۔ خواجہ میر درد علیہ الرحمۃ کے گھرانے میں پیدا ہو کر نشو و نما پایا۔ اور اُن کی بارہ دری میں کھیل کُود کر بڑا ہوا۔ اُن کی مسجد میں پڑھا کرتا تھا۔ ماں باپ کے سایہ میں پرورش پا رہا تھا۔ کوئی فکر و اندیشہ دامنگیر نہ تھا۔ کہ ناگہاں میرے حال میں ایک تبدیلی پیدا ہوئی جس کا بظاہر کسی کو وہم و گمان بھی نہ تھا۔ اتفاقاً میرے والد ماجد کسی کام کے لئے بنارس تشریف لے گئے۔ اور شاہ آباد آرہ میں ہیضہ سے اُن کا انتقال ہو گیا۔ اور مَیں مع اپنی دو ہمشیرہ کے یتیم رہ گیا۔" (حیاتِ ناصر صہ ۲)

خواجہ سیّد ناصر امیر صاحب کی وفات ۱۰ ستمبر ۱۸۵۴ء میں ہوئی۔ زمانہ تعلیم کا آغاز چونکہ پانچ، چھ سال سے ہوتا ہے۔ اس لئے یہی قیاس لگایا جا سکتا ہے۔ کہ والد کی وفات کے وقت اُن کی عمر بارہ تیرہ سال کی ہو گی۔ انکی وفات سے دو اڑھائی سال بعد غدر ہوا۔ اور غدر کے سال ڈیڑھ سال بعد آپ کی شادی ہوئی۔ تو قرینِ قیاس یہی ہے۔ کہ ۱۸۴۵ء یا ۱۸۴۶ء کے اندر آپ کی پیدائش ہوئی ہوگی۔

آپ کی پیدائش کے وقت آپ کے گھر میں سجادگی تھی۔ آپ کے والد صاحب خواجہ میر درد کی گدی پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اگرچہ وہ شان و شوکت تو نہ تھی، جو نواب خانِ دوران منصور جنگ کے زمانہ میں تھی۔ مگر تاہم شریفانہ

آئے، تو اُس وقت حالت یہ تھی، کہ لوگوں نے گھروں کی چوکھٹیں تک اُتار لی تھیں حضرت میر صاحب کے ایک ارشاد کے ماتحت اُس وقت آپ کی عمر بارہ سال کی تھی۔ تو اس لحاظ سے غدر کا واقعہ دس سال کی عمر میں ہوا ہوگا۔ دو اڑھائی سال میں پھر دلی آباد ہوئی۔ اس طرح واپسی کے وقت آپ کی عمر بارہ سال کی ہو جاتی ہے۔ دہلی سے آپ کی والدہ صاحبہ نے آپکو آپ کے ماموں میر ناصر حسین صاحب کے پاس صوبہ پنجاب میں ضلع گورداسپور کے مقام مادھو پور میں بھیج دیا۔ یہاں حضرت میر صاحب نے کس قدر تعلیمی ترقی کی، اس کے متعلق کچھ کہا نہیں جا سکتا۔

ان کو خود اعتراف ہے۔ کہ کوئی خاص فائدہ نہیں ہوا۔ آپ کے ماموں تم جھپڑ والوں کے مُرید تھے۔ اور آپ کے سوتیلے بھائی خود گدی نشین تھے۔ اور انکی حالت مذہبی ایسی ہو گئی تھی، کہ حضرت میر صاحب کا نورِ ایمان اس کا نام "بدعت" رکھتا تھا۔ اور اس میں شک بھی نہیں۔ کہ وہ طرح طرح کی بدعتوں میں مبتلا ہو چکے تھے۔ اور وہاں بھی وہی قوالیاں اور عُرس، اور دین سے دُور لیجانے والی باتیں ہو رہی تھیں۔ حضرت میر صاحب کا قلب ان بدعتوں کو قبول کرنے کے لئے تیار نہ تھا۔ اس لئے آپ نے اس چھوٹی سی عمر میں سب امور کا موازنہ کیا، اور آپ اہلحدیث ہو گئے۔ اور یہ سب سولہ سال کی عمر سے قبل ہی ہو گا۔

شادی خانہ آبادی

۱۶ سال کی عمر میں آپ کی والدہ محترمہ نے ایک شریف سادات کے خاندان میں آپکی شادی کر دی۔ حضرت میر صاحب اپنی بیوی سے ہمیشہ خوش رہے۔ اُس کا ہم الگ ذکر کرینگے۔ شادی کے بعد آپ نے مولوی عبداللہ غزنوی

کی بیعت کرلی۔ اور آپ کے ساتھ ہی آپ کی حرم محترم نے بھی انکی بیعت کرلی۔

آمدنی اُس وقت آمدنی کا کوئی خاص انتظام نہ تھا۔ مگر ناصری گنج کے علاقے سے ایک پانچ ہزار کی جائیداد اُن کو مل گئی تھی جس کی آمدنی پندرہ روپیہ ماہوار تھی۔

ملازمت

۱۲ سال کی عمر میں یعنی ۱۸۶۵ء کے قریب آپ کی والدہ نے آپ کو پھر آپ کے ماموں ناصر حسین صاحب کے پاس بغرض کار آموزی بھیجا۔ وہ اب لاہور میں کام کرتے تھے۔ انہوں نے آپکو نقشہ نویسی اور نہر کا کام سکھلا کر آپ کو ۱۸۶۶ء میں محکمہ نہر میں بعہدہ اوورسیر ملازم کر دیا۔ اور آپ کی تعیناتی امرتسر میں ہوئی۔ اسی سلسلہ ملازمت میں آپکی تبدیلی موضع سٹھیالی اور کاہنووان اور موضع تتلہ میں ہوئی جو متصل قادیان دیہات تھے۔

حضرت میر صاحب محکمہ نہر میں ملازم تھے۔ اور یہ محکمہ جس قدر ابھی رشوت ستانی کی وجہ سے بدنام ہے، اسے ہر شخص جانتا ہے۔ مگر حضرت میر صاحب جنپر بچپن ہی سے ولایت کا رنگ چڑھ گیا تھا۔ وہ کب اِس قسم کی حرام دولت کو لے سکتے تھے۔

حضرت عرفانی کبیر نے اُن کی سوانح حیاتِ ناصر میں اُن کی پاکیزہ زندگی پر لکھتے ہوئے ایک واقعہ لکھا ہے۔ جو اُن کی دیانت داری اور پاکیزگی کی شان کو دوبالا کرتا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے :۔

"وہ محکمہ نہر میں ملازم تھے۔ افسرانِ نہر نے ایک قاعدہ کے ماتحت اُن سے سو روپیہ نقد کی ضمانت طلب کی۔ ان کے معاصرین نے

میری والدہ صاحبہ نے اللہ اُن کو جنت نصیب کرے میرے والد کا قرآن شریف جو اب تک میرے پاس اُن کی نشانی موجود ہے، اُٹھا لیا۔ شہر سے نکل کر ہمارا قافلہ سر بصحرا چل نکلا۔ اور رفتہ رفتہ قطب صاحب تک جو دلی سے ۱۱ میل پر ایک مشہور خانقاہ ہے جا پہنچا۔ وہاں پہنچکر ایک دو روز ایک حویلی میں آرام سے بیٹھے رہتے تھے۔ کہ دُنیا نے ایک اور نقشہ بدلا۔ یکایک ہاڈسن صاحب افسر رسالہ مع مختصر اردلی کے قضاء کیطرح ہمارے سر پر آ پہنچے۔ اور دروازہ کھلوا کر ہمارے مَردوں پر ایک باڑ ماری۔ اور جسکو گولی نہ لگی اُسے تلوار سے قتل کیا۔ اور یہ نہیں پوچھا۔ کہ تم کون ہو۔ ہماری طرف کے ہو یا دشمنوں کے طرفدار ہو۔ اس یک طرفہ لڑائی میں میرے چند عزیز راہیٔ ملکِ عدم ہو گئے۔ پھر حکم ہوا فوراً یہاں سے نکلجاؤ۔ حکمِ حاکم مرگِ مفاجات۔ ہم سب زن و مرد و بچہ اپنے مَردوں کو بے گور و کفن چھوڑ کر رات کے اندھیرے میں حیران و پریشان وہاں سے روانہ ہوئے۔ لیکن بہ سبب رات کے اندھیرے اور سخت واژگون کی تیرگی کے رات بھر قطب صاحب کی لاٹ کے گرد طواف کرتے رہے۔ صبح کو معلوم ہوا کہ تیلی کے بَیل کی طرح وہیں کے وہیں ہیں۔ ایک کوس بھی سفر طے نہیں ہوا۔

صبح کو نظام الدین اولیاءؒ کی بستی میں پہنچے۔ اور وہاں رہ کر چند روز اپنے مقتولوں کو روتے رہے۔ زیادہ دقت یہ پیش آئی، کہ اب بعض کے پاس کچھ کھانے کو بھی نہ رہا تھا۔ کہ ناگہاں

رحمت الٰہی نے دستگیری فرمائی۔ ایک میرے ماموں صاحب محکمہ نہر میں ڈپٹی کلکٹر تھے۔ ان کا کنبہ ہم سے پہلے پانی پت پہنچ چکا تھا۔ انہوں نے اپنے چھوٹے بھائی کو چند چھکڑے دیکر ہمارے لینے کے لئے بھیجا۔ وہ ہم سب کو ان چھکڑوں میں بٹھا کر پانی پت لے گئے۔ وہاں پہنچکر ذرا ہمیں آرام ملا"

(حیاتِ ناصر صـ۳،۴)

اِس دردناک واقعہ سے اس کیفیت اور حالات کا اندازہ بخوبی ہو سکتا ہے۔ جس میں سے حضرت میر صاحب کو گذرنا پڑا پہلے یتیمی، پھر غدر کے مصائب۔

آنکھوں کے سامنے

عزیز و اقارب کا قتل، بھوک، پیاس کی شدت صحرا کی خانہ بدوشی۔ وہ کیا کچھ مصائب نہ تھیں جو چھوٹی اور ننھی عمر میں آپ کو برداشت کرنی پڑیں۔

ان کی والدہ صاحبہ حضرت روشن آراء بیگم کی نیکی، عفت، پاکیزگی اور خدا سے محبت کا اس سے پتہ چلتا ہے۔ کہ انہوں نے آباد گھر میں سے اگر کوئی چیز اُٹھائی، تو وہ خدا تعالےٰ کا کلام پاک تھا۔ اس کے سواء ان کو ہر ایک چیز اس محشرستان میں ہیچ نظر آئی۔ یہ تھی وہ ماں جس کا نور نظر تھا یہ بزرگ جسکی پُشت سے وہ خاتون اعظم پیدا ہونیوالی تھی جس کے ذریعہ سے دُنیا کے نجات دہندے اور تاریکی کو دُور کرنیوالے نور پیدا ہونے والے تھے۔

اِن حالات میں آپ کی زندگی کا آغاز ہوا۔

تعلیم

تعلیم کا آغاز تو والد صاحب کی زندگی میں گھریلو مکتب میں ہی ہوا۔ جب غدر وغیرہ کی طوفانی حالت سے سکون ہوا، اور لوگ دلّی واپس

ناجائز روپیہ پیدا نہ کیا۔ اور ساری عمر تنخواہ پر بسر کی۔ اس کے متعلق اگر کبھی کوئی شخص زبانِ طعن دراز کرتے ہوئے یہ کہے، کہ اس نے سلسلہ کا روپیہ تباہ کیا۔ تو یہ اُسکی اپنی سیاہ باطنی کی ایک کھلی تصویر ہوگا۔ اور سوائے اس کے کہ یہ اسکی اپنی سیاہ بختی کی تصویر ہو اور کیا ہو سکتا ہے۔

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم جو اپنی قوم میں راستباز اور امین مشہور تھے۔ انہوں نے یہی چیز بطور دلیل کے پیش فرمائی۔

وَلَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ

کہ جو شخص ساری عمر تم میں امین اور راستباز مشہور رہا۔ وہ یک بیک خدا پر کیسے افتراء کر سکتا ہے۔

پس

بالکل یہی دلیل حضرت میر صاحب قبلہ کی نیکی اور پارسائی اور دیانت و امانت پر دلیل ہے۔ کہ جس نے باوجود ضرورت کے، باوجود تکلیف کے کبھی ایک پیسہ اپنی زندگی میں ناجائز قبول نہ کیا۔ وہ اپنی زندگی کے آخری حصہ میں سلسلہ کے روپیہ میں کیسے تصرف کر سکتا ہے۔

اصل بات یہ ہے۔ کہ تیرہ قلب لوگوں کو خود بخود اپنی ہی ایسی تصویریں نظر آتی ہیں۔ ورنہ یہ پاک لوگ تو پاک ہی ہوتے ہیں ؁

حضرت اُمّ المومنین کی پیدائش

۱۸۶۵ء میں حضرت میر صاحب کی شادی کے تین سال بعد وہ باقبال لڑکی پیدا ہوئی جس کی پیدائش کی صدیوں سے انتظار تھی۔ اور جسکی پیدائش

کا فیصلہ روزِ ازل سے ہی الٰہی پروگرام کے ماتحت مقدر ہو چکا تھا۔ اللہ تعالےٰ نے دُنیا کی تخلیق میں اس کی اصلاح کے لئے انبیاءؑ اور مرسلین مبعوث فرمائے۔ اُس نے سلسلہ موسویہ اور سلسلہ محمدیہ قائم کیا۔ سلسلہ موسویہ کی اصلاح کیلئے ایک مسیح کو مبعوث فرمایا۔ جو احیاءِ دین موسوی کے لئے مبعوث ہوا۔ پھر سلسلہ محمدیہ قائم کیا۔ اور اس سلسلہ کو سلسلۂ موسویہ کے بالکل متوازی قائم کیا۔ اور اس کے لئے یہ مقدر کیا۔ کہ جب یہ سلسلہ بنی اسرائیل کی طرح بگڑ جائیگا تب ایک مسیح بروزِ محمدؐ بنا کر بھیجا جائے گا۔ جو اتباع محمد صلے اللہ علیہ وسلم میں اس قدر محو ہوگا۔ کہ اس میں اور اس کے متبوع میں کوئی فرق نہ رہے گا۔ حتےٰ کہ وہ خود پکار اُٹھے گا۔ کہ:۔

مَنْ فَرَّقَ بَیْنِیْ وَ بَیْنَ الْمُصْطَفٰی فَمَا عَرَفَنِیْ وَمَارَاٰی

اُس پر محمدیت کی چادر ڈالدی جائے گی۔ اور وہ اسقدر اس میں محو ہوگا۔ کہ وہ زندگی تو زندگی مرنے کے بعد بھی رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی قبر میں ہی مدفون ہوگا۔

اُس کے لئے مقدر تھا۔ کہ وہ ایک شادی کرے گا۔ اور اس شادی سے ایسی اولاد پیدا ہوگی۔ جنکے وجود سے اسلام کو بڑی تقویت ملیگی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:۔

یَتَزَوَّجُ وَیُوْلَدُ لَہٗ

اسی شادی کیطرف خواجہ محمد ناصر صاحب کو پیشگوئی میں کہا گیا تھا۔ کہ اس نور کی روشنی جو تمکو دیا گیا، مسیح موعودؑ کے نور میں گم ہو جائے گی۔ اور اسکی طرف نعمت اللہ ولی رحؒ نے اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا۔ ع

پسرش یادگار مے بینم

زرِ ضمانت داخل کر دیا۔ مگر میر صاحب نے کہا۔ کہ میرے پاس روپیہ نہیں ہے۔ اور فی الحقیقت نہیں تھا۔

جو کام اُن کے سپرد تھا (اوورسیری کا) وہ اس میں ہزاروں روپے پیدا کر سکتے تھے۔ اور لوگ کرتے تھے۔ مگر وہ حلال اور حرام میں خدا کے فضل سے امتیاز کرتے تھے۔ اور اُن کی ملازمت کا عہد رشوت ستانی کے داغ سے بالکل پاک رہا۔ اور اکل حلال ان کا عام شیوہ رہا۔ غرض انہوں نے صاف کہا کہ میرے پاس روپیہ نہیں۔ دوستوں نے، افسروں نے ہر چند کہا۔ کہ آپ روپیہ کسی سے لیکر داخل کر دیں۔ آپ یہی کہتے رہے، کہ مَیں قرض کہاں سے ادا کروں گا۔ میری ذاتی آمدنی سے قرض ادا نہیں ہو سکتا۔ اور رشوت مَیں لیتا نہیں۔ آخر اُن کو نوٹس دیا گیا۔ کہ یا تو روپیہ داخل کرو، ورنہ علیحدہ کئے جاؤ گے۔ انہوں نے عزم کر لیا۔ کہ علیحدگی منظور ہے۔ مگر معاملہ چیف انجنیر تک پہنچا۔ جب اس نے کاغذات کو دیکھا، تو اُسے بہت خوشی ہوئی کہ اس کے محکمہ میں

ایسا امین موجود ہے۔

وہ جانتا تھا، کہ سب اوورسیر اور اوورسیر ہزاروں روپیہ کما لیتے ہیں۔ جو شخص ایک سو روپیہ داخل نہیں کر سکتا اور اُسے علم ہے، کہ اس عدم ادخال کا نتیجہ ملازمت سے علیحدگی ہے۔ قرض بھی نہیں لیتا۔ کہ اس کے ادا کرنے کا ذریعہ اس کے پاس نہیں۔ وہ یقیناً امین ہے۔ اور میر صاحب کو ادخالِ ضمانت سے

منتشر کردیا۔ یہ تھا اثر اُن کی دیانتداری اور راستبازی کا
تمام محکمہ کو اس پر حیرت تھی۔" (حیات ناصر صہ۲۱)

اِس واقعہ سے حضرت میر صاحب کی زندگی کے بہت سے پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے۔ اُن کی راستبازی، دیانت، ادائے فرض کا فکر، عہد کی پابندی، یہ سب اُمور اس واقعہ سے ظاہر ہوتے ہیں۔ اور یہی ہیں جن حالات میں سے حضرت میر صاحب گزرے تھے۔ اُن کا عام تقاضا یہی تھا۔ کہ وہ ایک تکلیف کی حالت میں سے گزرے ہوئے شخص کی طرح دولت جمع کرنے کے درپے ہو جاتے۔

مگر

اُن کا کیریکٹر اسقدر مضبوط تھا۔ کہ انہوں نے اپنے لئے کبھی یہ پسند نہ کیا۔ کہ وہ اکلِ حرام کا تر لقمہ قبول کریں۔ اُن کی زندگی میں جسقدر غذا اُن کے جسم میں داخل ہوئی وہ سب حلال اور طیّب تھی۔ اور اس سے جس قدر خون پیدا ہوا وہ صالح تھا۔ اور اسی حلال طیّب رزق سے انہوں نے اپنے بال بچوں کی پرورش کی۔

ایک ایسا شخص جسکے گرد و پیش ادنےٰ و اعلےٰ سب رشوت ستانی میں مبتلا ہوں اور وہ اِس فعل میں اپنے ساتھیوں کا شریک نہ ہو، اس کے لئے کام کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ اِن حالات میں حضرت میر صاحب کو جن دشوار گزار گھاٹیوں سے گزرنا پڑا ہوگا وہ ظاہر ہی ہے۔

مگر

اُنہوں نے دُنیا کی زندگی کو مالی تنگی میں گزارنے کو اس فراوانی رزق پر ترجیح دی۔ اِس سے اُن کے اس مقامِ تقوےٰ کا پتہ چل سکتا ہے۔ جس پر وہ ابتداء سے ہی گامزن تھے۔ ایسے متقی شخص کے لئے جس نے باوجود آسانی سے ملنے کے

نام نصرت جہان بیگم ہے۔ یہ تفاؤل کے طور پر اس بات کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ خدا نے تمام جہان کی مدد کے لئے میرے خاندان کی بنیاد ڈالی ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کی عادت ہے۔ کہ کبھی ناموں میں بھی اس کی پیشگوئی مخفی رکھتا ہے۔" (تذکرہ ص۳)

قارئین کرام سے میں توقع رکھتا ہوں، کہ وہ اِن پیشگوئیوں کو اپنے ذہن میں رکھیں گے۔ جو حضرت ام المومنین کی ذات کے متعلق وقتاً فوقتاً درج کیجا رہی ہیں۔ اِن پیشگوئیوں پر بحث اور ان سے استدلال تو اپنی جگہ پر ہوگا یہاں صرف اسقدر بتلانا مطلوب تھا۔ کہ آپ کے نام میں حضرت مسیح موعودؑ نے ایک پیشگوئی کو مستور پایا۔

اور وہ پیشگوئی یہ تھی۔ کہ جو خاندان نصرت جہان بیگم کے ذریعے چلے گا، اس خاندان کے ذریعے تمام جہان کی مدد کیجائے گی۔

پس

اس شان اور عظمت کی خاتون حضرت میر ناصر نواب صاحب کے گھر میں ۱۸۶۵ء میں پیدا ہوئی۔ اور اس فضل کے لئے خدا تعالےٰ نے اس انسان کو چُنا، جو آنکھ کھلنے کے ساتھ ہی یتیم ہو گیا تھا۔ اور بچپن ہی میں صدہا قسم کی تکلیفوں کو عبور کر چکا تھا۔

حضرت میر ناصر نواب صاحب کی آزمائش

قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ نے مومنوں کی آزمائش کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ

وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ط

اس آیت شریفہ کے ماتحت والد کی وفات سے خوف۔ غدر کے وجود سے جوع اور نقص من الاموال کی آزمائشوں میں سے آپکو گذرنا پڑا۔ مگر اب ایک اور آخری آزمائش بھی آپ کے سامنے کھڑی تھی۔ اور وہ ثمرات کا نقصان تھا۔

حضرت میر ناصر نواب صاحب کے ہاں سیدہ نصرت جہان بیگم کے بعد پانچ بچے پیدا ہوئے۔ اور سب ہی مشیت الٰہی نے اپنے پاس بُلا لیئے۔ مگر پانچ بچوں کا داغ جدائی کھا کر بھی ثابت قدم ناصر نواب اپنے رب کا عبد شکور رہا۔ اور اس کے اخلاص اور ثبات میں کوئی کمی نہ آئی۔ تب خدا تعالیٰ نے ۱۸۸۱ء میں اپنے فضل اور رحم کے ساتھ ایک زندہ رہنے والا اور نافع الناس بچہ عطا فرمایا جس کا نام محمد اسمٰعیل رکھا گیا۔

جو بعد میں اپنے وقت کا ایک خاص آدمی ثابت ہوا۔ اور ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کر کے ترقی کرتے ہوئے "حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب سول سرجن" کہلایا۔ حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب کا ذکر ہم الگ کسی جگہ تفصیل سے کرینگے۔ اس لئے صرف اسی قدر پر اکتفاء کرتے ہیں۔

حضرت ام المومنین کا نکاح

سنہ ۱۸۸۴ء میں حضرت میر صاحب نے حضرت ام المومنین کا حضرت مسیح موعودؑ سے نکاح کر دیا۔ اس نکاح کی تفصیلات بھی الگ ایک باب میں آئیں گی۔

حضرت میر محمد اسحٰق صاحب کی پیدائش

حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب کی پیدائش کے بعد بھی حضرت میر صاحب

اور اسی کی طرف خود خدا تعالیٰ نے مسیح موعود علیہ السلام کو فرمایا:۔
اُشْکُرْ نِعْمَتِیْ رَأَیْتَ خَدِیْجَتِیْ

ان تمام پیشگوئیوں سے اس عظمت اور شان کا بآسانی پتہ لگ سکتا ہے جو اس خاتونِ اعظم کو اللہ تعالیٰ اور ملائکہ اور راستبازوں کی دنیا میں حاصل ہونیوالی تھی۔ وہ ایک خاص مقصد کے لئے دُنیا میں لائی جا رہی تھی۔ وہ ایک نئی نسل کی بُنیاد رکھنے کے لئے پیدا کی جا رہی تھی۔

وہ ان ذمہ واریوں کو برداشت کرنے کے لئے لائی جا رہی تھی، جو ذمہ داریاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام بروزِ محمدؐ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کے ذریعہ آپ کے وجود پر اصلاحِ خلق کیلئے عائد ہونیوالی تھیں۔

جس طرح مسیح موعود کیطرف روحانی دُنیا کی آنکھیں لگی ہوئی تھیں۔ بالکل اسی طرح اِس پاک خاتون کی طرف بھی لگی ہوئی تھیں۔ جس نے ایک طرف اُن ذمہ واریوں کا بوجھ اُٹھانا تھا، اور دوسری طرف اس پاک نسل کو عالمِ وجود میں لانا تھا۔

قدرتِ الٰہی نے اس امر کا فیصلہ کر رکھا تھا۔ کہ ایسی خاتون خود محمدؐ الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی نسل ہی سے ہو، وہ فاطمہؓ کی بیٹی ہو، اور ان تمام ائمہ اور اولیاء کیساتھ اس کو خون کا رشتہ ہو۔ تاکہ نیک اور پاک خون کا ایک مسلسل تعلق چلتا ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جائے۔ اور اس سے اعلیٰ اور بہتر اور کوئی رشتہ خدا کے مسیحؑ کے لئے نہیں ہو سکتا تھا جس طرح حضرت علیؓ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے تعلق کیوجہ سے اہل بیت میں داخل ہو گئے۔ اسی طرح

سَلْمَانُ مِنَّا اَهْلَ الْبَیْتِ

فارسی النسل مسیح موعود اس خاتون کے تعلق کے ساتھ جسمانی طور پر بھی اہلبیت میں داخل ہو گئے۔ اتنی بڑی شان کی خاتون ۱۸۶۵ء میں حضرت میر ناصر نواب صاحب کے گھر میں پیدا ہوئی۔

آپ کی پیدائش کی پہلی برکت

حضرت میر ناصر نواب صاحب کے والد صاحب خواجہ سید ناصر امیر صاحب ناصری گنج کی جائیداد میں سے اپنا حصّہ لینے کے لئے گئے۔ مگر ان کو وہاں نہ صرف یہ کہ کامیابی نہ ہوئی، بلکہ وہ وہیں فوت ہو گئے۔ مگر اس پیدائش کے بعد پہلی برکت یہ نازل ہوئی۔ کہ حضرت میر صاحب کو پانچ ہزار کی جائیداد بغیر کسی قسم کی سعی کے مل گئی۔ جس کی آمدنی پندرہ روپے ماہوار تھی۔ (حیات ناصر صٰ)

اس کے بعد حضرت میر صاحب کی بیکاری کا زمانہ ختم ہوا۔ اور ملازمت کا دور شروع ہو گیا۔ اس طرح سے آپکا وجود خاندان کے لئے خیر و برکت کا باعث ہوا۔

آپ کا نام

حضرت ام المومنین کا نام حضرت میر صاحب نے نصرت جہان بیگم رکھا۔

یہ نام اپنے اندر خود بھی بہت سی برکات رکھتا تھا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتاب تریاق القلوب صٰ ۶۴، ۶۵ میں تحریر فرمایا ہے:۔

"یہ عجیب اتفاق ہے۔ کہ جس طرح سادات کی دادی کا نام شہر بانو تھا۔ اسی طرح میری یہ بیوی جو آئندہ خاندان کی ماں ہوگی۔ اس کا

کے پانچ بچے اور پیدا ہوئے۔ جو سب کے سب اللہ تعالیٰ کی منشاء کے ماتحت وفات پا گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ حضرت میر صاحب نے ان سب کی وفات پر رضاء بالقضاء کا ثبوت دیا۔ تب سنہ ۱۸۹۰ء میں اللہ تعالیٰ نے بمقام لدھیانہ ایک اور بچہ عطا فرمایا۔ اس کا نام حضرت میر صاحب نے محمد اسحٰق رکھا۔

وجہ تسمیہ حضرت میر صاحب کو مولوی نذیر حسین صاحب دہلوی سے بڑی محبت تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی۔ کہ مولوی نذیر حسین صاحب حضرت میر صاحب کے اُستاد بھی تھے۔ اور دہلی کے اہلحدیث کے سرگروہ بھی تھے۔ ایک دفعہ مولوی نذیر حسین صاحب لدھیانہ میں حضرت میر صاحب سے ملنے آئے۔ جہاں وہ بسلسلۂ ملازمت مقیم تھے۔

حضرت میر صاحب میر محمد اسمٰعیل صاحب کو جو ابھی بچے ہی تھے، ملانے کے لیئے لے گئے۔ مولوی سید نذیر حسین صاحب نے ازراہِ شفقت سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا ؎

برائے کردن تنبیہ فُساق ٭ دوبارہ آمد اسمٰعیل و اسحاق

اس بناء پر جب میر محمد اسحاق صاحب پیدا ہوئے۔ تو حضرت میر صاحب نے ان کا نام محمد اسحاق رکھا۔ اور خدا کی قدرت کہ وہ شعر جو اس وقت اتفاقی طور پر ان کے مُنہ سے نکلا وہ ایک حقیقت بنکر عالم وجود میں آ گیا۔

سلسلۂ ملازمت میں تبدیلیاں حضرت میر صاحب سلسلۂ ملازمت میں بہت جگہ رہے۔ ضلع گورداسپور میں ستھیالی۔ کاہنووان۔ تتلہ وغیرہ میں رہے۔ پھر آپ کی تبدیلی ضلع لاہور میں ہو گئی۔ اور وہاں سے انبالہ چھاؤنی میں ہو گئی۔ وہاں سے لدھیانہ

لدھیانہ سے پٹیالہ اور پٹیالہ سے پھر لدھیانہ اور وہاں سے پھر پٹیالہ میں تبدیلی ہوگئی۔ پٹیالہ سے پھر فیروز پور تبدیلی ہوئی۔ یہ ۱۸۹۳ء کا زمانہ تھا۔ فیروز پور سے آپ کی تبدیلی آتھم کے رشتہ داروں نے ہوتی مردان میں کرادی۔ حضرت میر صاحب کو مردان پسند نہ آیا طبیعت اُچاٹ رہتی تھی۔ اس لئے فرلولیلی۔ اور قادیان آگئے۔ اور اسی فرلو کے بعد آپ کی پنشن ہوگئی۔ اور آپ ہمیشہ کیلئے قادیان کے ہوگئے۔

یہ مختصر حالات اُن کی ملازمت کے ایام کے ہیں تفصیل کے لئے حضرت عرفانی کبیر کی کتاب "حیاتِ ناصر" ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت مسیح موعودؑ سے تعلقات کا آغاز

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اُس زمانے میں بالکل لوگوں کی آنکھوں سے اوجھل تھے۔ مگر میرزا غلام قادر صاحب جو ابتدا میں محکمہ نہر میں ملازم تھے اور بعد میں بعض دیگر ملازمتوں میں بھی رہے بحیثیت ایک اہلکار ہونے کے ضلع کے تمام اہلکاروں میں میل جول اور تعلق رکھتے تھے۔ میر ناصر حسین صاحب سے جو حضرت میر صاحب کے ماموں تھے مراسم دوستی رکھتے تھے۔ اُن کی وجہ ہی سے حضرت میر صاحب کی بھی ان سے واقفیت ہوچکی تھی۔ میر صاحب موضع تتلہ میں نہر کی کھدوائی کروا رہے تھے۔ اُن دنوں حضرت نانی اماں یعنی حضرت امّ المومنین کی والدہ کچھ بیمار ہوگئیں۔ تو میرزا غلام قادر صاحب نے جو اکثر گورداسپور سے آتے ہوئے اُدھر سے گذرا کرتے تھے۔ میر صاحب کو مشورہ دیا۔ کہ وہ اپنے اہل خانہ کو بغرض طبی مشورہ قادیان حضرت میرزا غلام مرتضٰے صاحب کے پاس

لے جائیں۔ چنانچہ بغرض طبی مشورہ آپ قادیان آ گئے۔

یہ قادیان کی پہلی آمد اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خاندان سے تعارف کے سلسلہ میں ایک مزید قدم تھا۔ مگر دراصل یہ بیماری تو ایک بہانہ تھی۔ ورنہ مشیت ایزدی اس کے پیچھے کھڑی ہنس رہی تھی۔ ؎

خدا کی دین کا موسےٰ سے پوچھیے احوال
کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری مل جائے

اِس واقعہ کو حضرت نانی اماں صاحبہ مرحومہ نے حضرت میاں بشیر احمد صاحب سے یوں بیان کیا جسے انہوں نے اپنی قیمتی تصنیف سیرۃ المہدی حصہ دوم کے صفہ ۱۰۹ پر درج فرمایا ہے :-

"خاکسار کی نانی اماں نے مجھ سے بیان کیا۔ کہ جب تمہارے نانا جان کی اس نہر کے بنوانے پر ڈیوٹی لگی۔ جو قادیان سے غرب کیطرف دو ڈھائی میل کے فاصلہ پر سے گزرتی ہے یعنی موضع تتلہ کی نہر، تو اُس وقت تمہارے تایا میرزا غلام قادر صاحب کیساتھ اُن کا کچھ تعارف ہو گیا۔ اور اتفاق سے ان دنوں میں کچھ بیمار ہوئی۔ تو تمہارے تایا نے میر صاحب سے کہا۔ کہ میرے والد صاحب بہت ماہر طبیب ہیں، آپ اُن سے علاج کرائیں۔ چنانچہ تمہارے نانا مجھے ڈولے میں بٹھا کر قادیان لائے۔

جب میں یہاں آئی تو نیچے کی منزل میں تمہارے تایا مجلس لگائے بیٹھے تھے۔ اور ایک نیچے کی کوٹھڑی میں تمہارے ابا (حضرت مسیح موعود علیہ السلام) ایک کھڑکی کے پاس بیٹھے

ہوئے قرآن شریف پڑھ رہے تھے۔ اور اُوپر کی منزل میں تمہارے دادا صاحب تھے۔ تمہارے دادا نے میری نبض دیکھی اور ایک نسخہ لکھ دیا۔ اور پھر میر صاحب کے ساتھ اپنے دلی جانے اور وہاں حکیم محمد شریف صاحب سے علم طب سیکھنے کا ذکر کرتے رہے۔ (یہ واقعہ ۱۸۶۷ء کا ہے)

ایک سال بعد

اس کے بعد جب میں دوسری دفعہ قادیان آئی تو تمہارے دادا فوت ہو چکے تھے۔ اور اُن کی برسی کا دن تھا جو قدیم رسوم کے مطابق منائی جا رہی تھی۔ چنانچہ ہمارے گھر بھی بہت سا کھانا وغیرہ آیا تھا۔ اس دفعہ تمہارے تایا نے میر صاحب سے کہا۔ کہ آپ تتلہ میں رہتے ہیں وہاں آپکو تکلیف ہوتی ہوگی۔ اور وہ گاؤں بھی بدمعاش لوگوں کا گاؤں ہے۔ بہتر ہے آپ یہاں ہمارے مکان میں آجائیں۔

میں گورداسپور رہتا ہوں۔ غلام احمدؑ (یعنی حضرت مسیح موعود علیہ السلام) بھی گھر میں کم آتا ہے۔ اسلئے آپ کو پردہ وغیرہ کی تکلیف نہ ہوگی۔ چنانچہ میر صاحب نے مان لیا۔ اور ہم یہاں آکر رہنے لگے۔ (سیرۃ المہدیؑ صفحہ ۱۱۰ حصہ دوم)

(اِن دنوں حضرت ام المومنین کی عمر تیرہ سال کی تھی)

اس واقعہ سے جہاں اس امر کا پتہ چلتا ہے۔ کہ حضرت میر صاحب کو اللہ تعالےٰ نے کس طرح قادیان تک پہنچایا۔ وہاں حضرت میر صاحب کی سادگی اور شرافتِ نفس کا پتہ بھی چلتا ہے۔ کیونکہ موضع تتلہ آج پون صدی گزر

جانے کے بعد بھی اس قابل نہیں۔ کہ کوئی پڑھا لکھا آدمی وہاں رہ سکے۔ تمدن کی ہر منزل سے دور وہاں کے لوگ آج بھی بالکل گنوار اور اجڈ ہیں۔ اُن کے مکان بالکل دیہاتی وضع قطع کے ہیں۔ چہ جائیکہ ایک دہلی کا معزز انسان جو نہ صرف اپنے حسب و نسب کی وجہ سے ہی بڑا آدمی تھا۔ بلکہ اس شان و شوکت کے لحاظ سے جس کا نقشہ ہم پچھلے اوراق میں دکھا چکے ہیں، ایک بڑے خاندان کا ایک فرد تھا۔ ان کے گھر کے لوگ اس قسم کی دیہاتی زندگی کے قطعاً عادی نہ تھے۔ مگر حضرت میر صاحب نے ان گنواروں میں ہی ایک مُدت گزار دی۔

جناب میرزا غلام قادر صاحب جو ان ایام میں ضلع کے افسروں میں سے ہونے کے علاوہ اپنے علاقہ کے رئیس تھے ان کا اس گاؤں کے لوگوں کو بدمعاش کہنا اپنے اندر ایک حقیقت رکھتا تھا۔ مگر یہ ان لوگوں کا کمال نہ تھا۔ کہ انہوں نے حضرت میر صاحب کو کوئی گزند نہیں پہنچایا۔ بلکہ حضرت میر صاحب کا کمال اور ان کی شرافتِ ذاتی کا نتیجہ تھا۔ کہ اس قسم کے لوگ بھی ان کے سامنے مسخر ہو کر رہتے۔

الغرض حضرت میر صاحب کو اللہ تعالٰے ملازمت کے سلسلہ میں قادیان سے دو میل کے فاصلہ پہلے آیا۔ اور پھر نانی اماں کی بیماری کے سلسلہ میں انکو قادیان لے آیا۔ اور پھر حالات نے ذرا اور صورت بدل دی اور حضرت میر صاحب قادیان میں ہی آ رہے۔ اور نہ صرف قادیان میں ہی آ رہے۔ بلکہ خود حضرت مسیح موعودؑ کے گھر میں۔ اور یہ اس لئے ہوا۔ کہ حضرت میر صاحب اور ان کی حرم محترم قریب سے ہو کر اس برگزیدہ انسان کو دیکھ سکیں۔ جو کل کو حضرت میر صاحب سے نسبتِ دامادی حاصل کرنیوالا تھا۔ چنانچہ نانی اماں فرماتی ہیں:-

"ان دنوں جب بھی تمہارے تایا گورداسپور سے قادیان آتے تھے تو ہمارے لئے پان لایا کرتے تھے۔ اور میں اُن کے واسطے کوئی اچھا سا کھانا وغیرہ تیار کر کے بھیجا کرتی تھی۔ ایک دفعہ جو میں نے شامی کباب ان کے لئے تیار کئے۔ اور بھیجنے لگی تو مجھے معلوم ہوا۔ کہ وہ گورداسپور واپس چلے گئے ہیں جس پر مجھے خیال آیا۔ کہ کباب تو تیار ہی ہیں، میں ان کے چھوٹے بھائی کو بھجوا دیتی ہوں۔ چنانچہ میں نے نائین کے ہاتھ تمہارے ابا کو کباب بھجوا دیئے۔ اور نائین نے مجھے آکر کہا۔ کہ وہ بہت ہی شکر گذار ہوئے۔ اور انہوں نے بڑی خوشی سے کباب کھائے اور اس دن انہوں نے گھر سے آیا ہوا کھانا نہ کھایا۔

اس کے بعد میں ہر دوسرے تیسرے دن کو کچھ کھانا بنا کر بھیجا کرتی اور وہ بڑی خوشی سے کھاتے تھے لیکن جب اس بات کی اطلاع تمہاری تائی کو ہوئی تو انہوں نے بہت بُرا منایا کہ میں کیوں انکو کھانا بھیجتی ہوں۔ کیونکہ وہ اس زمانہ میں تمہارے ابا کی سخت مخالف تھیں۔ اور چونکہ گھر کا سارا انتظام ان کے ہاتھ میں تھا، وہ ہر بات میں انکو تکلیف پہنچاتی تھیں مگر تمہارے ابا صبر کیساتھ ہر بات کو برداشت کرتے تھے۔

ان دنوں میں گو میر صاحب کا زیادہ تعلق تمہارے تایا سے تھا۔ مگر وہ کبھی کبھی گھر میں آکر کہا کرتے تھے۔ کہ میرزا غلام قادر کا چھوٹا بھائی بہت نیک اور متقی آدمی ہے۔ اسکے بعد ہم رخصت پر دہلی گئے۔" (سیرۃ المہدی حصہ دوم صلا)

روایت کے اس ٹکڑے سے بھی بہت سے امور کا استدلال ہوتا ہے قبل اس کے کہ ہم اس استدلال کو لکھیں، یہاں اسقدر توضیح کی ضرورت معلوم ہوتی ہے۔ کہ حضرت نانی اماں نے اپنی روایت میں جو یہ لکھا ہے۔ کہ ہم قادیان سے رخصت پر دہلی گئے۔ یہ ان کو بھول ہوا ہے۔ کیونکہ حضرت ناناجان نے اپنی خودنوشت سوانح میں لکھا ہے۔ کہ:۔

"چندماہ کے بعد اس عاجز کی بدلی قادیان سے لاہور کے ضلع میں ہوگئی۔ اُس وقت چندروز کے لئے بندہ اپنے اہل وعیال کو حضرت میرزا صاحبؑ کے مشورے سے ان کے دولت خانہ پر چھوڑ گیا تھا۔ اور جب مکان کا بندوبست ہوگیا تو آکر لے گیا۔

مَیں نے اپنے گھر والوں سے سُنا۔ کہ جب تک میرے گھر کے لوگ میرزا صاحبؑ کے گھر میں رہے۔ میرزا صاحبؑ کبھی گھر میں داخل نہیں ہوئے۔ بلکہ باہر کے مکان میں رہے۔ اسقدر ان کو میری عزت کا خیال تھا۔ وہ بھی عجب وقت تھا۔ حضرت صاحبؑ گوشہ نشین تھے عبادت اور تصنیف میں مشغول تھے۔"

(حیاتِ ناصر صفحہ ۷)

اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت میر صاحب کی تبدیلی قادیان سے ضلع لاہور میں ہوئی تھی۔ اور حضرت میر صاحب قادیان سے لاہور ہی کو تشریف لے گئے تھے نہ کہ دہلی کو۔

الغرض

اس طرح حضرت میر صاحب ایک نہایت عجیب طریق سے الٰہی منشاء کے

ماتحت حضرت صاحبؑ کے گھر میں آئے۔ یہاں اُن پر اور اُن کی حرم محترم پر جو اثر پڑا اُس کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام

۱۔ ایک بہت نیک اور بزرگ انسان تھے۔

۲۔ گھر کے لوگ اُن سے شدید نفار رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ یہ بھی پسند نہ کرتے تھے۔ کہ کوئی دوسرا ہی اُن سے کسی قسم کا نیک سلوک کرے۔

۳۔ وہ ان تکالیف کے مقابل میں کسی قسم کی بدسلوکی نہ کرتے تھے۔ بلکہ صبر سے سب کچھ برداشت کرتے تھے۔

۴۔ میر صاحب قبلہ اگرچہ حضرت مسیح موعودؑ سے کوئی بڑا تعلق نہ رکھتے تھے۔ مگر اس کے باوجود اُن پر یہی اثر تھا۔ کہ آپؑ بہت نیک اور متقی ہیں۔

۵۔ جب میر صاحب قبلہ باہر چلے گئے۔ تو آپؑ کی نیکی نے یہاں تک تقاضا کیا۔ کہ گھر میں قدم تک نہ رکھا۔ تاکہ مستورات کو اجنبی مرد کی وجہ سے کوئی تکلیف نہ ہو۔

۶۔ اُس زمانہ میں حضرت صاحبؑ کا وقت عبادت اور تصنیف میں گذرتا تھا۔

یہ تأثرات جو قدرتی طور پر اس واقعہ سے نکلتے ہیں وہ اس رشتہ کے لئے اندر ہی اندر مؤید ہو گئے تھے۔ جن کی تشریح و توضیح حضرت ام المومنین کی شادی کے تذکرے میں آسکے گی۔ یہ واقعات ۱۸۷۶ء کے ہیں۔

حضرت ام المومنین کا نکاح

یہاں تفصیلی حالات لکھنے مقصود نہیں ہیں۔ مگر اسقدر بطور تاریخی واقعہ

کے لکھتا ہوں۔ کہ

حضرت میر صاحب کا یہاں سے جانیکے بعد کوئی خاص تعلق حضرت مسیح موعودؑ سے نہ رہا۔ مگر جب براہین احمدیہ طبع ہوئی، تو حضرت میر صاحب نے براہین احمدیہ کا ایک نسخہ منگوایا۔ اس کا اثر یہ ہوا۔ کہ حضرت میر صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بعض امور کے لئے دعا منگوانے کے لیے خط لکھا جن میں سے ایک امر یہ تھا۔

"دُعا کریں۔ کہ خدا تعالےٰ مجھے نیک اور صالح داماد عطا کرے۔"

خدا تعالےٰ کا یہ عجیب کام تھا۔ کہ اس نے حضرت میر صاحب کے دل میں یہ تحریک ڈالی۔ کہ وہ حضرت اقدسؑ کو دعا کے لئے تحریک کریں۔ اور اُدھر حضرت اقدسؑ کو نئی شادی کے لئے خدا تعالےٰ کیطرف سے تحریکیں ہو رہی تھیں۔ اور خدا تعالےٰ اپنے عرش سے فرما رہا تھا

۱۔ الحمد للہ الذی جعل لکم الصّھر و النسب (تذکرہ صفحہ ۳۶)

۲۔ میں نے ارادہ کیا ہے۔ کہ تمہاری ایک اور شادی کروں۔ یہ سب سامان مَیں خود ہی کرونگا۔ اور تمہیں کسی بات کی تکلیف نہ ہوگی۔

۳۔ ہرچہ باید نوعروسے را ہماں ساماں کنم
وآنچہ مطلوبِ شما باشد عطائے آں کنم
(تذکرہ صفحہ ۳۶)

اِس پر حضرت اقدسؑ نے اپنی طرف سے تحریک کردی۔ اور یہ تحریک بہت کچھ تردّد کے بعد منظور ہو گئی۔

اس وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا کوئی دعوےٰ نہ تھا البتہ آپ تائید اسلام کے کام میں پُورے زور سے منہمک تھے۔ براہین احمدیہ لکھی جارہی تھی۔

"حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کا دعوےٰ"

۱۸۸۹ء میں آپ نے لدھیانہ میں بیعت اولیٰ لی۔ اس وقت اگرچہ حضرت میر صاحب کو حضرت مسیح موعود علیہ السّلام سے قلبی عقیدت تھی۔ اور وہ آپ کو بڑا راستباز سمجھتے تھے۔ مگر انہوں نے آپ کے دعویٰ کو قبول نہیں کیا۔

حضرت میر صاحب کا حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے دعوے کو قبول نہ کرنا اُن کی نیکی اور صفائی قلب کی ایک دلیل تھا۔ کیونکہ حضرت میر صاحب اپنے پرانے عقائد کیوجہ سے یہ سمجھے ہوئے تھے۔ کہ مسیح غالباً آسمان سے اُترے گا۔

قدیم اعتقادات جو لوگوں کے قلوب میں ایک فولادی میخ کیطرح جمے ہوئے تھے۔ اور لوگوں کا ان قدیم اعتقادات کے خلاف فوراً نئی تبدیلی پیدا کر لینا بہت مشکل تھا۔ بالکل اسی خیال کے مطابق حضرت میر صاحب اپنے خیالات پر جمے رہے۔ یہی نہیں بلکہ انہوں نے نہایت سختی سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خیالات کی مخالفت کی۔ اور اس پر مضمون بھی لکھے اور نظمیں بھی لکھیں جس سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ انہوں نے جس چیز کو سچائی سمجھا، اس کے لئے کسی چیز کی پرواہ نہ کی حتّٰی کہ اس امر کی بھی پرواہ نہ کی۔ کہ حضرت صاحبؑ سے میرے کیا تعلقات ہیں۔ اگر کوئی دُنیادار آدمی ہوتا تو وہ اپنے گرد وپیش کے حالات کو دیکھکر اگر حضرت صاحبؑ کے دعوے کو قبول نہ کرتا، تو اس کی مخالفت پر کمر بستہ بھی نہ ہوتا۔

ممکن ہے کسی شخص کو حضرت میر صاحب کی یہ مخالفت ایک بُرا فعل نظر آئے۔ مگر اس واقعہ نے میرے دل میں تو اُن کی بڑی عزت پیدا کر دی اور میں اس امر

کو انکی صفائی قلب کی ایک بڑی دلیل سمجھتا ہوں۔ اور یہ سمجھتا ہوں۔ کہ میر صاحب کا طرۂ امتیاز

الحبُّ لِلّٰہِ والبُغضُ لِلّٰہِ

تھا۔

انہوں نے جس چیز کو سچائی جانا اُسے بہادری سے قبول کیا۔ اور جس چیز کو غلط سمجھا اُسے پوری طاقت سے مٹانیکی کوشش کی۔ اور یہی اُن کی زندگی بھر کا کیریکٹر تھا سلسلہ کے اندر آکر جس کسی شخص کے فعل کو انہوں نے سلسلہ کے مفاد کے خلاف جانا یا منافقت پر مبنی سمجھا اس کی پوری شدت سے مخالفت کی اور کبھی اس امر کی پرواہ نہیں کی۔ کہ یہ فعل کس شخص سے سرزد ہوا ہے۔

انہوں نے غلطی کو غلطی جانا خواہ وہ بڑے سے بڑے آدمی سے سرزد ہو۔ اُن کا یہ وصف۔ جو اُن کی زندگی کا عین کمال تھا۔ لوگوں کی نگاہ میں خار کیطرح کھٹکا کرتا تھا۔ اس لئے اُن کا نظریہ حضرت میر صاحب کی نسبت ایسا غلط ٹھہر گیا۔ کہ انہوں نے انکی نسبت طرح طرح کی غلط فہمیوں میں لوگوں کو مبتلا کرنا چاہا۔

مگر

ایک مؤرخ جو واقعات کی چھان بین کرنیکا عادی ہوتا ہے۔ وہ سرسری نگاہ سے دیکھکر لوگوں کے نظریئے قبول نہیں کرسکتا۔ حضرت میر صاحب نے خود بھی اس حقیقت سے پردہ اُٹھایا ہے۔ آپ لکھتے ہیں۔ کہ:۔

"۱۸۸۹ء میں سلسلہ بیعت (یہ بیعت بیعتِ اولی تھی۔ جو حضرت منشی احمد جان صاحب کے مکان پر ہوئی) لدھیانہ میں شروع ہوا۔ اُس وقت میں احمدی نہیں ہوا تھا۔ اور نہ میں حضرت صاحب کو مسیح موعود مانتا تھا۔ لہٰذا میں نے بیعت نہیں کی تھی۔

میں منافق نہیں تھا۔
کہ بظاہر بیعت کر لیتا۔ اور دل میں میرزا صاحبؒ کو سچا نہ سمجھتا۔
اللہ تعالےٰ نے مجھے راستباز اور صاف گو بنایا ہے۔ یہ بھی
مُجھ پر اللہ تعالےٰ کے افضال میں سے ایک بڑا فضل ہے۔"
(حیاتِ ناصر صفحہ ۹)

الغرض

حضرت میر صاحب نے اُس وقت بیعت نہیں کی۔

حضرت میر صاحبؓ کی بیعت

۱۸۹۲ء میں سلسلہ عالیہ احمدیہ کے پہلے سالانہ جلسہ کی بُنیاد قادیان میں رکھی گئی۔ اس جلسہ پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت میر صاحب کو مکرر، سہ کرر لکھکر سالانہ جلسہ پر آنے کی دعوت دی۔*

حضرت میر صاحب نے اس سارے واقعہ کو خود لکھا ہے۔ چونکہ یہ تحریر بہت ہی بصیرت افروز ہے۔ اور ممکن ہے کہ بہتوں کی راہنمائی کا باعث ہو اسلئے میں باوجود اسکے طویل ہونیکے شایع کرنا ضروری خیال کرتا ہوں:۔

"مرزا صاحب نے مجھے بھی باوجودیکہ انکو اچھی طرح معلوم تھا۔ کہ میں انکا مخالف ہوں۔ نہ صرف مخالف بلکہ بدگو بھی۔ اور یہ مکرر سہ کرر مجھ سے وقوع میں آچکا ہے۔ جلسہ پر بُلایا۔ اور چند خطوط جنمیں ایک رجسٹری بھی تھا بھیجے۔ اگرچہ پیشتر بسبب جہالت اور مخالفت کے میرا ارادہ جانیکا نہ تھا لیکن مرزا صاحب کے بار بار لکھنے سے میرے دل میں ایک تحریک پیدا ہوئی۔ اگر مرزا صاحبؒ اسقدر شفقت سے نہ لکھتے تو میں ہرگز نہ جاتا اور محروم رہتا۔ مگر یہ انہیں کا حوصلہ تھا۔ آجکل کے مولوی تو اپنے سگے باپ سے

---

* حاشیہ۔ دراصل پہلا سالانہ جلسہ ۱۸۹۱ء میں ہوا تھا (عرفانی کبیر)

بھی اِس شفقت اور عزّت سے پیش نہیں آتے۔ میں ۲۷ر تاریخ کو دوپہر سے پہلے قادیان میں پہنچا۔ اُس وقت مولوی حکیم نورالدین صاحبؓ مرزا صاحبؑ کی تائید میں بیان کر رہے تھے اور قریب ختم کے تھے۔ افسوس کہ میں نے پورا نہ سُنا۔ لوگوں سے سُنا۔ کہ بہت عمدہ بیان تھا۔ پھر حامد شاہ صاحبؓ نے اپنے اشعار مرزا صاحبؑ کی صداقت اور تعریف میں پڑھے لیکن چونکہ مجھے ہنوز رغبت نہیں تھی اور میرا دل غبار آلودہ تھا۔ کچھ شوق اور محبّت سے نہیں سُنا لیکن اشعار عمدہ تھے۔ اللہ تعالےٰ مصنّف کو جزائے خیر عنایت فرماوے۔

جب میں مرزا صاحبؑ سے ملا۔ اور وہ اخلاق سے پیش آئے تو میرا دل نرم ہوا۔ گویا مرزا صاحبؑ کی نظر سُرمہ کی سلائی تھی، جس سے غبارِ کدورت میرے دل کی آنکھوں سے دُور ہو گیا۔ اور غیظ و غضب کے نزلہ کا پانی خشک ہونے لگا۔ اور کچھ کچھ دُھندلا سا مجھے حق نظر آنا شروع ہوا۔ اور رفتہ رفتہ باطنی بینائی درست ہوئی مرزا صاحبؑ کے سوا اور کئی بھائی اس جلسہ میں ایسے تھے۔ کہ جنکو میں حقارت اور عداوت سے دیکھتا تھا۔ اب انکو محبّت اور اُلفت سے دیکھنے لگا۔ اور یہ حال ہوا کہ کل اہل جلسہ میں جو مرزا صاحب کے زیادہ محب تھے، وہ مجھے بھی زیادہ عزیز معلوم ہونے لگے۔ بعد عصر مرزا صاحبؑ نے کچھ بیان فرمایا جسکے سُننے سے میرے تمام شُبہات رفع ہو گئے۔ اور آنکھیں کُھل گئیں۔ دُوسرے روز صبح کے وقت ایک امرتسری وکیل صاحب (یہ بابو محکم الدین صاحب وکیل سے مراد ہے۔ عرفانی) نے اپنا عجیب قصہ سُنایا جس سے مرزا صاحبؑ کی اعلیٰ درجہ کی کرامت ثابت ہوئی جسکا خلاصہ یہ ہے۔ کہ وکیل صاحب پہلے سُنّت جماعت مسلمان تھے جب جوان ہوئے رسمی علم پڑھا، تو دل میں بسبب مذہبی علم سے ناواقفیت اور علمائے وقت و پیرانِ زمانہ کے باعمل نہ ہونیکے شُبہات پیدا ہوئے۔ اور تسلّی بخش جواب کہیں

سے نہ ملنے کے باعث سے چند بار مذہب تبدیل کیا۔ سُنی سے شیعہ بنے۔ وہاں بجز تبرا بازی اور تعزیہ سازی کچھ نظر نہ آیا۔ آریہ ہوئے چند روز وہاں کا بھی مزہ چکھا۔ مگر لطف نہ آیا۔ برہمو سماج میں شامل ہوئے۔ انکا طریق اختیار کیا۔ لیکن وہاں بھی مزا نہ پایا۔ نیچری بنے لیکن اندرونی صفائی یا خدا کی محبت، کچھ نورانیت کہیں بھی نظر نہ آئی۔ آخر مرزا صاحب سے ملے۔ اور بہت بیبا کانہ پیش آئے۔ مگر مرزا صاحب نے لُطف سے، مہربانی سے کلام کیا۔ اور ایسا اچھا نمونہ دکھایا۔ کہ آخر کار اسلام پر پُورے پُورے جم گئے۔ اور نمازی بھی ہو گئے۔ اللہ و رسول کے تابعدار بن گئے۔ اب مرزا صاحب کے بڑے معتقد ہیں۔

رات کو مرزا صاحب نے نواب صاحب (نواب صاحب مالیر کوٹلہ جو اس وقت مع چند اپنے ہمراہیوں کے شریک جلسہ تھے۔ ۱۲) کے مقام پر بہت عمدہ تقریر کی۔ اور چند اپنے خواب اور الہام بیان فرمائے۔ چند لوگوں نے صداقتِ الہام کی گواہیاں دیں۔ جن کے روبرو وہ الہام پُورے ہوئے۔ ایک صاحب نے صبح کو بعد نماز صبح عبداللہ صاحب غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک خواب سُنایا جبکہ عبداللہ صاحب خیردی گاؤں میں تشریف رکھتے تھے۔ عبداللہ صاحب نے فرمایا۔ ہم نے محمد حسین بٹالوی کو ایک لمبا کُرتہ پہنے دیکھا۔ اور وہ کُرتہ پارہ پارہ ہو گیا۔ یہ بھی عبداللہ صاحب نے فرمایا تھا۔ کہ کُرتے سے مُراد علم ہے۔ آگے پارہ پارہ ہونیسے عقلمند خود سمجھ سکتا ہے۔ کہ گویا علم کی پردہ دری مُراد ہے۔ جو آج کل ہو رہی ہے، اور معلوم نہیں کہاں تک ہو گی۔ جو اللہ تعالیٰ کے ولی کو ستاتا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ سے لڑتا ہے۔ آخر پچھڑے گا۔

اب مجھے بخوبی ثابت ہوا۔ کہ وہ لوگ بڑے بے انصاف ہیں۔ جو بغیر ملاقات اور گفتگو کے مرزا صاحب کو دُور سے بیٹھے دجال، کذاب بنا رہے ہیں اور انکے

کلام کے غلط معنی گھڑ رہے ہیں۔ یا کسی دوسرے کی تعلیم کو بغیر تفتیش مان لیتے ہیں۔ اور مرزا صاحبؑ سے اس کی بابت تحقیق نہیں کرتے۔ مرزا صاحبؑ جو آسمانی شہد اُگل رہے ہیں اُسکو وہ شیطانی زہر بتاتے ہیں۔ اور بسبب سخت قلبی اور حجاب عداوت کے دُور ہی سے گلاب کو پیشاب کہتے ہیں۔ اور عوام اپنے خواص کے تابع ہو کر اس کے کھانے پینے سے باز رہتے ہیں۔ اور اپنا سراسر نقصان کرتے ہیں۔ سب سے بڑھکر اس عاجز کے قدیمی دوست یا پُرانے مقتدا ء مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی لوگوں کو مرزا صاحبؑ سے ہٹانے اور نفرت دلانے میں مصروف ہیں۔ جنکو پہلے پہل مرزا صاحبؑ سے بندہ نے بدظن کیا تھا۔ جس کے عوض میں اس دفعہ انہوں نے مجھے بہکایا۔ اور صراطِ مستقیم سے جُدا کر دیا۔ چلو برابر ہو گئے۔ مگر مولوی صاحب ابھی دبے ہیں۔

اب جو جلسہ پر مرزا صاحبؑ نے مجھے طلب کیا۔ تو مولوی صاحب کو بھی ایک مُخبر نے خبر کر دی۔ انہوں نے اپنے وکیل کی معرفت مجھے ایک خط لکھا۔ جس میں ناصح مشفق نے مرزا صاحبؑ کو اسقدر بُرا بھلا لکھا۔ اور ناشائستہ الفاظ قلم سے نکالے۔ کہ جنکا اعادہ کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔ مولوی صاحب نے یہ بھی لحاظ نہ کیا۔ کہ علاوہ بزرگ ہونیکے مرزا صاحبؑ میرے کسقدر قریبی رشتہ دار ہیں۔ پھر دعویٰ محبت ہے۔ افسوس!

اِس جلسہ پر تین سو سے زیادہ شریف اور نیک لوگ جمع تھے جنکے چہروں سے مسلمانی نور ٹپک رہا تھا۔ امیر، غریب، نواب، انجینئر، تھانہ دار، تحصیلدار، زمیندار، سوداگر، حکیم، غرض ہر قسم کے لوگ تھے۔ ہاں چند مولوی بھی تھے مگر مسکین مولوی۔ مولوی کیساتھ مسکین اور منکسر کا لفظ، یہ مرزا صاحبؑ کی کرامت ہے۔ کہ مرزا صاحبؑ سے ملکر مولوی بھی مسکین بنجاتے ہیں۔ ورنہ آجکل مسکین مولوی، اور

بدعات سے بچنے والا صوفی، کبریتِ احمر اور کیمیائے سعادت کا حکم رکھتا ہے۔ مولوی محمد حسین صاحب اپنے دل میں غور فرما کر دیکھیں۔ کہ وہ کہاں تک مسکینی سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہرگز نہیں۔ ان میں اگر مسکینی ہوتی تو اسقدر فساد ہی کیوں ہوتا یہ نوبت بھی کیوں گذرتی۔ اس قدر ان کے متبعین کو ان سے عداوت اور نفرت کیوں ہوتی۔ اہلحدیث اکثر ان سے بیزار کیوں ہو جاتے۔ اگر مولوی صاحب اس میرے بیان کو غلط خیال فرماویں۔ تو میں انہیں پر حوالہ کرتا ہوں انصافاً وایماناً اپنے احباب کی فہرست تو لکھکر چھپوادیں، کہ جو ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں، جیسا کہ مرزا صاحب کے مُرید مرزا صاحب سے محبت رکھتے ہیں۔ مجھے قیافہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ وقت عنقریب ہے، کہ جناب مرزا صاحب کی خاکِ پا کو اہلِ بصیرت آنکھوں میں جگہ دیں۔ اور اکسیر سے بہتر سمجھیں اور تبرک خیال کریں۔ مرزا صاحب کے سینکڑوں ایسے صادق دوست ہیں۔ جو مرزا صاحب پر دل وجان سے قربان ہیں۔ اختلاف کا تو کیا ذکر ہے۔ رُوبرو اُف تک نہیں کرتے ؎

تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے

مولوی محمد حسین صاحب زیادہ نہیں چار پانچ آدمی تو ایسے اپنے شاگرد یا دوست بتادیں جو پوری پوری (خدا کے واسطے) مولوی صاحب سے محبت رکھتے ہوں اور دل وجان سے فدا ہوں۔ اور اپنے مال کو مولوی صاحب پر قربان کر دیں۔ اور اپنی عزت کو مولوی صاحب کی عزت پر نثار کرنے کے لئے مستعد ہوں۔ اگر مولوی صاحب یہ فرماویں، کہ سچوں اور نیکوں سے لوگوں کو محبت نہیں ہوتی بلکہ جھوٹوں اور مکاروں سے لوگوں کو اُلفت ہوتی ہے۔ تو میں پوچھتا ہوں۔ کہ اصحاب واہلبیت کو جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے محبت تھی یا نہیں؟

وہ حضرتؐ کے پورے پورے تابع تھے ۔ یا ان کو اختلاف تھا ۔ بہت نزدیک کی ایک بات یاد دلاتا ہوں ۔ کہ مولوی عبداللہ صاحب غزنوی جو میرے اور میر محمد حسین صاحب کے پیرو مرشد تھے ۔ اُن کے مُریدان سے کس قدر محبت رکھتے تھے اور کس قدر اُن کے تابع فرمان تھے ۔ سُنا ہے ۔ کہ ایک دفعہ انہوں نے اپنے ایک خاص مُرید کو کہا ۔ کہ تم نجد واقعہ ملک عرب میں جا کر رسائل توحید مصنفہ محمد بن عبد الوہاب نقل کر لاؤ ۔ وہ مُرید فوراً رخصت ہوا ۔ ایک دم کا بھی توقف نہ کیا ۔ حالانکہ خرچ راہ وسواری بھی اُس کے پاس نہ تھا ۔ مولوی محمد حسین صاحب اگر اپنے کسی دوست کو بازار سے پیسہ دیکر دہی لانیکو فرمادیں تو شاید منظور نہ کرے ۔ اور اگر منظور کرے تو ناراض ہو کر ۔ اور شاید غیبت میں لوگوں سے گلہ بھی کرے ع

ببیں تفاوتِ راہ از کجا است تا بکجا

یہ نمونہ کے طور پر بیان کیا گیا ہے ۔ ہر صدی میں ہزاروں اولیاء (جنپر اُنکے زمانہ میں کفر کے فتوے بھی ہوتے رہے ہیں) گذرے ہیں ۔ اور کم و بیش اُن کے مُرید اُن کے فرمانبردار اور جان نثار ہوئے ہیں ۔ یہ نتیجہ ہے نیکوں کی خدا کے ساتھ دلی محبت کا ۔

مرزا صاحبؑ کو چونکہ سچی محبت اپنے مولا سے ہے ۔ اس لئے آسمان سے قبولیت اُتری ہے ۔ اور رفتہ رفتہ باوجود مولویوں کی سخت مخالفت کے سعید لوگوں کے دلوں میں مرزا صاحبؑ کی اُلفت ترقی کرتی جارہی ہے ۔ (اگرچہ ابو سعید صاحب خفا ہی کیوں نہ ہوں) ، اب اس کے مقابل میں مولوی صاحب جو (اس اشاعت کے وقت فوت ہوچکے ہیں) آج ماشاء اللہ آفتاب پنجاب بنے ہوئے ہیں ۔ اپنے حال میں غور فرمادیں ۔ کہ کسقدر سچے محب اُن کے ہیں ۔ اور اُن کے سچے دوستوں کا اندرونی کیا حال ہے ؟ شروع شروع میں کہتے ہیں ، مولوی صاحب کبھی اچھے

شخص تھے۔ مگر اب تو نہیں حُبِّ جاہ اور علم و فضل کے فخر نے عرش عزت سے خاکِ مذلت پر گرا دیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ؁

اب مولوی صاحب غور فرماویں، کہ یہ کیا پتھر پڑ گئے۔ کہ مولوی اور خصوصاً مولوی محمد حسین صاحب سر آمد علماء پنجاب (بزعم خود) سے لوگوں کو اسقدر نفرت کہ جسکے باعث مولوی صاحب کو لاہور چھوڑنا پڑا۔ موحدین کی جامع مسجد میں اگر اتفاقاً لاہور میں تشریف لیجاویں تو مارے ضد او رشرم کے داخل نہیں ہو سکتے۔ اور مرزا صاحبؑ کے پاس (جو بزعم مولوی صاحب کافر بلکہ اکفر اور دجال ہیں) گھر بیٹھے لاہور، امرتسر، پشاور، کشمیر، جموں، سیالکوٹ، کپورتھلہ، لدھیانہ، بمبئی، ممالک شمال و مغرب، اودھ، مکہ معظمہ وغیرہ بلاد سے لوگ گھر سے بوریا بدھنا باندھے چلے آتے ہیں۔ پھر آنیوالے بدعتی نہیں، مشرک نہیں، جاہل نہیں، کنگال نہیں، بلکہ موحد، اہلحدیث، مولوی، مفتی، پیرزادے، شریف، امیر، نواب، وکیل اب ذرا سوچنے کا مقام ہے۔ کہ باوجود مولوی محمد حسین صاحب کے گرانے کے اور اکثر مولویوں سے کفر کے فتوے پر مہریں لگوانیکے اللہ جلشانہ نے مرزا صاحبؑ کو کسقدر چڑھایا، اور کس قدر خلقِ خدا کے دلوں کو متوجہ کردیا۔ کہ اپنا آرام چھوڑ کر، وطن سے جُدا ہو کر، روپیہ خرچ کر کے قادیان میں آکر زمین پر سوتے، بلکہ ریل میں ایک دو رات جاگتے بھی ضرور ہوں گے اور کئی پیادہ چل کر بھی حاضر ہوئے۔ مَیں نے ایک شخص کے بھی مُنہ سے کسی قسم کی شکایت نہیں سُنی۔ مرزا صاحبؑ کے گرد ایسے جمع ہوتے تھے۔ جیسے شمع کے گرد پروانے۔ جب مرزا صاحبؑ کچھ فرماتے تھے، تو ہمہ تن گوش ہو جاتے تھے۔ قریباً چالیس پچاس شخص اس جلسہ پر مُرید ہوئے۔ مرزا احمد بیگ کے انتقال کی پیشگوئی کے پوری ہونیکا ذکر بھی مرزا صاحبؑ نے ساری خلقت کے رُوبرو سُنایا۔ جس کے بارہ میں نور افشاں نے مرزا صاحبؑ کو بہت کچھ

بُرا بھلا کہا تھا۔

اب نور افشاں خیال کرے۔ کہ پیشگوئیاں اس طرح پوری ہوتی ہیں۔ یہ بات بجز اہل اسلام کے کسی دین والے کو آجکل حاصل نہیں۔ اور مسلمان خصوصاً مخالفین ہو چیں، کہ یہ خوب بات ہے۔ کہ کافر، اکفر، دجال، مکار کی پیشگوئیاں باوجودیکہ اللہ تعالےٰ پر افتراؤں کے طومار باندھ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ پوری کرے اور رسول اللہ صلعم کے (بزعم خود) نائبین کی باتوں میں خاک بھی اثر نہ دے اور انکو ایسا ذلیل کرے۔ کہ لاہور چھوڑ کر بٹالہ میں آنا پڑے۔ افسوس صد افسوس، آجکل کے ان مولویوں کی نابینائی پر جو العلم حجاب الاکبر کے نیچے دبے پڑے ہیں۔ اور بایں وجہ ایک ایسے برگزیدہ بندہ کا نام دجال وکافر رکھتے ہیں جس کی اللہ تعالےٰ کو ایسی محبت ہے۔ کہ دین کی خدمت پر مقرر کر رکھا ہے۔ اور وہ بندۂ خدا آریہ، برہمو، عیسائیوں، نیچریوں سے لڑ رہا ہے۔ کوئی کافر تاب مقابلہ نہیں لاسکتا۔ نہ کوئی مولوی باوجود کافر ملعون، دجال بنانے کے خلقت کے دلوں کو اُن کیطرف سے ہٹا سکتا ہے۔ معاذ اللہ۔

عصاءِ موسیٰ و یدِ بیضاء کو بزعم مولویان پس پا اور رسوا کر رہا ہے۔ نائبین رسول مقبولؐ میں کوئی برکت کچھ نورانیت نہیں رہی اتنا بھی سلیقہ نہیں۔ کہ اپنے چند شاگردوں کو بھی قابو میں رکھ سکیں۔ اور خُلقِ محمدیؐ کا نمونہ دکھا کر اپنا شیفتہ بنا لیں کسی مُلک میں ہدایت پھیلانا اور مخالفینِ اسلام کو زیر کرنا تو درکنار ایک شہر بلکہ ایک محلہ کو بھی درست نہیں کر سکتے۔ برخلاف اس کے مرزا صاحب نے کشرقاً غرباً مخالفین اسلام کو دعوتِ اسلام کی اور ایسا نیچا دکھایا۔ کہ کوئی مقابل آنے جوگا نہیں رہا۔ اکثر نیچریوں کو جو مولوی صاحبان سے ہرگز اصلاح پر نہیں آسکے توبہ کرائی۔ اور پنجاب سے نیچریت کا اثر بہت کم کر دیا۔ اب وہی نیچری

ہیں، جو مسلمان صورت بھی نہیں تھے۔ مرزا صاحبؑ کے ملنے سے مومن سیرت ہو گئے۔ اہلکاروں، تھانہ داروں نے رشوتیں لینی چھوڑ دیں۔ نشہ بازوں نے نشے ترک کر دیئے کئی لوگوں نے حُقہ تک ترک کر دیا۔ مرزا صاحبؑ کے شیعہ مریدوں نے (یعنی چند مرید مرزا صاحبؑ کے ایسے بھی ہیں۔ جو پہلے شیعہ مذہب رکھتے تھے) تبرا ترک کر دیا صحابہؓ سے محبت کرنے لگے۔ تعزیہ داری، مرثیہ خوانی موقوف کر دی۔ بعض پیرزادے جو مولوی محمد حسین بٹالوی بلکہ محمد اسمٰعیل شہید کو بھی کافر سمجھتے تھے۔ مرزا صاحبؑ کے معتقد ہونے کے بعد مولانا اسمٰعیل شہید کو اپنا پیشوا اور بزرگ سمجھنے لگے۔ اگر یہ تاثیریں دجالین، کذابین میں ہوتی ہیں۔ اور نائبینِ رسول مقبولؐ نیک تاثیروں سے محروم ہیں، تو بصد خوشی ہمیں دجالی ہونا منظور ہے۔

پھلوں ہی سے تو درخت پہچانا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو بھی لوگوں نے صفات سے پہچانا۔ ورنہ اس کی ذات کسی کو نظر نہیں آتی۔ کسی تندرست ہٹے کٹے کا نام اگر بیمار رکھ لیں تو واقعی وہ بیمار نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مومن پاک باز ہے اور جس کے دل میں اللہ اور رسولؐ کی محبت ہے۔ اس کو کوئی منافق کافر، دجال وغیرہ لقب دے تو کیا حرج ہے۔ سفید کسی کے کالا کہنے سے کالا نہیں ہو سکتا۔ اور چمگادڑ کی دشمنی سے آفتاب لائق مذمت نہیں۔ یزیدی عملداری سے حسینی گروہ اگرچہ تکالیف تو پا سکتا ہے۔ مگر نابود نہیں ہو سکتا۔ رفتہ رفتہ تکالیف برداشت کر کے ترقی کریگا۔ اور گو تاجاتا ہے یعنی مولویوں کے سدِ راہ ہونے سے مرزا صاحبؑ کا گروہ مٹ نہیں سکتا۔ بلکہ ایسا حال ہے۔ جیسا دریا میں بند باندھنے سے دریا رک نہیں سکتا۔ لیکن چند روز رُکا معلوم ہوتا ہے۔ آخر بند ٹوٹیگا۔ اور نہایت زور سے دریا بہ نکلے گا۔ اور آس پاس کے مخالفین کی بستیوں کو بھی بہا لیجاویگا۔ آندھی، اور ابر سورج کو چھپا نہیں سکتے۔ خود ہی چند روز میں گم ہو جاتے ہیں۔

اسی طرح چند روز میں یہ غل غباڑہ فرو ہو جائیگا۔ اور مرزا صاحب کی صداقت کا سورج چمکتا ہوا نکل آویگا۔ پھر نیک بخت تو افسوس کر کے مرزا صاحب سے موافق ہو جاویں گے۔ اور پچھلی غلطی پر پچھتاویں گے۔ اور مرزا صاحبؑ کی کشتی میں جو مثل سفینہ نوح علیہ السلام کے ہے سوار ہو جائیں گے لیکن بدنصیب اپنے مولویوں کے مکر اور غلط بیانی کے پہاڑوں پر چڑھ کر جان بچانا چاہیں گے۔ مگر ایک ہی موج میں غرقِ بحرِ ضلالت ہو کر فنا ہو جاویں گے۔

یا الٰہی ہمیں اپنی پناہ میں رکھ۔ اور فہمِ کامل عنایت فرما۔ اُمتِ محمدیؐ کا تُو ہی نگہبان ہے۔ حجابوں کو اُٹھا دے۔ صداقت کو ظاہر فرما دے۔ مسلمانوں کو اختلاف سے راہِ راست پر لگا دے۔ آمین یا رب العٰلمین ۔

العلم حجاب الاکبر جو مشہور قول ہے۔ اسکی صداقت آجکل بخوبی ظاہر ہو رہی ہے۔ پہلے اس قول سے مجھے اتفاق نہ تھا لیکن اب اسپر پورا یقین ہو گیا جس قدر مرزا صاحبؑ کے مخالف مولوی ہیں اس قدر اور کوئی نہیں۔ بلکہ اوروں کو عالموں ہی نے بہکایا ہے۔ ورنہ آجتک ہزاروں بیعت کر لیتے۔ اور ایک جمِ غفیر مرزا صاحبؑ کیساتھ ہو جاتا لیکن مخالفت کا ہونا کچھ تعجب نہیں۔ کیونکہ اگر ایسا زمانہ جسمیں اس قسم کے فساد ہیں جس کی نظیر پچھلی صدیوں میں نامعلوم ہے۔ نہ آتا، تو ایسا مصلح بھی کیوں پیدا ہوتا۔ دجّال ہی کے قتل کو عیسےٰ تشریف لائے ہیں۔ اگر دجّال نہ ہوتا تو عیسےٰ کا آنا محال تھا۔ اور دُنیا گمراہ نہ ہو جاتی تو مہدی کی کیا ضرورت تھی۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کام کو اسکے وقت پر کرتا ہے۔

یا اللہ۔ تو ہمیں اپنے رسولؐ کی، اپنے اولیا کی محبت عنایت کر۔ اور بے یقینی اور تردّدات سے امان بخش۔ صادقین کیساتھ ہمیں اُلفت دے۔ کاذبوں سے پناہ میں رکھ۔ ہماری انانیت دُور کر دے۔ اور حرص و حواس

سے نجات بخش۔ آمین یارب العٰلمین"

(راقم ناصر نواب۔ تاریخ ۲؍ جنوری ۱۸۹۳ء)

حضرت میر صاحب سلسلہ کی خدمت میں

حضرت میر صاحب قادیان آکر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں ہمہ تن مصروف ہو گئے تھے۔ جیسے انہوں نے خود تحریر فرمایا ہے۔ کہ:-

"گویا میں اُن کا پرائیویٹ سیکرٹری تھا۔ خدمتگار تھا۔ انجنیر تھا۔ مالی تھا۔ زمین کا مختار تھا۔ معاملہ وصول کیا کرتا تھا۔"

(خود نوشت سوانح)

گویا کہ تمام وہ کام جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دینی انہماک کی وجہ سے یونہی پڑے ہوئے تھے؛ وہ حضرت میر صاحب نے سنبھال لئے تھے ہم نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ کہ حضرت میر صاحب کی توجہ سے ایک زمانہ میں حضرت اقدس کا باغ گلزار بنا ہوا تھا۔ ہزارہا گملوں میں لگے ہوئے پھولوں کے پودے۔ مختلف قسم کے خوشبودار پھول۔ دیواروں اور دروازوں پر چڑھنے والی پھولوں کی بیلیں۔ انگوروں کی بیلیں۔ ہر قسم کے پھلدار درخت۔ رنگارنگ کے آم، لوکاٹ شہتوت، امرود وغیرہ باغ میں بڑی محنت سے لگوائے گئے۔

ایام زلزلہ میں جو ۱۹۰۵ء کے دن تھے حضرت مسیح موعود علیہ السلام باغ میں اصحاب کیساتھ مقیم تھے۔ اُس وقت باغ کی رونق کے کیا کہنے تھے۔ باغ پورے جوبن پر تھا۔ مدرسہ وہیں لگا کرتا تھا۔ خدا تعالےٰ کا محبوب۔ اس زمانے کا ہادی اور رہنما اپنے عشاق کے حلقے میں وہاں جلوہ افروز ہوا کرتا تھا۔ باغ کی ٹھنڈک

اور سایہ پتوں میں سے دھوپ کا چھن چھن کر آنا، پھولوں کی مہک اور اُن کا پورا جوبن ایک پرکیف صورت پیدا کرتا تھا۔ باغ کی یہ کیفیت حضرت میر صاحب کی شبانہ روز محنت کا نتیجہ تھا۔ آپ کو باغ کی صفائی اور ترقی کا اس حد تک خیال تھا۔ کہ ایک دفعہ آپ کو الہام ہوا

"کہاں تک کرے گا صفائیے باغ"

گویا کہ اس صفائی کے انہماک کا ذکر خود خدا تعالیٰ کو بھی اپنے عرش سے کرنا پڑا کھیتوں میں سبزی ترکاری کا سلسلہ بھی حضرت میر صاحب نے شروع کر دیا تھا۔ چنانچہ باغ کے علاوہ بھی جہاں جہاں زمین اس غرض کے لئے مل سکی، حضرت میر صاحب نے کار آمد بنا ڈالی۔ مدرسہ احمدیہ کے متصل جہاں اب جناب قاضی اکمل صاحب کا مکان اور تشحیذ الاذہان کا دفتر تھا، وہاں بھی مدتوں سبزی وغیرہ پیدا کیجاتی رہی۔ یہ کھیت حضرت میر صاحب کی "پیلی" یعنی کھیت کے نام سے زبان زد تھا۔

حضرت صاحبؑ کے الدار میں کوئی تعمیر ہوتی، تو حضرت میر صاحب قبلہ سارا سارا دن کھڑے تعمیر کا کام کراتے رہتے تھے۔ عمالیق جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے محض خدا واسطے کا بغض رکھتے تھے۔ اُن کی فہمائیش بھی کبھی کبھی حضرت میر صاحب کے ذریعے ہو جایا کرتی تھی۔ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ہر ایک چیز کی حفاظت اپنا فرض خیال کرتے تھے۔ وہ یہ سب کام ایک عشق کے ساتھ کرتے تھے۔ اور میں پورے وثوق اور یقین سے کہہ سکتا ہوں۔ کہ یہ خدا تعالےٰ کا ایک فضل تھا۔ کہ اس نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت کے لئے حضرت میر صاحب جیسا ایک انسان بھیجدیا۔ جو حضرت مسیح موعودؑ کی ہر ایک چیز کو اپنی جان کر ان کی نگہداشت کرتا تھا۔ ان کی ترقی کے لئے کوشاں تھا۔ دشمنوں سے انکی حفاظت کرتا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ابتدائی زندگی تو بالکل ایک ایسے انسان کی تھی جو بالکل ہی یتیم ہو۔ انہوں نے

خود لکھا ہے۔ ع

لَفَاظَاتُ الْمَوَائِدِ کَانَ اُکُلِی

گھر کی بچی کھچی چیزیں میرے کھانے کے لئے آتی تھیں۔

ان کو خود ان زمینوں اور جائیدادوں کیطرف توجہ نہ تھی۔ اور وہ اس مخمصہ میں پڑکر دین کے کاموں میں روک نہیں ڈالنا چاہتے تھے۔

ان کی جائیداد ان بچوں کے خزانہ کیطرح پڑی تھی جس پر گرنیوالی دیوار تھی اور خدا تعالےٰ نے حضرت موسےٰؑ اور خضرؑ کو بھیجکر اس کی اصلاح کرا دی۔ اور اسطرح اس خزانہ کو ضایع ہونے سے بچا لیا۔ بالکل اسی طرح اللہ تعالےٰ نے حضرت میر صاحب کو بھیجدیا۔ کہ وہ ان چیزوں کی حفاظت کریں۔ جو کسی وقت سلسلہ کے لئے ایک شاندار جائیداد بننے والی تھیں۔ گویا کہ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان دنیاوی چیزوں کی طرف سے اپنی توجہ ہٹالی، اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پاس کوئی آدمی ایسا موجود نہ تھا، جو ایک درد اور ایک عشق سے ان کاموں کا بوجھ اپنے اوپر لے لیتا۔ تو خدا تعالےٰ نے خود حضرت میر صاحب کو بھیجدیا۔ جو جوانوں سے بڑھکر باہمت تھے، جو بڑے تجربہ کار تھے۔ بڑے امین تھے۔ جن کے لئے یہ گھر اب اپنا گھر ہو گیا تھا۔ اُن سے بڑھکر اور کون درد خواہ ہو سکتا تھا۔

حضرت میر صاحب حضرت اقدسؑ کو اور سلسلہ کو دو الگ وجود خیال نہ کرتے تھے۔ اور یہ تھی بھی ایک حقیقت۔ اس لئے حضرت میر صاحب حضرت صاحبؑ کے خدمتگاروں کو لنگر سے کبھی روٹی وغیرہ دیدیا کرتے تھے۔

ہمیشہ ہر جگہ کچھ طبائع ایسی آجاتی ہیں۔ جو صرف اپنی ترقی کے سوا کسی دوسرے کی ترقی کو دیکھ نہیں سکتیں۔ حضرت میر صاحب سادہ زندگی بسر کرنیوالے درویشانہ رنگ کے بزرگ تھے۔ وہ ایسے لوگوں کو کب پسند آسکتے تھے۔ ان کو حضرت میر صاحب

کی ہر کام میں پیش قدمی ناگوار معلوم ہوتی۔ چنانچہ ہمکو سلسلہ کے لٹریچر میں سب سے پہلا اعتراض یہ نظر آتا ہے۔ کہ اصحاب ممود اندر ہی اندر اس امر سے جلا کرتے تھے کہ سلسلہ کے اموال کا خرچ ہمارے ہاتھ میں کیوں نہیں دیدیا جاتا۔ انکو حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ابتداء میں جرأت نہ ہوتی تھی۔ اس لئے تیر کا نشانہ پہلے حضرت میر صاحب کو بنایا گیا۔ اور ان لوگوں کے ایک لیڈر نے جو بعد میں کھل نکلے۔ یہ اعتراض کیا:۔

"کہ میر صاحب مالیوں کو یوں روٹیاں دیتے ہیں۔ اور باغ کے کتے کو یوں گوشت دیا جاتا ہے۔

(کشف الاختلاف صہ۱۶)

یہ اعتراض بہت بڑے فتنے کا پیش خیمہ تھا۔ اس کی تہ میں مالی اعتراض چھپا ہوا تھا۔ گویا کہ وہ رقوم جو چندے کے طور پر آتی ہیں۔ وہ ناجائز طور پر صرف کیجاتی ہیں (العیاذ باللہ) ورنہ لنگر خانہ تو نہ صرف مہمانوں کے لیے ہی تھا بلکہ اس سے بہت سے غریب لوگ بھی پرورش پاتے تھے۔ اور حضرت اقدسؑ پسند کرتے تھے۔ کہ لنگر پر آنیوالے سائلوں کو بھی رد نہ کیا جائے۔ چنانچہ میں نے جناب شیخ محمد اسمٰعیل صاحب سرساوی سے بارہا سنا۔ کہ وہ ایک زمانہ میں مہمانوں کے کھانا کھلانے پر مامور تھے۔ اس زمانہ میں مارواڑ میں سخت قحط پڑا۔ بہت سی لوگ یہاں بھی آ گئے۔ اور وہ مانگنے کے لئے لنگر پر آجایا کرتے تھے۔ شیخصاحب انکو کچھ نہ کچھ دیدیا کرتے تھے۔ اس امر کی کسی نے شکایت کر دی۔ تو حضرت صاحبؑ سُنکر خاموش ہو رہے۔ مگر شیخصاحب کو جب شکائیت کا علم ہوا۔ تو انہوں نے حضرتؑ سے عرض کیا۔ کہ حضور! اس کام پر کسی اور کو مقرر کر دیا جائے۔ حضرتؑ نے فرمایا۔ کیوں میاں اسمٰعیل! تھک گئے! انہوں نے کہا۔ نہیں حضرت۔ اس طرح لوگ آتے ہیں۔

تو مَیں پسند نہیں کرتا۔ کہ حضورؑ کے لنگر سے کوئی محروم جائے۔ اس لئے کسی کو چوتھا حصہ کسی کو نصف کسی کو پُوری روٹی دے دیا کرتا ہوں۔ اور اس کی پھر شکایت ہوتی ہے

حضورؑ نے فرمایا:۔

"کہ ہماری طرف سے اجازت ہے۔ کہ فی کس ایک روٹی دیدیا کرو اور فرمایا۔ کہ میاں! یہ اللہ تعالےٰ ہی بھیجتا ہے کسی کو خالی نہ جانے دیا کرو۔"

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ لنگر کی عطاء بہت وسیع تھی۔ اور مَیں نے خود ایامِ جلسہ میں کام کر کے دیکھا ہے۔ کہ مزدور اور محنت کرنے والے لوگ یہ پسند کرتے ہیں۔ کہ انکو خواہ مزدوری کم دیجائے۔ مگر انکو کھانا دیا جائے۔ ابتدائی ایام میں جبکہ قادیان کے لوگ غربت کی زندگی بسر کرتے تھے۔ اُن کے لئے لنگر سے روٹی مِلجانی ایک نعمتِ غیر مترقبہ تھی۔ اسلئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے باغ میں کام کرنے والے مالی کو اس کی درخواست پر اگر روٹی لنگر سے مل گئی۔ تو یہ ایسی چیز نہ تھی کہ جو حضرت میر صاحب کیلئے باعثِ اعتراض بن گئی۔ حضرت میر صاحب کا اگر الگ کوئی کاروبار ہوتا۔ اُن کا ذاتی کوئی باغ ہوتا۔ تو جو مقام اُن کو صحبتِ مسیح موعود کا حاصل تھا اس لحاظ سے بھی میرے نزدیک اُن کا اپنے نوکروں کیلئے روٹی لے لینا بھی ناجائز نہیں ہو سکتا تھا۔ مگر حضرت مسیح موعودؑ کے ایک نوکر کو یا ان کے کسی کتے کو لنگر سے روٹی لیکر ڈال دینے پر اعتراض کرنا تو محض شقاوتِ قلبی ہے۔ اور یہ ایسی ہی بات تھی۔ جیسے مدینہ کے چند نوجوانوں نے فتح مکہ کے بعد یہ اعتراض کر دیا۔ کہ:۔

"خون تو ہماری تلواروں سے ٹپکتا ہے۔ اور مالِ غنیمت مکے والے لے گئے۔"

ان اعتراض کرنیوالوں کے اعتراض میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے

عدل وانصاف پر ایک اعتراض پوشیدہ تھا۔ اگرچہ مدینہ کے مخلص صحابہؓ نے اس کی ہر طرح تردید کی۔ اور معذرت کی۔ مگر دُنیا میں اس کا اجر لینے سے محروم ہو گئے۔

پس یہ اعتراض بظاہر ایک معمولی بات تھی۔ مگر اس اعتراض کا وار در اصل حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر تھا۔ اور یہ اعتراض پہلا کیڑا تھا۔ جو ان کے قلب کے اندر گھن کے کیڑے کیطرح داخل ہوا۔ اور جس نے اندر ہی اندر اُن کے سارے قلب کی حالت کو بدل دیا۔ اور کھا لیا۔

لنگر کا انتظام ابتداء میں ایسا تھا۔ کہ حضرت اقدسؑ یہ چاہتے تھے۔ کہ ہر احمدی لنگر خانہ سے ہی کھائے۔ چنانچہ سلسلہ کے سب عمائدین حضرت خلیفۃ المسیح اول رضؓ۔ حضرت مولوی عبد الکریم صاحبؓ۔ حضرت مولوی محمد احسن صاحبؓ۔ حضرت مولوی فضلدین صاحبؓ وغیرہ وغیرہ ابتداء میں سب کے ہاں لنگر سے ہی کھانا جاتا تھا۔ ایسی حالت میں لنگر کی وسعت کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔ جبکہ سینکڑوں آدمی لنگر سے کھانا کھا رہے تھے۔ حضرتؑ کے باغ کے مالی کی روٹی کو اعتراض کا ذریعہ بنا لینا انکی اندرونی اور نفسی حالت کا آئینہ دار ہو سکتا ہے۔

الغرض

اس طرح حضرت میر صاحب بعض لوگوں کی نگاہ میں بلاوجہ کھٹکے۔ اور انکو حضرت اقدسؑ پر اعتراض کرنیکا پہلا زینہ بنا یا گیا۔

دوسرا قدم

حضرت میر صاحبؓ پر یہ اعتراض سُنکر سُننے والے نے کہا:۔ "پھر آپ لوگ اس کو روکتے نہیں۔ تو معترض نے ماتھا پیٹ کر کہا۔ کہ اگر ہم کہیں۔ تو پھر کچھ کام نہیں کر سکتے۔ اور اگر کہہ سکتے تو

بات ہی کیا تھی۔ یہ تو آپ جیسے بزرگوں کا کام ہے۔ اور اسی وجہ سے آپ سے ذکر کیا ہے۔ تب اُس نے وعدہ کیا۔ کہ اچھا، پھر میں ذکر کروں گا۔" (کشف الاختلاف صت)

اِس بالائی عبارت کا مفہوم بھی بالکل واضح ہے۔ کہ اس طریق پر لوگوں کو تیار کیا جاتا تھا۔ کہ وہ حضرت میر صاحب کیخلاف آواز اٹھائیں۔ گویا حاسد لوگوں نے سلسلہ کے اموال کو اپنے قبضے میں لینے کے لئے حضرت میر صاحب کو زینہ بنایا۔ اور یہ طریق عام انسانی اخلاق کی حد سے بھی گرا ہوا تھا۔ چہ جائیکہ اس کا کوئی تعلق تقوےٰ کی کسی راہ سے ہو۔

چنانچہ

انسانی فطرت اپنی عادت کے مطابق کام کرتی ہے۔ اور جب ایک قدم اُٹھ جاتا ہے۔ تو پھر دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا اُٹھتا چلا جاتا ہے۔ اور انسان یہ نہیں معلوم کرسکتا۔ کہ وہ ہلاکت کے گڑھے کیطرف جارہا ہے۔ بالکل اسی طرح معترض لیڈر کا دوسرا قدم اُٹھا۔ اور یہ قدم

حضرت اُمّ المومنین علیہا السلام

اور

حضرت مسیح موعود علیہ السّلام

کے خلاف براہِ راست تھا۔ ۱۹۰۶ء میں مسجد مبارک کی توسیع ہورہی تھی اس غرض کے لئے ایک وفد تین اصحاب پر مشتمل گجرات اور کرٹیانوالہ کیطرف بغرض حصول چندہ جارہا تھا۔ تو وفد کے لیڈر نے ایک لمبا سوال شروع کیا۔ جو ۳۶ میل کے سفر میں طے ہوا۔ اس سوال کا خلاصہ یہ تھا:۔

"پہلے ہم اپنی عورتوں کو یہ کہہ کر کہ انبیاءؑ اور صحابہؓ والی زندگی اختیار

کرنی چاہیے۔ کہ وہ کم اور خشک کھاتے اور خشن پہنتے تھے۔ اور باقی بچا کر اللہ کی راہ میں دیدیا کرتے تھے۔ اسی طرح ہمکو بھی کرنا چاہیے۔ غرض ایسے وعظ کر کے کچھ روپیہ بچاتے تھے۔ اور پھر وہ قادیان بھیجتے تھے۔ لیکن جب ہماری بیبیاں خود قادیان گئیں۔ اور وہاں پر رہ کر اچھی طرح وہاں کا حال معلوم کیا۔ تو واپس آکر ہمارے سر چڑھ گئیں۔ کہ تم بڑے جھوٹے ہو۔ ہم نے تو قادیان میں خود انبیاءؑ اور صحابہ کی زندگی کو دیکھ لیا ہے۔ جسقدر آرام کی زندگی اور تعیش وہاں پر عورتوں کو حاصل ہے اس کا تو عشر عشیر بھی باہر نہیں۔ حالانکہ ہمارا روپیہ اپنا کمایا ہوا ہوتا ہے۔ اور ان کے پاس جو جاتا ہے وہ قومی اغراض کے لئے قومی روپیہ ہوتا ہے۔" (کشف الاختلاف صہ ۱۳)

٭ اسی سلسلہ میں معترض نے بعض زیورات اور بعض کپڑوں کی خرید کا مفصل ذکر کیا ہے۔"

(کشف الاختلاف صہ ۱۴)

اس اعتراض کو پڑھیے اور پھر خط کشیدہ عبارت کو غور سے ملاحظہ فرمایئے۔ اور پھر سوچیئے۔ کہ جس دماغ کے یہ خیالات ہوں۔ کیا اس کے قلب میں اپنے مرشد پر کوئی ایمان معلوم ہوتا ہے؟

۱- خاندانِ نبوت کی زندگی پر تعیش کا اعتراض۔

۲- صحابہ کی زندگی سے بالکل مختلف زندگی بسر کرنے کا نقشہ پیش کرنے والے۔

۳- قومی روپیہ کو کھا جانے والے۔

٭ حاشیہ (خاکسار عرفانی کبیر سے جمع کیا تھا منہ)

۴۔ قومی روپیہ سے زیورات اور کپڑے بنانے والے۔

یہ کن کو قرار دیا گیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور اُن کی مقدس بیوی کو کبھی مذہب کے آدمی سے دریافت کرو۔ وہ جس شخص کو اپنا ہادی اور راہنما تسلیم کرتا ہوگا۔ اسکے کبھی فعل پر اعتراض نہیں کریگا۔ اور اگر کوئی شخص اسکے فعل پر اعتراض کرتا ہوگا۔ تو وہ اسکو یقیناً مسلوب الایمان سمجھے گا۔ اس امر کی حقیقت سے تو میں حضرت ام المومنین کی سیرت کے باب میں پردہ اٹھاؤں گا۔

مگر

یہاں صرف اسقدر کہنا کافی ہوگا۔ کہ یہ دوسرا قدم تھا۔ جو حضرت میر صاحب کے بعد ان گم گشتہ طریق لوگوں نے اٹھایا۔ اور اپنے آپکو تباہی کے گڑھے میں ڈالدیا اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت میر صاحب پر اعتراض ہی اُن کو اس نتیجہ کیطرف لے گیا۔ کہ وہ سلسلہ سے کٹ گئے۔ عبرت! عبرت!! عبرت!!!

مدرسہ تعلیم الاسلام کے پہلے ناظم

سلسلہ کی بڑھتی ہوئی ضرورت دیکھکر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مدرسہ تعلیم الاسلام کی بنیاد رکھنے کا ۱۸۹۷ء میں فیصلہ فرمایا۔ اور ۱۸۹۸ء میں اس مدرسہ کا آغاز فرمایا۔

مدرسہ تعلیم الاسلام کی تعمیر کے لئے جو لوگ بنیادی پتھر قرار دیئے گئے۔ انمیں سے حضرت نواب محمد علی خانصاحب آف مالیر کوٹلہ تھے۔ جو مدرسہ کے ڈائریکٹر مقرر ہوئے۔ اور حضرت میر ناصر نواب صاحب قبلہ تھے۔ جو مدرسہ کے ناظم مقرر ہوئے اور حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی پہلے ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے۔ بنیادی تعمیر میں حصہ لینے والے لوگوں کو کسقدر محنت کرنی پڑتی ہے۔ وہ ایک واضح امر ہے۔

ڈھابوں کی بھرتی کا کام

مدرسہ احمدیہ جس جگہ واقع ہے۔ یہ سب جگہ پانی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اور یہاں بہت بڑی ڈھاب تھی۔ حضرت میر صاحبؓ کی دُور رس نگاہ نے اس جگہ کی قدر کو جانا، اور سلسلہ کی ترقی اور ضرورت کو بصیرت کی نگاہ سے دیکھا۔ انہوں نے سلسلہ کی ضرورتوں کو مدنظر رکھکر اس ڈھاب میں جہاں ہاتھی غرق ہوتا تھا مٹی ڈلوانیکا انتظام کیا۔ چنانچہ بھرتی پڑنے لگ گئی۔ بھرتی پڑ رہی تھی۔ کہ خواجہ کمال الدین صاحب اور اُن کے رفقاء لاہور سے آئے۔ انہوں نے اِن بھرتیوں کو دیکھکر کہنا شروع کیا کہ:

"میر صاحب سلسلہ کا روپیہ غرق کر رہے ہیں"۔

یہ اعتراض بھی اسی پہلے اعتراض کی ہی کڑی تھا۔ ورنہ میر صاحب کا مقام تو ان تمام اعتراضوں سے بہت بالا تھا۔ میر صاحب نے جب سُنا تو فرمایا:۔

"میں غرق کرتا ہوں۔ تو تم سے لیکر نہیں۔ حضرت صاحبؑ کا روپیہ ہے۔ تم کون ہو جو مجھ پر اعتراض کرتے ہو۔ جاؤ حضرت صاحبؑ کو کہو" (حیاتِ ناصر صفحہ ۲۹)

بالآخر حضرت اقدسؑ سے اس امر کا ذکر کیا گیا۔ حضورؑ نے فرمایا:۔

"کہ میر صاحب کے کاموں میں دخل نہیں دینا چاہیئے"۔

بعد کے واقعات نے بتلایا۔ کہ اگر حضرت میر صاحب نے ان زمینوں کو پانی سے نکال کر سلسلہ کے لئے ایک قیمتی جائیداد نہ بنا لیا ہوتا۔ تو مرکزِ سلسلہ میں بہت مشکلات کا اضافہ ہو جاتا۔ آج وہ زمین سلسلہ کے مرکزی کاموں کے لئے کام آئی۔ اور آج علومِ عربیہ اور دینیہ کے پھیلانے کے لئے ایک ایسا مرکز بنی ہوئی ہے۔ کہ ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ وہاں سے علم اور معرفت کی نہریں بہہ رہی ہیں۔ جب تک دُنیا

رہے گی۔ اور جب تک دُنیا کو اس زمین سے فیض پہنچتا رہے گا۔ اُس وقت تک خدا کے نیک بندے حضرت میر صاحبؓ کی اس خدمت کو یاد کر کے ان کیلئے دُعا کرتے رہیں گے۔ اور ان معترضین کے اس قول کو نفرت سے دیکھتے رہیں گے۔

کہ میر صاحب قوم کا روپیہ غرق کر رہے ہیں۔

سلسلہ کی عمارات

جہاں تک میرا علم ہے۔ مہمانخانہ۔ مدرسہ وغیرہ کی عمارتوں کا کام بھی حضرت میر صاحبؓ کی نگرانی میں ہوا۔ گول کمرے کے سامنے کا صحن کھلا پڑا تھا۔ حضرت میر صاحبؓ نے کچھ پرانی اینٹیں جو زمین میں مدفون تھیں کھدوا کر نکلوائیں۔ اور گول کمرے کے سامنے دیوار بنوادی۔

حضرت میر صاحبؓ جب زمین سے یہ مدفون اینٹیں نکلوا رہے تھے۔ اُس وقت بعض کوتاہ اندیشوں نے کہا۔ کہ میر صاحب لغو کام کر رہے ہیں۔ مگر بعد میں دیکھنے والوں نے دیکھا۔ کہ وہ لغو کام کسقدر مفید اور بابرکت ثابت ہوا۔

حضرت عرفانی کبیر نے حیاتِ ناصر کے صفحہ ۳ پر لکھا ہے۔ کہ "حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں وہی

تعمیراتِ سلسلہ کے ناظم تھے۔

اور اس کام کو انہوں نے نہایت دیانت اور درد اور اخلاص سے سرانجام دیا۔ اپنے ہاتھ سے کام کرنے میں بھی کبھی عار نہ ہوتا تھا۔ اور نہ پیدل سفر کرنے سے پرہیز۔ نہایت کفایت شعاری سے وہ سلسلہ کے اموال کو جو اُن کے ہاتھ میں ہوتے خرچ کرتے تھے۔ ایک دُنیادار کی نظر میں اسے بے حیثیت کہا جائے مگر سچ یہ ہے

کہ وہ ان اموال کے امین تھے۔

حضرت ناناجان نے جس دیانت اور امانت کیساتھ اپنے فرائض منصبی کو ادا کیا، وہ ہمیشہ آنیوالی نسلیں عزت سے یاد کرینگی۔ انہوں نے کبھی اپنے آرام کی پرواہ نہ کی۔ کڑکتی دھوپ میں نگرانی کر رہے ہیں، پسینہ سر سے لیکر پاؤں تک جارہا ہے۔ برستی بارش میں اگر کوئی خطرہ ہوا ہے۔ تو کھڑے ہیں۔ اور کام کر رہے ہیں۔ ان کی یہ ہمت اور یہ فرض شناسی اور اموال سلسلہ کی دیانت سے خرچ کرنے کی مثال ہمارے لئے سبق ہے۔ اور پھر لطف یہ ہے کہ یہ تمام کام وہ آنریری طور پر کرتے تھے۔ کوئی معاوضہ ان کاموں کا دنیا کے کسی سکہ کی شکل میں نہ لیا اور نہ خواہش کی۔

حضرت میر صاحب رضؓ کی شاعری

حضرت میر صاحبؓ شاعر بھی تھے۔ اُن کے اشعار بہت آسان، اور سلیس زبان میں ہوتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا، کہ گوندھی ہوئی مٹی انکے سامنے پڑی ہے۔ اور وہ اس سے حسب منشاء جو چاہتے ہیں، بناتے جاتے ہیں۔ سلسلہ کی تائید میں، حمد الٰہی، نعت نبیؐ اور اپنے سفر نامے اور بعض تحریکیں انہوں نے شعر میں لکھے۔ یہ بجائے خود ایک طویل مضمون ہے۔ وہ اپنی شاعری میں خیالی باتوں کی طرف نہ جاتے تھے۔ دشمنانِ سلسلہ کے خلاف مُنہ توڑ اشعار بھی لکھا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دشمن کے متعلق لکھا ؎

اک سگِ دیوانہ لدھیانہ میں ہے ✽ آجکل وہ خرشتر خانہ میں ہے

الغرض

اس طرح اُن کے دن اور رات خدمتِ سلسلہ میں لگے ہوئے تھے! اور وہ بغرض

✽ حاشیہ۔ یہ سگِ دیوانہ لودہانہ کے ایک محلہ شتر خانہ میں رہتا تھا۔ عرفانی کبیر۔

خدمت میں منہمک تھے۔ کہ ان کی دنیا میں ایک نئی تبدیلی ہوئی اور ۱۹۰۸ء کا زمانہ آگیا۔

۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا وصال ہوگیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔ اور حضرت میر صاحبؓ کے کاموں کی نوعیت بدل گئی۔ حضرت میر صاحبؓ نے خود لکھا ہے۔ کہ :۔

"اب میرے متعلق کوئی کام نہ رہا۔ کیونکہ وہ کام لینے والا ہی نہ رہا۔ دنیا سے اٹھ گیا۔ میر صاحب، میر صاحب کی صدائیں اب مدھم پڑ گئیں۔ بلکہ کئی اور میر صاحب پیدا ہوگئے۔ شکر ہے۔ کہ یہ بھی ایک قسم کا غرور مجھ سے دور ہوا۔ اور ناز جاتا رہا۔ کیونکہ کوئی نازبردار نہ رہا۔ حضرت صاحبؑ کی جدائی کے غم اور آپؑ کے سلسلہ کے کاموں کی سبکدوشی نے مجھے پریشان کر دیا۔"

(حیات ناصر ص۱۵)

مسجد مبارک کی توسیع

اگرچہ مجھے اس امر کا ذکر پہلے کرنا چاہیئے تھا۔ مگر میں بھول گیا، اور اس امر کا ذکر رہ گیا۔ کہ مسجد مبارک کی توسیع جو ۱۹۰۶ء سے ۱۹۰۷ء تک جاری رہی، ان معترضین کو جو میر صاحبؓ کی مسابقت فی الدین کو بری نگاہ سے دیکھتے تھے، یہ چیز بھی تکلیف دے رہی تھی۔ مگر بے بس تھے۔

بعض کھڑکیوں وغیرہ کے متعلق جھگڑا ہوا۔ حضرتؑ تک معاملہ گیا۔ حضرت اقدسؑ نے فرمایا۔ کہ میر صاحبؓ نے جہاں کھڑکیاں دروازے رکھ دیئے ہیں وہیں رہنے دیئے جائیں۔"

اس سے اس مقام کا پتہ چل سکتا ہے۔ جو حضرتؑ کے دل میں حضرت

میر صاحبؓ کا تھا۔

بھرتیوں کے معاملہ میں فرمایا :۔

"میر صاحب کے کاموں میں دخل نہیں دینا چاہیئے"۔

اور اس موقعہ پر فرمایا :۔

"کہ جو کھڑکی وغیرہ میر صاحب نے جہاں رکھدی ہے۔ وہیں رہنے دی جائے۔

کاش! وہ معترضین اس امر سے اس پاک نفس بزرگ کے مقام کو سمجھ لیتے اور ٹھوکر سے بچ جاتے۔

یہ تھی شان حضرت میر صاحبؓ کی اور اس مقام کا تھا وہ انسان۔

ایک اور موقعہ

حضرت میر صاحبؓ نے ایک دفعہ ایک کوٹ جو مستعمل تھا۔ اپنے ایک عزیز کو بھیجا۔ مگر اس عزیز نے مستعمل کوٹ لینے سے انکار کر دیا تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام خدا کے نبیؑ اور ماموڑ کو جب معلوم ہوا۔ تو انہوں نے وہ کوٹ محض اسلیئے رکھ لیا۔ کہ کہیں میر صاحبؓ کو اس واپسی سے رنج نہ ہو۔

یہ تھا۔ حضرت میر صاحبؓ کا احترام اور اُن کے جذبات کا احساس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قلب میں۔

عہدِ خلافت اولیٰ اور حضرت میر صاحبؓ

خلافتِ اولیٰ کے ایام میں حضرت میر صاحبؓ نے قادیان کے غربا کی حالت کا اندازہ لگا کر یہ چاہا۔ کہ ان کی بہتری کی کوئی تجویز کیجائے۔ چنانچہ اس

غرض کے ماتحت حضرت میر صاحب نے مسجد نور۔ ناصر وارڈ۔ ہسپتال مردانہ، زنانہ۔ دار الضعفاء کو مدنظر رکھکر سارے ملک میں پھر کر چندہ جمع کرنا شروع کیا۔ حضرت میر صاحب نے اس کام کیلئے شب و روز ایک کردیا۔ اور پیدل چل چل کر یہ کام کیا۔ چنانچہ آپ نے دو حصوں میں اپنا سفر نامہ تصنیف فرمایا۔ جو نظم میں ہے اس کے چند ٹکڑے نمونے کے طور پر یہاں درج کرتا ہوں۔ جن سے ان کی محنت، سعی اور تکلیف کا بخوبی پتہ لگ سکتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں ؎

قصبہ قادیان کو کیوں چھوڑا
کیوں عزیزوں سے اپنا منہ موڑا

کیوں سفر اختیار تو نے کیا
کیوں انہیں دلفگار تو نے کیا

دین کے کام کے لئے میں چلا
تا جماعت سے لاؤں میں چندا

احمدی بھائیوں سے لاؤں مال
دینی کاموں پہ وہ لگاؤں مال

چار کاموں کا ہے خیال مجھے
واسطے ان کے ہے ملال مجھے

مسجد و ہسپتال مردانہ
اک زنانہ بھی ہے شفاخانہ

کچھ غریبوں کیواسطے ہیں مکاں
امن و آرام سے بسیں وہ جہاں

مینے کی ہے یہ اس لئے تکلیف
میرا مالک قوی ہے میں ہوں ضعیف

میرے دُکھ کو خدا کرے آسان
غیب سے بخشے وہ مجھے سامان

پانچ تاریخ تھی ستمبر کی
مجھ کو توفیق جب خدا نے دی

قادیان سے چلا بسوئے سفر
کی سواری سے مَیں نے قطع نظر

پاپیادہ چلا بٹالہ کو
اس سے مقصد تھے میرے دل میں دو

اپنی قوت کو آزماؤں میں۔
ریل تک پاپیادہ جاؤں میں

دوسرے کچھ کرایہ بچ جائے
راہ مولیٰ میں وہ بھی کام آئے

مجھکو دُکھ ہووے قوم سُکھ پائے || میری خدمت یہ اسکو یاد آئے

لاہور کیطرف روانگی

تیسرے درجے کا ٹکٹ لے کر || فضل حق سے چلا میں بسوئے سفر
پہلے لاہور تک کا قصد کیا || ابرو باراں نے میرا ساتھ دیا
خوف آتا تھا سخت بارش سے || دل ڈرلاتے ہوا کے دھکے تھے
اسی بارش میں پہنچے ہم لاہور || نظر آتے تھے طور کچھ بے طور
اسی کیچڑ میں میں گیا لاہور || میری ہمت پہ آپ کیجئے غور

سفر میں گرمی کی تکلیف

فرمایا:۔ وہاں سے ہیلوال میں میں جا اُترا || سخت گرمی تھی اُس جگہ بخدا
انسپکٹر کے ڈیرے پر جو گیا || نہ ملا مجھکو کچھ بھی اُن کا پتا
اسی گرمی میں پہنچا چک پنیار || گرمی اور ماندگی سے تھا ناچار
ایک چک میں میں ہو گیا داخل || ہوا آرام نہ کچھ وہاں حاصل
کیونکہ احباب تھے گئے باہر || عورتیں بس گھروں کے تھیں اندر
ایک مسجد میں ایک مکتب تھا || اس جگہ میں غریب بیٹھ گیا
پانی مانگا تو وہاں ملی لسی || ہو کے ناچار میں نے پی لسی

اِس سفر کی تکالیف کا ذکر!

آخرش جنڈ ٹیس میں جب پہنچا || بے خبر ریل سے جو میں اُترا
میں گرا اپنے ہی ٹرنک پہ جب || پڑ گیا میری پسلیوں پہ غضب

دہنی جانب کو سخت چوٹ آئی | درد سے ہو گیا میں سودائی
یار تھا اور نہ کوئی یاور تھا | ساتھ بس اک خدائے برتر تھا
فضل سے اسکے بچ گئی میری جان | بچ گیا ہیں یہ اس کا ہے احسان
میرے ہمراہ اک سوار رہا | میرے صدمہ میں غمگسار رہا
اس نے ہاتھوں سے میری خدمت کی | اور زباں سے مجھے تسلّی دی
پانچ گھنٹے وہاں رہا ناچار | خاک پر پڑ گیا بحالتِ زار
تھا نہ بستر نہ چارپائی تھی | مَیں نے تکلیف سخت پائی تھی

رمضان اور عید کیسے گذرے

آج ہے عید بس گیا رمضان | ہائے افسوس! چل دیا مہمان
سارا رمضان میں سفر میں رہا | اسی چندہ کے دردسر میں رہا
صبح سے شام تک رہا چلتا | ایبٹ آباد رات کو پہنچا

ایک جگہ فرماتے ہیں ؎

میرے مولیٰ نے مجھ پہ فضل کیا! | تن دیا اور وہ تندرست دیا
شکر حق پر تواں ہوا ہوں مَیں | شصت سالہ جوان ہوا ہوں مَیں

یہ نمونہ ہے، اس محنت، ہمّت اور استقلال کا جو آپؒ نے اس سفر میں دکھایا۔

مسجد نور اِن مساعی کے سلسلہ میں سنہ ۱۹۱۰ء میں آپ نے مسجد نور کے لئے رقم جمع کر کے دی اور وہ تیار ہو گئی۔

ہسپتال پھر تین ہزار روپیہ کی رقم جمع کر کے نور ہسپتال بنوایا۔

دورُ الضُّعفاءٔ بہشتی مقبرہ کے قریب حضرت میر صاحب کی تحریک پر حضرت نواب محمد علی خان صاحب رئیس مالیر کوٹلہ نے بیس مکانوں کے لئے زمین دیدی۔ اور آپ نے وہاں غرباء کے لئے ایک محلہ آباد کر دیا۔ اس جگہ ایک کنوٗاں اور مسجد بھی بنوائی۔

بعد میں اسجگہ کا نام ناصر آباد رکھا گیا۔ اور اب اِسی نام سے مشہور ہے جہاں اب تک غرباء کی ایک جماعت آرام کرتی ہے۔

اُن کے اندر رفاہِ عام کا بڑا جذبہ تھا۔ احمدیہ چوک میں انہوں نے پُختہ اینٹوں کا فرش لگوایا اور وہاں کی نالیوں کی درستی کا کام کروایا۔

وہ غرباء کے لئے کپڑوں اور بستروں۔ رضائیوں وغیرہ کا بھی انتظام کرتے تھے۔

انہوں نے ایک مجلس ایسی بنائی تھی جس میں لوگ مِلکر دعائیں کیا کرتے تھے۔ ہفتہ میں ایک دفعہ لوگ اپنے گھروں سے کھانا لاکر اکٹھے بیٹھکر کھاتے تھے۔ اگر کوئی بیمار ہو جاتا۔ تو اپنے دوستوں کی ایک جماعت لیکر اس کی عیادت کو جاتے اور کبھی غریب اور معذور دوستوں کے کپڑے تک دھونے سے گریز نہ کرتے۔ وہ افسر مقبرہ بہشتی بھی رہے۔

الغرض

انہوں نے چھوٹے بڑے سینکڑوں ہی کام کئے۔ اور اُن کی تفصیل حیاتِ ناصر میں مِل سکتی ہے۔

حضرت میر صاحب کی طبیعت میں غصہ تھا۔ وہ جلد ناراض ہو جاتے تھے۔ مگر فوراً ہی صلح کر لیتے تھے۔ ان کو حضرت مسیح موعودؑ کی کتابوں کی اشاعت کے لئے بڑا جوش تھا۔ یہ ہے مختصر سی تصویر اس مردِ کامل کی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اُن کا بڑا ادب کرتے تھے۔ ایک دفعہ ۱۹۰۵ء میں جبکہ حضرت اقدسؑ دہلی تشریف لے گئے تھے۔ حضرت میر صاحبؓ بھی وہاں ہی تھے۔ وہ وہاں بیمار ہو گئے۔ تو فوراً حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ کو بذریعہ تار طلب کیا اور لکھا کہ بلا توقف چلے آؤ۔ ان کا بھی کمال تھا۔ کہ تار ملتے ہی بغیر گھر میں اطلاع دیئے۔ اور بغیر سامان سفر لیئے کے روانہ ہو پڑے۔ (سلسلہ احمدیہ صفحہ ۳۴۲)

خلافتِ اولیٰ کے لیے حضرت میر صاحبؓ کا نام

جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام فوت ہو گئے۔ تو حضرت خلیفۃ المسیح اوّل نے اپنی تقریر میں جن لوگوں کو منصبِ خلافت کا اہل قرار دیا ان میں حضرت میر صاحب بھی ایک تھے۔ آپ نے اپنی پہلی تقریر میں فرمایا :۔

"حضرت صاحبؑ کے اقارب میں سے اس وقت تین آدمی موجود ہیں۔

اوّل۔ میاں محمود احمد وہ میرا بھائی بھی ہے۔ میرا بیٹا بھی ہے اس کے ساتھ میرے خاص تعلقات ہیں۔ قرابت کے لحاظ سے میر ناصر نواب صاحب ہمارے اور حضرت کے ادب کا مقام ہیں۔ تیسرے قریبی نواب محمد علی خان صاحب ہیں۔"

(الحکم ۶ جون ۱۹۰۸ء صفحہ ۷)

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت میر صاحب کا مقام حضرت خلیفہ اوّل کی نگاہ میں کیا تھا۔ گویا وہ انکو اس مقام کے لوگوں میں سمجھتے تھے۔ جو منصب خلافت پر فائز ہونے کے قابل تھے۔

اس مقام کا بزرگ۔ بے نفس خدمت کرنیوالا انسان۔ سچ کہنے والا۔

غریبوں سے محبت کرنیوالا۔ خدا کے دین کے لئے ذلیل سے ذلیل کام سے بھی پرہیز نہ کرنے والا۔

یہ تھا میر ناصر نوابؒ

حضرت امّ المومنین کا باپ۔

مگر یہ بزرگ انسان ایک غدار گروہ کی آنکھوں میں بُری طرح سے کھٹکا کرتا تھا۔ اُن کو اس کی سچائی اور خدا لگتی بات پسند نہ آتی تھی۔ کیونکہ یہ بزرگ نفاق سے سخت نفرت کرنے والا تھا۔ اور منافقوں کو سخت حقارت سے دیکھا کرتا تھا ان کو بھی معلوم تھا۔ کہ یہ لوگ جو اپنے اندر کئی قسم کی روحانی امراض رکھتے ہیں مجھے اچھا نہیں جانتے۔ چنانچہ وہ اکثر کہا کرتے تھے:۔

"سچی بات سعد اللہ کہے سب کے مُنہ سے اُترا رہے"

اُن کی سچائی ہی اُن لوگوں کے لئے تکلیف کا موجب تھی۔ اصل بات یہ ہے۔ کہ یہ لوگ خاندان مسیح موعودؑ کے ابتداء سے دشمن تھے۔ ان کو حضرت مسیح موعودؑ کی اولاد سے اور حضرت مسیح موعودؑ کے اہل بیت سے انتہا درجے کی دشمنی تھی۔ وہ ان لوگوں کو خدا کے نشانات اور آیات بیں سے نہیں سمجھتے تھے۔ اور ان لوگوں کے وجود کو ان برکات کا حامل نہیں سمجھتے تھے۔ جن کا حامل انکو خدا نے بنایا تھا۔ اور ان مبارک وجودوں کو اپنی آزادیوں کے راستے میں روک خیال کرتے تھے۔ اس لئے اُن کے دل بغض و حسد سے جل رہے تھے۔

یہ ایک حقیقت ہے۔ کہ عشاق کی دُنیا اس دُنیا سے بالکل الگ ہوتی ہے۔ وہ لیلیٰ کے کتے سے بھی پیار کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ محبوب کی گلی سے پھر کر آیا کرتا ہے مگر منافقوں کی دُنیا بھی تو بالکل الگ ہوتی ہے۔ وہ محبوب کی اولاد تو ایک طرف رہی اس کے کتے کے مُنہ کے ٹکڑے پر بھی اعتراض کیا کرتے ہیں۔ اور یہی اُن کے

منافق ہونے کی نشانی ہے۔

چنانچہ باغ کی حفاظت کرنیوالے کُتّے کی ہڈیوں پر اعتراض کرنیوالے منافق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اولاد۔ اہلبیت اور دیگر قرابت والوں کو ہمیشہ ٹیڑھی نگاہ سے دیکھا کرتے تھے۔ اور یہی ان کی سلسلہ سے دشمنی کی ایک کھلی دلیل تھی۔ چنانچہ وہ انسان جسے خدا تعالےٰ نے حضرت ام المومنین کا باپ بنایا۔ جسے حضرت مسیح موعودؑ کی صہری ابوّت کا فخر حاصل ہوا جسے حضرت خلیفۃ المسیح اپنے ادب کا مقام قرار دیتے تھے، اور منصب خلافت کا اہل قرار دیتے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آنکھیں بند ہوتے ہی ان کے عتاب کا مورد بن گیا۔

چنانچہ

خلافتِ اولیٰ کے خلاف سازشوں کا ایک جال ان لوگوں نے بچھایا۔ اور اُن کی بُزدلی کا یہ عالم تھا۔ کہ وہ خفیہ ہی خفیہ کارروائیاں کیا کرتے تھے۔ خفیہ مجلس اور خفیہ تجویزیں اور خفیہ ٹریکٹ شایع کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک ٹریکٹ خفیہ اور گمنام لاہور کی احمدیہ بلڈنگس سے اظہار الحق ۲ کے نام سے شایع ہوا۔ جس میں انہوں نے حضرت میر صاحبؓ کے متعلق یوں لکھا۔

> "اصل بات یہ ہے کہ جماعت میں سب سے بڑا فتنہ بپا کرنیوالا میر ناصر نواب ہے۔ جس کی زبان سے کوئی بزرگ سلسلہ بچا ہو تو بچا ہو۔ ورنہ اس نے جماعت میں وہ فتور مچا رکھا ہے کہ الامان والحفیظ۔ عوام تو اس کی اس لئے عزت کرتے ہیں۔ کہ اسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے تعلق رشتہ داری ہے۔ مگر یہ شخص اس تعلق کو قوم میں فتنہ ڈالنے کا ذریعہ بنا رہا ہے۔

اور جہاں جہاں جاتا ہے۔ اُس کی زبان سے کبھی انجمن یا اس کے سرکردگان خصوصاً مولوی غلام حسن صاحب۔ میر حامد شاہ صاحب۔ مولوی محمد علی صاحب۔ خواجہ کمال الدین صاحب۔ شیخ رحمت اللہ صاحب۔ ڈاکٹر یعقوب بیگ صاحب۔ ڈاکٹر سید محمد حسین صاحب کی نسبت کلمہ خیر نہیں نکلا۔ بلکہ ان لوگوں کی برائی کرنا اس نے اپنی تبلیغ کا ایک فرض سمجھ رکھا ہے۔

اس کی یہ حالت دیکھکر اس کا اپنا ایک الہام یاد آتا ہے۔ جو اس نے قادیان میں سب کو سُنایا تھا۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ ؎

ناصر تیری زندگی ابتک نہیں گئی

اور تو نے خدا کی بندگی ابتک نہیں کری

غالباً میر صاحب موصوف کو ساری عمر میں یہی ایک الہام ہوا ہے۔ اور یہ جیسا کہ اُن کی حالت پر صادق آتا ہے۔ اور جاننے والے بخوبی جانتے ہیں۔ اس شخص نے پیغام صلح کے بند کرانیکے لئے ناخنوں تک زور لگایا ہے۔ اور ڈانٹ ڈپٹ سے، گالی گلوچ سے پیغام صلح کے خریداروں کی خبر لی ہے۔

اگر میرزا محمود صاحب۔ یا مسیح موعود صاحب کے دیگر رشتہ دار میر ناصر نواب اور ایڈیٹر الحکم کی زبان اور قلم کے طفیل بدنام ہوں تو اُن کو بُرا نہ ماننا چاہیئے۔ کیونکہ اُن کے داعیوں کے اخلاق ہی اس قسم کے ہیں۔

اللہ تعالے پناہ دے۔ تعجب آتا ہے۔ کہ اس بوڑھے کو سوائے لوگوں کی برائی کرنیکے اور کوئی کام ہی نہیں رہا۔ جب اس کی زبان

اور دلی کدورت کا یہ حال ہے۔ جو روپیہ یہ لوگوں سے قومی کاموں کے ناموں پر بٹورتا ہے۔ اور جس کا اس نے آج تک کبھی حساب آمد و خرچ شایع نہیں کیا۔ ان میں یہ کیسے اخلاص سے کام لیتا ہوگا۔ ساری قوم کو ایسے آدمیوں نے اُلّو بنا رکھا ہے۔ اور کن کن طریقوں سے یہ لوگوں کے دلوں میں زہر پھیلا رہے ہیں۔ قوم کے سرکردہ لوگ ہیں۔ کہ قوم کی خبر تک نہیں لیتے ہیں۔ مولوی نورالدین صاحب رضؓ نے ذرا ہنسکر میر صاحب کا نام لیا۔ تو ساری قوم واہ واہ کرنے لگ پڑی۔ اگر یہ شخص اس قسم کا فتور حضرت مسیح موعودؑ کی زندگی میں ڈالتا۔ تو اسے آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو جاتا۔ مگر اب پیر پرستی کا زور ہو رہا ہے۔

یہ شخص پہلے خواجہ کمال الدین صاحب اور ڈاکٹر عباد اللہ صاحب اور ظفر علی خان ایڈیٹر زمیندار کے فوٹو لیئے پھرتا رہا۔ اور جماعت کو یہ بتاتا رہا۔ کہ دیکھو خواجہ اور اس کا دوست عباد اللہ ڈاڑھی منڈوائے انگریزی فیشن میں بیٹھے ہیں۔ اپنے آدمیوں کی بُرائی کر کے ایڈیٹر زمیندار کی تعریف کرتا رہا۔ کہ اس نے فیشن نہیں بدلا۔ یہی باعث ہے۔ کہ خواجہ صاحب کی ڈاڑھی کی نسبت اسقدر بدگمانی جماعت میں پھیلی۔ جب اپنوں کا یہ حال ہے۔ تو بیگانوں پر کیا الزام۔

جب تک ہماری جماعت میں اخلاقی جرأت پیدا ہو کر پیر پرستی کی بنیاد نہ اُکھڑے گی۔ ایسے لوگوں کی زبانیں کبھی بند نہ ہونگی۔ اور جماعت سے ایسے فاسد خیال کبھی دُور نہ ہوں گے۔ اب وقت ہے

کہ بزرگانِ سلسلہ ملکر قومی مصائب سے چھٹکارے کا کوئی علاج تلاش کریں۔ یہ سلسلہ مولوی نور الدین صاحبؓ یا میرزا محمود صاحب کا ذاتی نہیں۔ بلکہ جملہ احمدیوں کا ہے۔ ہماری جماعت میں میر ناصر نواب کا یارِ غار یعقوب علی ایڈیٹر الحکم فتنہ پھیلانے میں بڑا حصہ لے رہا ہے۔ (ٹریکٹ اظہار الحق صفحہ ۷)

اس عبارت میں حضرت میر صاحبؓ پر مندرجہ ذیل الزامات لگائے گئے ہیں :-

۱۔ مولوی غلام حسن صاحب۔ میر حامد شاہ صاحب۔ مولوی محمد علی صاحب خواجہ کمال الدین صاحب۔ شیخ رحمت اللہ صاحب۔ ڈاکٹر یعقوب بیگ صاحب۔ ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب کی نسبت کبھی کلمہ خیر نہیں نکلا۔ ان کی بُرائی اپنی تبلیغ کا ایک فرض خیال کر رکھا ہے۔

۲۔ حضرت میر صاحبؓ کو ایک الہام ہوا تھا ۔

ناصر تیری درندگی ابتک نہیں گئی ؛ اور تو نے خدا کی بندگی ابتک نہیں کسی

غالباً یہ اُن کو ساری عمر میں ایک ہی الہام ہوا تھا۔

۳۔ انہوں نے پیغام صلح کے بند کرانے کے لئے ناخنوں تک کا زور لگایا اور اس کے خریداروں کی گالی گلوچ سے خبر لی۔

۴۔ اگر (حضرت) میرزا محمود (احمد) صاحب یا مسیح موعودؑ کے دیگر رشتہ دار میر صاحب اور ایڈیٹر الحکم کی قلم کیوجہ سے بدنام ہوں۔

۵۔ جب ان کی دلی کدورت کا یہ حال ہے۔ تو جو روپیہ وہ قومی کاموں کے نام سے بٹورتا ہے۔ جس کا اس نے کبھی حساب نہیں دیا۔ اس میں کس اخلاص سے کام لیتا ہوگا۔

۶۔ انہوں نے ساری قوم کو اُلو بنا رکھا ہے
۷۔ لوگوں میں پیر پرستی کا زور بڑھ رہا ہے۔
۸۔ یہ شخص خواجہ صاحب اور ڈاکٹر عباد اللہ صاحب کی ڈاڑھی منڈی ہوئی اور انگریزی فیشن میں ملبوس ہوئے کے فوٹو لیا پھرتا رہا۔
۹۔ جماعت میں سے پیر پرستی کی بنیاد اُکھاڑنے کی سخت ضرورت ہے۔ تاکہ ایسے لوگوں کی زبانیں بند ہو سکیں۔
۱۰۔ سلسلہ مولوی نورالدین صاحب یا میرزا محمود صاحب کا نہیں۔ بلکہ جملہ احمدیوں کا ہے۔

یہ دس باتیں اس تحریر سے نکلتی ہیں۔ اظہار الحق ٹریکٹ ایک خفیہ انجمن کا سرکلر تھا۔ جس کا مرکز احمدیہ بلڈنگس لاہور میں تھا۔ اگر ان دس باتوں کی تردید پر پورے زور سے لکھا جائے۔ تو یہ بجائے خود ایک کتاب کا مضمون ہے۔ اور اس کتاب میں اس کی گنجائش نہیں۔ تاہم میں سرسری نگاہ سے ان اعتراضات پر کچھ لکھ دینا چاہتا ہوں۔

(۱)

حضرت میر صاحبؓ کا معمول یہ تھا۔ کہ وہ حق کو حق کہتے تھے اور باطل کو باطل۔ چنانچہ جب تک ان کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سچائی پر یقین نہ آیا انہوں نے پوری طاقت سے مقابلہ کیا۔ اور جب ان پر حق کھل گیا۔ تو پھر اس کی خدمت میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔

جب ان کا یہ اصول تھا۔ اور اسی اصول کے ماتحت ایک وقت انہوں نے اپنے عزیز ترین عزیز کی بھی مخالفت کی۔ تو ان سے یہ توقع رکھنی، کہ وہ ان لوگوں کی ناجائز باتیں دیکھتے ہوئے بھی ان کی طرفداری کریں گے ع

ایں خیال است و محال است و جنوں

کیا خواجہ صاحب یا مولوی محمدؐ علی صاحب یا کوئی اور صاحب محض اسلئے کہ وہ بظاہر بڑے سمجھے جاتے تھے۔ ہر حد اور قانون سے باہر ہو گئے تھے شریعت کا قانون تو ایک مزدور اور گداگر اور ایک بادشاہ کے لئے یکساں ہوتا ہے۔
کیا تاریخ اسلام جبلہ کے ارتداد کو بھول سکتی ہے۔ جو غسانیوں کا بادشاہ تھا۔ مگر قانونِ شریعت کی زد سے بچنے کے لئے مرتد ہو گیا تھا۔

پس

جب قانونِ شریعت کسی کو نہیں چھوڑتا۔ تو خواجہ صاحب جو مبلغ اسلام کے لباس میں تھے، ان کے ڈاڑھی منڈوانے کے فعل کے متعلق میر صاحبؓ سے یہ توقع رکھنا، کہ وہ اس کی تعریف کرینگے۔ خود اس امر کی دلیل ہے۔ کہ ایسے لوگوں کے قلب میں شعائرِ اسلام کی کوئی عزت نہیں تھی۔

معترض چاہتا ہے۔ کہ حضرت میر صاحبؓ ان لوگوں کی جا و بیجا تعریف کریں اور اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔ اسلام تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم دیتا ہے۔

ان لوگوں کی حالت اس حد تک مسخ ہو چکی تھی، کہ یہ چاہتے تھے۔ کہ خواجہ صاحب مبلغِ اسلام ہو کر بھی اگر ڈاڑھی منڈوا دیں تو ان کی مذمت نہیں، تعریف کرنی چاہئے۔ اور اہل بیت اگر لوگوں کو نیکی کی طرف بلائیں اور لوگ ان کی بات مان لیں۔ تو پیر پرست بن جاتے ہیں۔ العجب!

انہوں نے لکھا ہے۔ کہ میر صاحب کبھی ان کی تعریف نہیں کرتے تھے، یہ بھی غلط ہے۔ چنانچہ میر صاحبؓ کی تحریریں ان کی اس بات کی تردید کرتی ہیں۔
حضرت میر صاحب حضرت مولوی غلام حسن صاحب کی نسبت فرماتے ہیں ؎

ہیں یہاں مولوی غلام حسنؓ ؛ خلق میں خوب خُلق میں احسن
ہیں جماعت کے وہ یہاں سردار ؛ کل جماعت ہے اُنکی تابعدار
پائی مَیں نے وہاں بہت راحت ؛ سُنے اُن سے کلام پُر الفت

(سفرنامہ ص۱۱)

حضرت میر حامد شاہ صاحبؓ کی نسبت فرماتے ہیں ؎

ملے مسجد میں مجھ کو حامد شاہ ؛ ان سے راضی رہے سدا اللہ

خواجہ صاحب کے لیکچر کی نسبت فرماتے ہیں ؎

خواجہ صاحب کا تھا وہاں لیکچر ؛ پر نہ مسرور مَیں ہوا سُنکر
ہمرہی کو نہ مجھ کو کوئی ملا ؛ جو جوانوں میں مجھکو لیجاتا
لوگ کہتے تھے خوب لیکچر تھا ؛ خوب بولا میر اسخنور تھا
بھائیوں کو خوشی ہوئی سُنکر ؛ خواجہ لائے تھے بات کو چُنکر
خیر سے وعظ تمام ہوُا ؛ خواجہ صاحب کا خوب نام ہوُا

یہ چھپی ہوئی شہادت موجود ہے۔ جس سے واضح ہوتا ہے۔ کہ حضرت میر صاحبؓ اچھی بات کو اچھا کہتے تھے۔ اور بُری کو بُرا۔

اس طرح جب انہوں نے ان لوگوں کی نیتوں میں فتور، ان کے اخلاص میں کمی۔ سلسلہ کے اموال کو اپنے ہاتھ میں لینے کا شوق۔ لوگوں پر حکومت کرنے کا جذبہ محسوس کیا۔ تو ان کو ان لوگوں سے نفرت ہو گئی۔ اور یہ چاہتے تھے۔ کہ کوئی ان کو روکنے والا نہ رہے۔ اور کوئی ان کی حرکات سے سلسلہ کے افراد کو آگاہ اور مطلع نہ کرے۔ مگر فدا کارانِ سلسلہ سے کب ایسی توقع ہو سکتی تھی۔ اور

یہی چیز ان کی نگاہ میں کھٹکتی تھی۔

(۳)

حضرت میر صاحبؓ کی طرف ایک الہام انہوں نے منسوب کیا ہے۔ جو ان لوگوں کے خلاف ہمیشہ ایک حجت رہے گا۔ کہ یہ لوگ افتراء علی اللہ سے بھی پرہیز نہیں کرتے تھے۔ حضرت میر صاحبؓ کے گھرانے کو خدا تعالیٰ کا حضرت مسیح موعودؑ کے لیے انتخاب کرنا۔ اور پھر خدا تعالےٰ کا یہ فرمانا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الصِّهْرَ وَالنَّسَبَ

بذات خود حضرت میر صاحبؓ کی نیکی۔ تقوے۔ پاکیزگی۔ شرافت ذاتی۔ شرافت نسبی کی ایک کھلی کھلی دلیل ہے۔ خدا کی اس شہادت کے بعد یہ مصنوعی الہام ان لوگوں کے منہ پر ایک تھپڑ ہے۔ جوہر نیک اور صاحب بصیرت کو اس طرح راہنمائی کریگا۔ کہ ان لوگوں کے قلوب کی حالت کس قدر خراب ہو چکی تھی۔ کہ وہ لوگوں کو حق بات سے ہٹانے کے لئے افتراء تک سے پرہیز نہ کرتے تھے۔

اگر ان سے کوئی دریافت کرے کہ تم بتلاؤ، کہ یہ الہام کہاں درج ہے اور اس کا کیا ثبوت ہے۔ کہ حضرت میر صاحبؓ کو یہ الہام ہوا تھا؟

سوال نمبر ۳ کی بھی ایسی ہی نوعیت ہے۔ یہ بھی ایک دعویٰ بلادلیل ہے۔

(۴)

اہلبیت اگر حضرت میر صاحبؓ اور ایڈیٹر الحکم کی وجہ سے بدنام ہوں تو ان کا برا نہیں ماننا چاہیئے۔

بدنامی کا سبب حضرت میر صاحبؓ یا حضرت ایڈیٹر صاحب الحکم نہ تھے بلکہ خفیہ سازشیں۔ خفیہ ٹریکٹ۔ خفیہ منصوبے۔ خفیہ انجمنیں تھیں۔ جو ان لوگوں نے بنا رکھی تھیں۔ اور بعد کے واقعات نے سب کچھ

طشت از بام کر دیا تھا۔

(۵)

حضرت میر صاحب کے جمع شدہ چندہ پر اعتراض - یہ بھی ایک لغو اور فضول اعتراض تھا - مزہ تو تب تھا - کہ تم دو چار ایسے آدمیوں کو کھڑا کرتے - جو موکد بعذاب قسم کھا کر کہتے - کہ ہم نے حضرت میر صاحب رض کو اتنی اتنی رقوم دی تھیں اور وہ انہوں نے کھالیں - حضرت میر صاحب رض جو روپیہ لاتے تھے - وہ صدر انجمن کے خزانہ میں جمع کروا دیا کرتے تھے - ان کی بنی ہوئی عمارتیں زبانِ حال سے آج پھر حضرت میر صاحب رض کی خدمات کا اعتراف کر رہی ہیں -

مسجد نور صدر انجمن کی نگرانی میں بنی - نور ہسپتال کا روپیہ دو سال سے زائد مولوی محمد علی صاحب کے پاس امانت پڑا رہا - اور بالآخر انہوں نے ہی اسے بنوایا - ان کا دامن تو ان واقعات کے لحاظ سے پاک نظر آتا ہے - اور پھر ان کی پاکیزگی پر دوسری بڑی دلیل یہ ہے - کہ وہ زندگی بھر حضرت مسیح موعود ع کے دامن سے وابستہ رہے - خلافتِ اولیٰ اور ثانیہ میں اپنی اطاعت کا یکرنگ ثبوت دیا - اور آج وفات کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قدموں میں بہشتی مقبرہ کے اُس حصہ میں میٹھی نیند سو رہے ہیں - جس پر باوجود نہایت دشمنی کے تمہارے عمائدین اعتراض نہیں کر سکتے - اور وہ جنکو یہ سمجھا جاتا تھا - کہ وہ سلسلہ کے اصل ہی خواہ ہیں - آج اُن کا پتہ بھی نہیں چلتا - کہ وہ کہاں ہیں - اس دُنیا میں بھی وہ الگ ہو گئے - اور موت نے ان کی قبروں کو بھی دُور کی زمین میں منتقل کر دیا - ان کے عقائد بھی بدل گئے - ان کے خیالات بھی بدل گئے - ان کو مسیح موعود علیہ السلام کی ہر ایک چیز سے دشمنی ہو گئی - یہی ایک چیز بطور حدِ فاصل اور سنگ میل کے دُنیا کو نظر آتی رہے گی -

بالکل یہی صورت دوسرے اعتراضوں کی ہے - ان کی قلم اور زبان

خلافتِ اولیٰ۔ خاندانِ مسیح موعود علیہ السلام اور جماعت احمدیہ کیخلاف یکساں چلی۔ اور کوئی بزرگ اور نیک نفس ان کی فتنہ سازی سے بچ نہ سکا۔

پس

حضرت میر صاحبؓ کی مخالفت کا محوری نقطہ یہ تھا۔ کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے رشتہ دار تھے۔

وہ ان لوگوں کی ہاں میں ہاں نہیں ملاتے تھے۔ وہ ان سے مرعوب نہ ہوتے تھے۔ قوم ان کی بات سنتی تھی۔ اور ان کا اثر قوم میں تھا جتی کہ خلیفۂ وقت بھی انکو عزت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ یہ تھا اصل جرم۔ اور یہی چیز تھی جس سے ان کو ڈر آتا تھا۔ اور ان کو خیال پیدا ہوتا تھا۔ کہ یہ چیز ہمارے لئے کسی وقت ایک پہاڑ بن جائے گی۔ اور ان کا خوف بھی سچا تھا۔ بالآخر جماعت کا یہ پہاڑ ان کے راستہ میں کھڑا ہو کر رہا۔

—— (۵-۴) ——

قوم کو اُلّو بنا رکھا ہے۔ پیر پرستی کا زور بڑھ رہا ہے۔ یہ الفاظ سلسلہ کے افراد کی کھلی توہین تھے۔ مگر اصل بات یہ ہے۔ کہ قوموں کی سائیکالوجی جاننے والے جانتے ہیں۔ کہ الفاظ کے پیچھے بھی ایک قوت ہوتی ہے۔ حکومتیں اصطلاحات اور الفاظ کی طاقت سے کیجاتی ہیں۔ اس جنگ میں وکٹری ایک لفظ ہے۔ یا ایک اصطلاح جس کا کتنا گہرا اثر ہے۔ غداری ایک لفظ ہے اسکا کسقدر شدید اثر ہے۔ اتحادی۔ دوست۔ ساتھی ان سب الفاظ کا ایک اثر ہے۔ اسی طرح کانگرس کے زور کے زمانے میں ٹوڈی بچہ۔ جھولی چک طفیلی کیڑے وغیرہ الفاظ وضع کیے گئے تھے۔ اور ان کا کسقدر گہرا اثر تھا۔ عدم تشدد سوراج۔ اکھنڈ ہند۔ پاکستان۔ ان سب الفاظ کے پیچھے بہت بڑے

مطالب پوشیدہ اور پنہاں ہیں۔ ایک زمانہ تھا۔ کہ مذہبی خیال کے لوگوں کی مذمت دقیانوسی اور اولڈ فیشن کے الفاظ سے کیجاتی تھی۔

بالکل اسی سایئکالوجی کے ماتحت ان لوگوں نے جنہوں نے سلسلہ میں ایک فتنہ کی بنیاد رکھی۔ ہر اس شخص کی بھیانک تصویر پیش کرنیکی کوشش کی جو ان کے خیالات کے راستے میں روک تھا۔

انہوں نے حضرت مسیح موعود پر بھی ڈھنگ ڈھنگ سے اعتراض کئے انہوں نے حضرت ام المومنین علیہا السلام پر بھی اعتراض کئے۔ انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اولاد پاک پر بھی اعتراض کئے۔ انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خسر پر اعتراض کئے۔ انہوں نے خلافت اولیٰ پر بھی اعتراض کئے۔ اور مجھے فخر ہے کہ ان پاکبازوں کی جماعت کے ساتھ میرے والد بزرگوار حضرت عرفانی کبیر پر بھی اعتراض کئے۔ اسی سلسلہ میں انہوں نے جماعت کے لوگوں کی ذہنیت کو بدلنے کیلئے

الّو اور پیر پرست

کے خطابات وضع کئے تھے۔ یہ ایسے ہی خطابات تھے۔ جیسے ٹوڈی بچہ۔ دقیانوسی غدار وغیرہ خطابات وضع کئے گئے تھے۔ تاکہ لوگ ان الفاظ کی تاثیر، اور شناعت سے متاثر ہو کر دامن خلافت سے، سچائی سے، اہل بیت کی محبت سے الگ ہو جائیں۔

مگر

خدائی قلعہ میں رہنے والی جماعت اس قسم کے سحر سامری سے متاثر نہیں ہوا کرتی وہ ایک بُنیانِ مرصوص کی طرح آگے ہی آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

حضرت میر صاحبؓ خلافت ثانیہ میں

حضرت میر صاحب کو اللہ تعالیٰ نے خلافت ثانیہ کا زمانہ بھی دکھایا انہوں نے جیسی اطاعت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانے میں دکھائی جس فرمانبرداری کا ثبوت خلافتِ اولیٰ میں دیا۔ اسی اطاعت اور فرمانبرداری کا ثبوت خلافتِ ثانیہ میں دیا۔ ابتدائے خلافتِ ثانیہ میں وہ دبا ہوا فتنہ کھڑا ہو گیا۔ ایک فریق نے جو اِن لوگوں سے متاثر تھا۔ اس بغاوت میں حصہ لیا۔ اور وہ خلافت کے مقابل میں دشمن بنکر کھڑے ہو گئے۔ حضرت میر صاحبؓ کو اس فتنہ کو دبانے کی بھی توفیق ملی۔

میر صاحبؓ کی زندگی کے چند اور واقعات

میں نے لکھا ہے۔ کہ حضرت میر صاحبؓ قبلہ کی طبیعت میں سختی تھی۔ قرآن کریم نے مومنوں کی صفت یہ بیان کی ہے

اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ

ان میں ایک سختی بھی ہوتی ہے۔ جو سختی غیرت دینی کے ماتحت ہو۔ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابلِ تعریف ہوتی ہے۔ حضرت میر صاحبؓ کی سختی بھی غیرت دینی کے ماتحت ہی تھی۔ اور جن لوگوں کو وہ نیک دل مومن یقین کرتے تھے۔ انکی ہر خدمت کرنے کے لئے تیار تھے۔ بعض اوقات نا واقف عرفِ عام کے لحاظ سے نہایت ہی غریب طبقہ کے لوگوں کو، مگر جن کے سینے نورِ ایمان سے معمور ہوتے تھے ساتھ ساتھ لئے پھرتے۔ ان کیساتھ بیٹھکر کھاتے پیتے۔ محبت کی باتیں کرتے۔ اور اپنے

ساتھ بڑے بڑے آدمیوں کی مجلسوں میں لیجاتے تھے۔ یہ شان اُن کی بے نفسی۔ محبت صلحاء کی ایک کھلی کھلی دلیل ہے۔ وہ غریب لوگوں کی حالت پر رقیق القلب بھی تھے۔ اُن کی آنکھوں میں آنسو آجاتے تھے۔ وہ جب کسی بھائی سے ناراض ہوتے تو فوراً صلح میں بھی پیش دستی فرمایا کرتے تھے۔

عرفانی کبیر سے ناراضگی اور صلح

ابتدائی ایام میں ۱۸۹۸ء کی بات ہے۔ جبکہ عرفانی کبیر مدرسہ تعلیم الاسلام کے ہیڈ ماسٹر تھے۔ اور حضرت میر صاحب ناظم تھے کسی بات پر دونوں میں ناراضگی ہوگئی۔ حضرت عرفانی کبیر نے چاہا۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے شکایت کریں۔ حضرت اقدسؑ متوجہ ہوئے ہی تھے۔ کہ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے ڈانٹ دیا۔ اور حضرت اقدسؑ کے دریافت کرنے پر عرض کی۔ کہ میں سمجھا دونگا۔ دوسرے دن حضرت مخدوم الملت نے حضرت میر صاحبؓ کے مناقب بیان فرمائے۔ فرمایا:۔

"یہ وہ شخص ہے۔ جو حضرت ام المومنین کا باپ ہے وہ طبیعت میں بلینشک تیز ہوں۔ مگر بہت صاف باطن اور خیر خواہ ہیں۔ تم ان سے صلح کرلو۔"

عرفانی کبیر نے ان کی بات مان لی۔ اور چاہا۔ کہ جاکر ان سے معذرت کریں۔ مگر دیکھا۔ کہ حضرت میر صاحبؓ خود تشریف لارہے ہیں۔ آتے ہی بآواز بلند السلام علیکم کہا۔ اور عرفانی کبیر کو پکڑ لیا۔ اور اظہار محبت فرمایا۔

ایک اور واقعہ

جناب شیخ محمد اسمٰعیل صاحب سرساوی جو خود بھی تیز طبیعت رکھتے تھے،

ایک دفعہ حضرت میر صاحبؓ سے کسی بات پر ناراض ہو گئے۔ یہ ۱۹۳۱ء کی بات ہے۔ حضرت میر صاحبؓ جب حج سے واپس آئے۔ تو شیخ صاحب کی دکان پر آئے۔ ان سے ملاطفت کی باتیں کیں اور فرمایا کہ:۔

"یہ دیگچی اور رکابی ہے۔ اس میں ہم مکہ مکرمہ میں کھانا پکاتے اور کھاتے تھے۔ مَیں نے وہیں ایام حج میں ہی نیت کر لی تھی کہ واپس آکر آپ کو دونگا۔ اگر آپ خوشی سے لے لیں۔"

اس طرح شیخصاحب کی دلداری بھی کی۔ اور ان سے صلح بھی کر لی۔ الغرض حضرت میر صاحبؓ صلح کرنے میں بھی بہت پیش پیش تھے۔

آپؓ کو یہ مقام کیسے حاصل ہوا؟

حضرت بھائی عبد الرحمن صاحب قادیانی نے مجھے حضرت میر صاحبؓ کی سیرت کا ایک عجیب واقعہ سنایا۔ انہوں نے فرمایا۔ کہ ایک زمانہ میں مَیں دکان کیا کرتا تھا۔ جس میں ناشتہ وغیرہ کے کیک، پیسٹری۔ سوڈا برف دودھ وغیرہ ہوا کرتا تھا۔ کبھی کبھی حضرت میر صاحب میری دکان میں تشریف لایا کرتے اور جس چیز کی خواہش کرتے وہ پیش کر دیجاتی۔ بھائی جی کا مذہب تو دراصل مذہب عشق تھا۔ ان کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ سچا عشق تھا۔ اس عشق کیوجہ سے خاندان مسیح موعودؑ کے ہر فرد سے عشق تھا۔ اور ہے۔ چنانچہ مَیں نے دیکھا۔ کہ وہ بعض اوقات خاندان مسیح موعود علیہ السلام کے چھوٹے چھوٹے نونہالوں کے ہاتھوں کو بوسہ دیدیا کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کو یہ اس درخت کے پھول اور پھل نظر آتے ہیں۔ جو ہمیشہ ان کی محبت کا نقطہ مرکزیہ رہا۔ الغرض اسی محبت کیوجہ سے ان کو حضرت میر صاحبؓ کا بڑا ادب اور پاس تھا اور محبت تھی۔ وہ خوشی سے لبریز ہو جایا

کرتے تھے۔ جب کبھی حضرت میر صاحبؓ دوکان میں آتے اور اس خوشی میں ہر اچھی سے اچھی چیز اٹھا کر آگے رکھتے چلے جاتے۔ حضرت میر صاحبؓ خود کھاتے۔ اور کبھی اپنے دوستوں کو بھی کھلاتے۔ اور کبھی کبھی موج میں آکر فرما دیا کرتے کہ۔

"میاں عبدالرحمٰن! ہم اپنا حق سمجھ کر کھاتے ہیں۔ اور یہ اس لئے کہ ہمارا اور آپ کا تعلق بڑھے"

بھائی جی فرماتے تھے۔ کہ اس سے یہ خیال نہیں کرنا چاہیئے۔ کہ حضرت میر صاحبؓ مفت کھاتے تھے۔ بیشک وہ اس وقت عام خریداروں کیطرح قیمت ادا نکرتے تھے۔ مگر جب تک وہ دگنی تگنی خدمت دوسرے رنگ میں نہیں کر لیتے تھے وہ مطمئن نہ ہوتے تھے۔

بھائی جی کے دل میں ایک سوال ہمیشہ گدگدی لیا کرتا تھا۔ وہ موقع کی تلاش میں تھے ایک دن دکان میں تنہا ہی تھے۔ حضرت میر صاحبؓ تشریف لے آئے۔ ان کی طبیعت اس وقت بہت خوش تھی۔ بھائی جی جو موقع کی تلاش میں تھے، نے اس موقعہ سے فایدہ اٹھا کر سوال کر دیا۔ حضرت! یہ مقام جو آپ کو حاصل ہوا اس میں کیا راز ہے۔ وہ کونسی بات تھی جو آپ کو اس جگہ پر لے آئی؟۔ حضرت میر صاحبؓ کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے۔ رقت ان کے گلے میں گلوگیر ہو گئی۔ مگر اس بھرائی آواز میں فرمایا:۔

"میرے ہاں جب یہ بلند اقبال لڑکی پیدا ہوئی۔ اس وقت میرا دل مرغ مذبوح کیطرح تڑپا۔ اور میں پانی کیطرح بہہ کر آستانہ الٰہی پر گر گیا۔ میں نے اس وقت بہت درد اور سوز سے دعائیں کیں۔ کہ اے خدا! تو ہی اس کے لئے سب کام بنا ئیو۔ معلوم نہیں اس وقت کیسا قبولیت کا وقت تھا۔ کہ اللہ تعالےٰ اس بیٹی

کے صدقے میں مجھے یہاں لے آیا۔"

یہ روح ہے۔ اس جواب کی۔ ممکن ہے الفاظ میں مرورِ ایام سے کچھ فرق پڑ گیا ہو۔

بھائی جی جب مجھے یہ واقعہ سُنا رہے تھے۔ اُن کے چہرے کی ایسی حالت تھی۔ گویا کہ وہ میر صاحبؓ کو سامنے بیٹھے دیکھ رہے ہیں۔ اور اُن کی رقتِ قلب اُن کے قلب پر اثر کر رہی تھی۔ اور خود بھائی جی کی بھی اس وقت آواز بھر آئی۔ اور رقت سے آنکھیں لبریز تھیں۔

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت اُم المومنین کی پیدائش کا واقعہ ایک غیر معمولی واقعہ تھا۔ اس وقت کوئی خاص گھڑی تھی۔ دعا کی قبولیت کا خاص وقت تھا۔ کیونکہ ایک بڑی پاکیزہ روح آسمان سے لائی جا رہی تھی۔ ملائکہ زمین پر اُترے ہوئے تھے۔ جو زمین کو اپنی برکتوں سے مالا مال کر رہے تھے۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت میر صاحب قبلہ حضرت ام المومنین کے متعلق متواتر دعاؤں میں لگے رہے۔ کیونکہ حضرت ام المومنین کی شادی سے قبل حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو یہی لکھا کہ:۔

"دعا کرو۔ کہ خدا تعالےٰ مجھے نیک اور صالح داماد عطا کرے۔"

دعاؤں کی یہ کثرت اور حضرت میر صاحبؓ جیسے با خدا انسان کی دن رات کی گریہ وزاری جہاں حضرت میر صاحب کی ذاتی سیرت پر ایک بڑا بیّن اثر ڈالتی ہے۔ وہاں حضرت ام المومنین کے مقام کا بھی پتہ دے رہی ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک رؤیا

"۱۳ / مارچ ۱۹۰۶ء کو حضورؑ نے ایک رؤیا دیکھا۔ کہ میر

ناصر نواب صاحب اپنے ہاتھ پر ایک درخت رکھکر لائے ہیں۔ جو پھلدار ہے۔ اور جب مجھ کو دیا۔ تو وہ ایک بڑا درخت ہو گیا۔ جو بیدانہ توت کے درخت کے مشابہ تھا اور نہایت سبز تھا۔ اور پھلوں اور پھولوں سے بھرا ہوا تھا۔ اور پھل اس کے نہایت شیریں تھے۔ اور عجیب تر یہ کہ پھول بھی شیریں تھے۔ مگر معمولی درختوں میں سے نہیں تھا۔ ایک ایسا درخت تھا۔ کہ کبھی دنیا میں نہیں دیکھا گیا میں اس درخت کے پھل اور پھول کھا رہا تھا کہ آنکھ کھل گئی۔

(بدر جلد ۲ نمبر ۱۱۔ الحکم جلد ۱۰ نمبر ۹۔ الفضل جلد ۱۹ نمبر ۱۳۶۔ تذکرہ صفحہ ۵۴۲)

یہ رؤیا بالکل واضح ہے۔ وہ درخت جو حضرت میر صاحب کی معرفت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دیا گیا۔ وہ حضرت ام المومنین کا وجود مبارک ہی تھا جو ایک بڑا درخت بنگیا۔ جس کے پھل اور پھول سب شیریں ہیں۔ اور بحقیقت ہے۔ کہ اس زمانہ میں تو ایسے پاکیزہ درخت کی مثال نہیں مل سکتی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دیگر پیشگوئیاں جو اس بابرکت خاندان کے متعلق ہیں۔ وہ اس رؤیا کی کھلی کھلی تفسیر ہیں۔

الغرض حضرت میر صاحبؓ کا مبارک وجود بذاتِ خود ایسا قیمتی وجود تھا۔ کہ جنکو اتنی بڑی سعادت و دولت نصیب ہوئی۔ کہ حضرت ام المومنین جیسی بیٹی ملی۔

یہ مرد کامل

اپنی زندگی کے ایام نیکی، تقوے۔ بھلائی۔ مخلوق کی ہمدردی میں گذار کر ۱۹ ار ستمبر ۱۹۲۴ء کو بروز جمعہ ۹ بجے صبح اپنے مولیٰ حقیقی سے جا ملا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا

اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ؕ

نماز جنازہ

جماعت کے ساتھ حضرت مولوی شیر علی صاحب نے پڑھائی۔ کیونکہ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز اس وقت سفر یورپ میں تھے۔

خطبہ جمعہ میں حضرت مولوی صاحب نے فرمایا :۔

"مجھے ضرورت نہیں۔ کہ مَیں اُن کے اوصاف آپ لوگوں کے سامنے بیان کروں۔ کیونکہ آپ لوگ جانتے ہیں۔ کہ انکو خدا تعالیٰ نے ہم میں سے یہ خاص امتیاز اور سعادت بخشی تھی کہ آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خُسر تھے۔ آپ نے اپنی زندگی مومنانہ اور متقیانہ طور پر بسر کی۔ ہمیشہ قال اللہ اور قال الرسول پر کاربند رہے۔ انہوں نے اپنی زندگی کا ایک حصہ ایسے عُہدے کی ملازمت میں گذارا جس میں رشوتیں لی جاتی ہیں اور پھر انواع و اقسام کے لالچوں کا بھی موقع تھا۔ لیکن انہوں نے اپنے آپ کو ہمیشہ بچائے رکھا۔ اور کبھی کوئی ناجائز چیز نہ لی۔

. . . .

آپ بہت عرصہ حضرت مسیح موعودؑ کے قُرب میں رہے۔ اور اپنی زندگی سلسلہ کے لئے وقف کر دی اور بنی نوع کی خبرگیری اور بہتری کے لئے کوشاں رہے۔ باوجود بوڑھے اور کمزور ہونیکے دین کی خدمت، غریبوں اور ضعیفوں کی مدد کرتے رہے۔ دین کے لئے چندہ وصول کرنے کے لئے ایسی ایسی جگہیں گئے جہاں ابھی تک ہمارے مبلغ بھی نہیں گئے۔ آپنے چندے سے مسجد نور

بنوائی۔ جو آپ کی یادگار ہے۔ پھر بنی نوع انسان کی ہمدردی کے لئے نور ہسپتال بنوایا، جو آپ کے نام کو ہمیشہ روشن کرتا رہے گا۔ دور الضعفاء کا محلہ آباد کیا۔ ہر ممکن صورت سے غریبوں کی امداد کرتے رہے۔ اور اسی کام میں انہوں نے اپنے آپ کو وقف کردیا۔ یہانتک کہ آپؓ کو موت آگئی جس سے چارہ نہیں۔ ہمیں چاہیئے۔ کہ جس طرح انہوں نے ہماری خبرگیری اور امداد میں زندگی گذاری ہے۔ ہم بھی ان کے لئے بہت بہت دعائیں کریں۔ کہ خدا تعالےٰ ان کو جنت الفردوس میں داخل کرے۔" (الفضل ۱۲؍اکتوبر ۲۴ء)

حضرت امیر المومنین کی سفر یورپ سے واپسی

۲۴؍نومبر ۱۹۲۴ء کی صبح کو حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز اپنے قافلہ سمیت واپس تشریف لے آئے۔ آپ نے تمام خدام سے ملاقات کے بعد فرمایا:۔

"میں دوستوں کو یہ بتانا چاہتا ہوں۔ کہ اب میں پیدل ہی قادیان جاؤں گا لیکن قادیان میں داخل ہونے سے پہلے میرا منشاء ہے۔ کہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مزار پر جاؤں۔ کیونکہ وہاں جاکر دعا کرنی ہے۔ اور میر صاحب (یعنی حضرت میر ناصر نواب صاحب) کا جنازہ بھی پڑھنا ہے مگر وہاں صرف میں اور میرے ہمراہی ہی جائیں گے۔ جو میرے ساتھ سفر سے آئے ہیں۔ وہاں سے لوٹ کر ہم مسجد مبارک میں

نماز پڑھیں گے ۔" (الفضل ۲۹ نومبر ۲۴ء صد ۲)

چنانچہ اسی پروگرام کے ماتحت مقبرہ بہشتی میں تشریف لے گئے ۔ مقبرہ کے کنوئیں پر وضو کرکے پہلے اکیلے حضرت کے مزار پر جاکر دعا کی ۔ پھر اپنے رفقائے سفر کو بھی بلا لیا ۔ پھر سب نے مل کر دعا کی ۔ دعا کے بعد حضور نے حضرت میر ناصر نواب صاحب کی قبر پر کھڑے ہوکر نماز جنازہ پڑھی ۔

یہ ہے مختصر تاریخ اس باخدا انسان کی جو آج اپنے محبوب کے قدموں میں بہشتی مقبرہ کی چار دیواری کے اندر ابدی نیند سو رہا ہے ۔ اور اس کا یہ قرب اس تعلق کو خوب ظاہر کرتا ہے ۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ تھا ۔

غیر کیا جانے ۔ کہ دلبر سے ہمیں کیا جوڑ ہے
آج ہم دلبر کے ۔ اور دلبر ہمارا ہو گیا

یہ قرب اور یہ زندگی میں اور پھر موت کے بعد یہ دائمی قرب ان تمام اعتراضات کا خدا تعالے کیطرف سے مُنہ توڑ جواب ہے ۔ جو معترضین نے حضرت میر صاحب رض کی ذات پر کئے ۔ اور یہ ہے خدا تعالے کی فعلی شہادت ۔ اے دیدۂ بینا ! دیکھ اور سبق لے !

نقشہ قطعہ نمبر ۲

		سیدہ رہ بیگم صاحبہ رضہ
مزار حضرت مسیح موعود علیہ السلام		سیدہ امۃ الحی صاحبہ رضہ
مزار حضرت خلیفۃ المسیح اول رضہ		حضرت میر ناصر نواب صاحب رضہ
		سیدہ بیگم صاحبہ رضہ نانی اماں

حضرت نانی اماںؓ

حضرت ام المومنین کی والدہ محترمہ کا اسم مبارک سید بیگم تھا۔ نانی اماں کے بزرگوں میں سے میرزا فولاد بیگ ایران سے آئے تھے۔ میرزا فولاد بیگ کے بیٹے میرزا نیاز بیگ صاحب تھے۔ آگے میرزا نیاز بیگ صاحب کے تین بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں یعنی ۱۔ میرزا محمد بیگ صاحب۔ ۲۔ نذر محمد بیگ المعروف کپتان صاحب۔ ۳۔ علی محمد بیگ۔ ۴۔ بیگم جان صاحبہ منسوب بہ نواب احمد بخش خان صاحب لوہارو۔ ۵۔ شہزادہ بیگم صاحبہ۔

نذر محمد بیگ صاحب عرف کپتان صاحب کی نو اولادیں تھیں۔ جن میں سے چھ لڑکے اور تین لڑکیاں تھیں۔ جن کے اسماء میں ترتیب وار لکھتا ہوں۔

۱۔ قادری بیگم صاحبہ۔ ۲۔ عبدالقادر بیگ ۳۔ سکینہ بیگم۔ ۴۔ عبدالحکیم بیگ ۵۔ عبدالعزیز بیگ۔ ۶۔ عبدالرزاق بیگ۔ ۷۔ سردار بیگ۔ ۸۔ عبدالرحمٰن بیگ ۹۔ عبدالرحیم بیگ۔

ان میں سے سب سے بڑی قادری بیگم تھیں۔ جو حضرت نانی اماں سید بیگم صاحبہ کی والدہ تھیں۔ نانی اماں کی ایک چھوٹی ہمشیرہ تھیں جن کا نام معظم بیگم تھا۔

قادری بیگم صاحبہ کی شادی سید عبدالکریم صاحب سے ہوئی۔ جو کپتان نذر محمد صاحب کے ماموں زاد بھائی تھے۔ سید بیگم صاحبہ کی شادی حضرت میر ناصر نواب صاحبؓ سے ہوئی تھی۔ اور معظم بیگم صاحبہ کی شادی سید ابراہیم صاحب سے ہوئی تھی۔

عبدالقادر بیگ جو قادری بیگم کے بھائی تھے۔ ان کی اولاد چار لڑکے اور

ایک لڑکی تھی۔ جن کے حسب ذیل اسماء ہیں :۔

۱۔عبدالقدیر بیگ ۔ ۲۔ عبدالرشید بیگ ۔ ۳۔عبدالجلیل بیگ ۔ ۴۔ جمیل بیگ ، ۵ مشرف جہان بیگم۔

ان میں سے نمبر ۱۔ اور نمبر ۵ کے سوا باقی ۲، ۳، ۴ لاولد رہے۔ نمبر ایک کی اولاد میں سے میرزا سلیم بیگ صاحب۔ میرزا رفیق بیگ صاحب۔ بلقیس بیگم صاحبہ زوجہ حکیم ظفر احمد صاحب دہلوی۔ اور میرزا اسلام اللہ بیگ صاحب اور ان کی اولادیں ہیں ۔ اور مشرف جہان بیگم صاحبکی اولاد سے میرزا فرحت اللہ بیگ صاحب ریٹائرڈ جج ہائی کورٹ حیدرآباد دکن ہیں۔ یہ کنبے اب حیدرآباد میں آباد ہیں۔

الغرض

نانی اماں کی والدہ کا نام قادری بیگم اور والد کا نام سید عبدالکریم صاحب تھا۔ سید عبدالکریم صاحب سرکار انگریزی کے خیرخواہوں میں تھے مگر افسوس کہ دہلی کے غدر ۵۷ء میں بلا تحقیق ان کو بھی پھانسی دیدی گئی تھی۔ بعد میں یہ حقیقت کھلی۔ مگر اب اس کا کیا علاج کیا جاسکتا تھا۔

نانی اماں کا خاندان بہت پھیلا ہوا ہے۔ لوہارو والوں سے بھی رشتہ داری پرانی چلی آتی ہے۔ باقی عزیز دہلی۔ بھوپال۔ بہار۔ جلیسر۔ حیدرآباد دکن۔ جنہ۔ اجمیر اور قادیان وغیرہ مقامات میں پھیلے ہوئے ہیں۔ بقول میرزا سلیم بیگ صاحب ہندوستان کے چاروں کھونٹوں میں پھیلے ہوئے ہیں ۔ اور سب تعلیمیافتہ ۔ معزز عہدوں پر فائز ہیں۔ جن کی کلی تفصیل اسجگہ نہیں آسکتی۔

ایک عجیب اتفاق

ایک عجیب اتفاق ہے۔ کہ جب سے یہ خاندان ہندوستان میں آیا۔

ان کا تعلق مغلوں سے کچھ ایسا رہا۔ کہ خاندان کے آدھے افراد مغل اور آدھے سید نظر آتے ہیں۔ کہیں میاں مغل ہے تو بیوی سیدانی۔ اور کہیں میاں سید ہے تو بیوی مغلانی۔ اور یہ بھی اس لیئے ہوا تھا۔ تاکہ حضرت مسیح موعودؑ سے رشتہ کرنے میں مسئلہ قومیت روک نہ بن سکے۔

شادی

حضرت سید بیگم صاحبہ کی شادی حضرت میر ناصر نواب صاحبؓ کے ساتھ ۱۶ سال کی عمر میں ہوئی تھی۔ اس وقت حضرت میر صاحبؓ کے والد فوت ہو چکے تھے۔ حضرت میر صاحبؓ کا سن پیدائش ۱۸۴۶ء بنتا ہے۔ قیاس یہ کہتا ہے۔ کہ نانی اماں سید بیگم صاحبہ کی عمر بھی قریب قریب حضرت میر صاحبؓ سے ۳، ۴ سال کم ہوگی۔ کیونکہ شادی سے تین سال بعد حضرت ام المومنین نصرت جہان بیگم پیدا ہوئیں۔ تو اس سے صاف واضح ہو جاتا ہے۔ کہ حضرت سید بیگم شادی کے وقت بالغ تھیں۔ نیز حضرت میر صاحب کے یہ الفاظ کہ:۔

"۱۶ سال کی عمر میں میری فہمیدہ اور دانا اماں نے نشیب و فراز زمانہ کو مدنظر رکھکر میری شادی ایک شریف اور سادات کے خاندان میں کر دی۔ اور میرے خیال میں ایک بیڑی پہنادی۔ تاکہ میں آوارہ نہ ہوں۔ اس باعث سے میں بہت سی بلاؤں اور ابتلاؤں سے محفوظ رہا۔ (حیات ناصر صٓ)

ان فقرات اور بعد کے اس علم سے کہ تین سال بعد حضرت ام المومنین پیدا ہوئیں۔ یہی یقین کرنا پڑتا ہے۔ کہ حضرت سید بیگم صاحبہ کی عمر پیدائش کے لحاظ سے حضرت میر صاحبؓ کے برابر یا ۳-۴ سال کم تھی۔ اس لئے ان کا سن پیدائش بھی ۱۸۴۶ء یا ۱۸۴۹ء کے قریب ہی بنتا ہے۔ اور شادی کا سن

اور شادی کا سال ۱۸۶۱ء کے آخر یا ۱۲۶۲ھ کا شروع بنتا ہے۔

حضرت میر صاحب اور نانی اماں کی شادی سے قبل حضرت میر صاحب کے والد فوت ہو چکے تھے اور وہ یتیم رہ گئے تھے مگر ایک واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت میر صاحب کی نسبت اس جگہ انکے والد صاحب کی زندگی ہی میں ہو چکی تھی یہ واقعہ مجھے جناب شیخ محمد اسماعیل صاحب سرساوی مہاجر نے سنایا کہ جب انکے بڑے بھائی سید ناصر وزیر صاحب کی شادی لوہارو والوں کے ہوئی۔ اس وقت ان کی عمر چھوٹی ہی تھی (میرا خیال ہے کہ اسوقت ۸ یا ۹ سال کی عمر ہوگی۔ محمود عرفانی) برات لوہارو میں گئی۔ حضرت میر صاحب کے والد صاحب بھی ساتھ تھے۔ رات کو لوہارو والوں کیطرف سے کیونکہ وہ نواب لوگ تھے کنچنی کے ناچ کا انتظام تھا۔ سب لوگ اس ناچ کو دیکھنے میں مشغول تھے۔ مگر حضرت میر صاحبؓ نے بیان فرمایا۔ کہ مجھے اس قدر شرم آئی۔ کہ میں نے ایک دفعہ بھی نظر اٹھا کر نہ دیکھا۔ میرا سر جھکا رہا۔

میر صاحبؓ کے بچپن کا زمانہ اور اس خورد سالی کے زمانہ میں ان کی حیا۔ اور نیکی دیکھکر سید عبدالکریم صاحب کے دل میں بڑا خیال پیدا ہوا۔ انہوں نے اسی وقت حضرت میر صاحب کے والد صاحب کو کہدیا۔ کہ یہ لڑکا میرا ہوا۔ اس سے سید عبدالکریم صاحب کی نیکی اور دوربین نگاہ بھی پتہ چلتا ہے اور پھر میر ہاشم علی صاحب کی وفات کے بعد جبکہ گھر میں سوائے اللہ کے نام کے کچھ نہ رہا تھا۔

ان کا ایک یتیم بے یار و مددگار لڑکے کو جس کا کوئی مستقبل نہ تھا۔ اپنی لڑکی دیدینا۔ یہ ان کا اور بھی کمال تھا۔

نانی اماں کی تعلیم | میرے پاس وہ حالات نہیں ہیں۔ کہ جن سے میں

نانی اماں کی ابتدائی زندگی پر کچھ روشنی ڈال سکوں۔ مگر اس سلسلہ میں میری مدد قرائن بھی کر سکتے ہیں۔ اوّل تو خاندان میر درد اور ان کے ساتھ ملے ہوئے ایسے خاندان جن کی قرابت داریاں اس خاندان سے تھیں اسکا عام رواج یہ تھا۔ کہ لڑکیوں کو قرآن کریم اور معمولی دینیات کی کتابیں پڑھاتے تھے۔ اور بعض تو ان میں سے عربی اور فارسی اور اردو میں پوری دستگاہ رکھتی تھیں۔ مغلیہ سلطنت کا زمانہ اور پھر قرب تھا۔ اور شاہی گھروں میں تعلیم عام تھی۔ شاہزادیاں فارسی، اردو میں مہارت تامہ رکھتی تھیں۔ شعروشاعری کے مشغلے تھے۔ اس کا اثر شرفا کے تمام خاندانوں پر تھا۔

اسی اصل کے ماتحت سیّد بیگم صاحبہ نانی امّاں بھی قرآن شریف اور اُردو زبان کی تعلیم رکھتی تھیں۔ چنانچہ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ کہ حضرت نانی اماں اُردو زبان کی کتابیں اکثر مطالعہ میں رکھتی تھیں۔ دہلی میں ایسی تعلیم بہت آسان تھی۔ اس لئے پانچ چھ سال کا زمانہ کھیل کود کا نکال کر تھوڑا تھوڑا سبق رکھکر ۹، ۱۰ سال کی عمر تک قرآن کریم کی تعلیم اور پھر دو تین سال میں اردو کی تعلیم مکمل ہو جاتی تھی۔ اور میرا قیاس ہے۔ کہ نانی اماں کی تعلیم بھی اسی نہج پر ہوئی ہوگی۔

نانی اماّں اور حضرت میر صاحب کی طبیعت میں بہت فرق تھا۔ میر صاحب کی طبیعت بہت تیز تھی۔ اور پھر اس پر رعب و ہیبت کا رنگ تھا۔ اگر نانی اماں کی طبیعت میں بھی تیزی ہوتی۔ تو بڑی مشکل پڑ جاتی۔ مگر ان کی طبیعت اس کے مقابل میں بالکل ٹھنڈی واقع ہوئی تھی۔ حضرت میر صاحبؓ نے ان کے اخلاق اور کیریکٹر کو اپنی سوانح میں ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:۔

اس بابرکت بیوی نے جس سے میرا پالا پڑا تھا۔ مجھے بہت ہی آرام دیا۔ اور نہایت ہی وفاداری سے میرے ساتھ اوقات بسری کی۔ اور ہمیشہ نیک صلاح دیتی رہی۔ اور کبھی مجھ پر ناجائز دباؤ نہیں ڈالا۔ نہ مجھ کو میری طاقت سے بڑھ کر تکلیف دی۔ میرے بچوں کو بہت ہی شفقت اور جانفشانی سے پالا۔ نہ کبھی بچوں کو کوسا۔ نہ مارا۔ اللہ تعالے اسے دین و دنیا میں سرخرو رکھے۔ اور بعد انتقال جنت الفردوس میں جگہ عنایت فرماوے بہرحال عُسر و یُسر میں میرا ساتھ دیا۔ جس کو میں نے مانا اسکو اس نے مانا۔ جسکو مینے پیر بنایا اس نے بھی اس سے بلا تامل بعیت کی چنانچہ عبد اللہ صاحبؒ غزنوی کی میرے ساتھ بیعت کی۔ نیز میرزا صاحبؑ کو جب میں نے تسلیم کیا تو اس نے بھی مان لیا۔ ایسی بیویاں بھی دُنیا میں کم میسّر آتی ہیں یہ بھی میری ایک خوش نصیبی ہے جس کا میں شکرگذار ہوں کئی لوگ بسبب دینی اور دنیوی اختلاف کے بیویوں کے ہاتھ سے نالاں پائے جاتے ہیں۔ جو گویا کہ دُنیا کی دوزخ میں داخل ہو جاتے ہیں میں تو اپنی بیوی کے نیک سلوک سے دُنیا میں ہی جنت میں ہوں ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ ط وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ۝ (حیات ناصر صفحہ ۶۰۵)

یہ مختصر عبارت اپنے اندر بہت وسیع سیرت کا مضمون لئے ہوئے ہے۔ ایک دفعہ آپؓ نے نظم میں بھی آپ کی سیرت پر بڑی روشنی ڈالی تھی۔ جس کا عنوان تھا "خرم محترم"

"حرم محترم"

اے میرے دل کی راحت میں ہوں تیرا فدائی
تکلیف میں نے ہرگز تجھ سے کبھی نہ پائی

صورت سے تیری بڑھ کر سیرت میں دلربائی
میں ہوں شکستہ خاطر اور تو ہے مومیائی

مجھکو نہ چین تجھ بن ہے میرے سکھ نہ تجھ کو
میں تیرے غم کی دارو تو میری ہے دوائی

شرمندہ ہوں میں تجھ سے مجھ سے نہیں خجل تو
مجھ میں رہی کدورت تجھ میں رہی صفائی

تو نے کرم کیا ہے میرے ستم کے بدلے
دیکھی نہ میں نے تجھ سے اک ذرہ بے وفائی

تو لعل بے بہا ہے انمول ہے تو موتی
ہے نقش میرے دل پر بس تیری پارسائی

میں نے نہ قدر تیری پہچانی ایک ذرہ
ہیرے کو میں ہوں سمجھا افسوس ایک پائی

خاطر سے تو نے میری کنبہ کو اپنے چھوڑا
جنگل میں ساتھ میرے پیارے وطن سے آئی

تھی نازکی پلی تو اور میں غریب گھر کا
تو نے ہر اک مصیبت گھر میں میرے اٹھائی

محنت کا تیری ثمرہ اللہ تجھکو بخشے
چولھے میں سر کھپایا۔ بچوں پہ جاں کھپائی

دکھ سکھ میں ساتھ میرا تو نے کبھی نہ چھوڑا
خود ہو گئی مقابل جب غم کی فوج آئی

دنیا کے رنج و غم کو ہنس ہنس کے تو نے کاٹا
اللہ رے تیری ہمت بل بے تیری سمائی

بچوں کو تو سلاتی اور آپ جاگتی تھی
سو بار موت گو میں تو رات کو نہائی

بچوں کے پالنے میں لاکھوں اٹھائے صدمے
جب تک یہ سلسلہ تھا راحت نہ تو نے پائی

ہوتا تھا ایک پیدا اور دوسرا گذرتا
تھی صابرہ تو ایسی ہرگز نہ بلبلائی

صدمہ کو اپنے دل کے لاتی نہ تو زباں پر
جہاں کی طرح سے دیتی ہرگز نہ تو دہائی

تنگی میں عمر کاٹی۔ بچوں کو خوب پالا
شکوہ نہ سختیوں کا لب پر کبھی تو لائی

ذکر درد اپنے دل کا تو نے کیا نہ افشا
غیروں سے تو چھپاتی ہوتی اگر لڑائی

جو میں نے تجھ کو بخشا تو نے لیا خوشی سے
مانگی نہ تو نے مجھ سے ساری کبھی کمائی

دھوکہ دیا نہ ہرگز بولی نہ جھوٹ گاہے
مجھ سے نہ بات کوئی تو نے کبھی چھپائی

تھی جتنی تجھ میں طاقت کی تو نے میری خدمت
خود کھایا رُوکھا سُوکھا نعمت مجھے کھلائی

عیبوں کو تو نے میرے اغیار سے چھپایا
تھا تیرے بس میں جتنا عزت مری بنائی

صدمہ سے میرے صدمہ تجھ کو ہوا ہمیشہ
جب شاد مجھ کو پایا تو نے خوشی منائی

تھی میرے دشمنوں کی تو جان و دل سے دشمن
اور میرے دوستوں سے تیری رہی صفائی

جو کچھ تھا میرا مذہب تھا وہی ترا مشرب
تھی تیرے دل میں الفت ایسی مری سمائی

مجھ پر کیا تصدق جو تیرے پاس تھا زر
یاں تک کہ پاس تیرے باقی رہی نہ پائی

کرتا ہوں شکر حق کا جس نے تجھے ملایا
اور میری تیری قسمت آپس میں یوں ملائی

ہو تجھ پہ حق کی رحمت تجھ کو عطا ہو جنت
اور میری تیری اک دم ہووے نہ واں جدائی

آرام تجھ کو دیوے فضل و کرم سے مولیٰ
ہر رنج و غم سے بخشے مالک تجھے رہائی

ہرگز نہ تو دکھی ہو ہر وقت تو سکھی ہو
بچوں کا عیش دیکھے تو اور تیری جائی

فضل خدا کی بارش دن رات تجھ پہ برسے
پانی میں مغفرت کے ہر دم رہے نہائی

دولت ہو تجھ سے ہمدم عزت ہو ساتھ تیرے
اولاد میں ہو برکت کہلائے سب کی مائی

تیرا نہیں ہے ثانی لاکھوں کی تو ہے نانی
عیسےٰ سے کر کے رشتہ دولت یہ تو نے پائی

اسلام پر جئیں ہم ایمان سے مریں ہم
ہر دم خدا کے در کی حاصل ہو جبہہ سائی

جب وقت موت آوے بے خوف ہم سدھاریں
دل پر نہ ہو ہمارے اندوہ ایک رائی

مہدی کے مقبرہ میں ہم پاس پاس سوئیں
دُنیا کی کشمکش سے ہم کو ملے رہائی

حضرت نانی اماں اللہ تعالےٰ کے اس فضل پر جو حضرت ام المومنین اور حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب اور حضرت میر محمد اسحٰق صاحب کے وجودوں کے ذریعہ سے ہوا خدا کی شکر گذار تھیں۔

حضرت نانی اماںؓ کی شفقت علی الاولاد کا ایک واقعہ

ایک دفعہ حضرت میر محمد اسحٰق صاحب سخت بیمار ہوگئے۔ ان کی طبیعت زیادہ بیمار تھی۔ ان ایام میں حضرت میر صاحبؓ حضرت عرفانی کبیر سے کچھ ناراض ہوگئے تھے۔ اور دونوں الگ الگ تھے۔ کسی نے اس واقعہ کا ذکر حضرت نانی اماں سے کر دیا۔ ان کو خیال گذرا۔ کہ کہیں شیخ صاحبؓ کوئی بددعا ہی نہ کر دی ہو جس کی وجہ سے میرا لختِ جگر۔ میرا بچہ بیمار ہوگیا۔ اور اس قدر تکلیف اٹھا رہا ہے۔ وہ فوراً ہمارے مکان پر آئیں۔ اور گلی میں ڈیوڑھی کے دروازے پر آکر بیٹھ گئیں۔ اور کسی کو کہا۔ شیخ صاحب کو اطلاع کر دو۔ کہ نانی اماں آئی ہیں۔

والد صاحب اسی وقت دوڑے ہوئے آئے۔ نانی اماں کو یوں دروازے پر بیٹھے ہوئے دیکھکر گھبرائے۔ قبل اس کے کہ ان کی سُنتیں۔ انہوں نے نانی اماں کی اس حالت کو دیکھکر اپنی پریشانی اور معذرت کا سلسلہ شروع کر دیا۔ آپ نے مجھے بلا لیا ہوتا۔ آپ نے یہ تکلیف کیوں کی۔ آپ یہاں کیوں بیٹھی ہیں۔ اس قسم کی بہت سی باتیں کہہ ڈالیں۔ نانی اماں نے میر صاحبؓ کیطرف سے معذرت کی۔ اور میر محمد اسحٰق صاحب کی تکلیف کا رقت آمیز لہجے میں ذکر کر کے کہا۔ کہ آپ کا دل دُکھا۔ مجھ کو ڈر ہے۔ کہ کہیں آپ نے کوئی بددُعا نہ کی ہو۔

والد صاحب نے ان کو یقین دلایا۔ کہ میں تو ان کی ناراضگی کا کبھی خیال نہیں کرتا۔ وہ ہمارے فائدے کے لئے کہتے ہیں۔ اور میں آپ کی اولاد کے لئے کیوں بددُعا کرنے لگا۔ جب انکو یقین آیا۔ اور تسلی ہوئی تو واپس ہوئیں اس واقعہ سے ان کی شفقت علی الاولاد کا پتہ چلتا ہے

حضرت نانی اماں حضرت میر صاحبؓ کی وفات کے بعد تقریباً اٹھ سال

زندہ رہیں۔ اخیر وقت تک وہ چلتی پھرتی رہتی تھیں۔ اور عینک لگا کر پڑھ بھی لیتی تھیں۔

حضرت میر صاحبؓ کے ساتھ ان کا تعلق بہت وفادارانہ تھا۔ حتیٰ کہ ایام ملازمت میں معمولی معمولی دیہات میں بھی وقت گذار لیا۔ اور کوئی شکوہ نہ کیا۔ اس قسم کے صبر ہی کا نتیجہ تھا۔ کہ حضرت نانی اماںؒ نے اپنی اولاد کے عروج کو دیکھا۔ بیٹی ملی تو ایسی جو اُمّ المومنین کہلائی۔ داماد ملا تو ایسا جو جری اللہ فی حُلل الانبیاء تھا۔ خاوند ملا تو وہ اپنی شان میں بے نظیر بیٹے ملے تو ایسے عارف باللہ اور خادمِ دین۔ انہوں نے سلسلہ کی ابتدائی حالت بھی دیکھی۔ اور ترقی اور عروج بھی دیکھا۔ انہوں نے صدہا نشانات اپنی آنکھوں سے پورے ہوتے دیکھے قادیان کی ابتدائی حالت بھی دیکھی اور عروج بھی دیکھا۔ بہر حال انہوں نے بہت کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ یہ سب کچھ دیکھ کر وہ ۲۳، ۲۴ نومبر ۱۹۳۲ء کی درمیانی رات کو تقریباً ۸۵ سال کی عمر میں وفات پا گئیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ہ

انہوں نے اپنی زندگی تقوے طہارت اور پاکیزگی سے گذاری اور وفات سے قبل ایک بڑی جماعت اپنی نسل در نسل لوگوں کی چھوڑی جو کے سب باخدا اور متقی اور پرہیزگار ہیں۔ ایک بڑی جماعت نے آپکا جنازہ پڑھا۔ اور آپ مقبرہ بہشتی میں چار دیواری کے اندر حضرت مسیح موعودؑ کے قدموں کی طرف حضرت میر صاحبؓ کے پہلو میں دفن ہوئیں۔

حضرت میر صاحبؓ قبلہ نے نظم "حرم محترم" میں تین اشعار ایسے کہے جو لفظ بلفظ پورے ہو کر رہے ؎

اسلام پہ جئیں ہم ایمان سے مریں ہم
ہر دم خدا کے در کی حاصل ہو جبہ سائی

جب وقت موت آوے بیخوف ہم سدھاریں — دل پر نہ ہو ہمارے اندوہ ایک رائی
مہندی کے مقبرہ میں ہم پاس پاس سوئیں — دُنیا کی کشمکش سے ہم کو ملے رہائی

یہ دُعا ایسی پوری ہوئی۔ کہ اب دیکھنے والے دیکھتے ہیں۔ کہ یہ خوش قسمت جوڑا جس طرح دُنیا میں اکٹھا رہا۔ اسی طرح مرنے کے بعد بھی اکٹھا نظر آرہا ہے۔ حضرت نانی اماں حضرت میر صاحبؓ کے بعد ۸ سال تک زندہ رہیں۔

حضرت اُم المومنین کے دَدھیال

شجرہ نمبر ۳

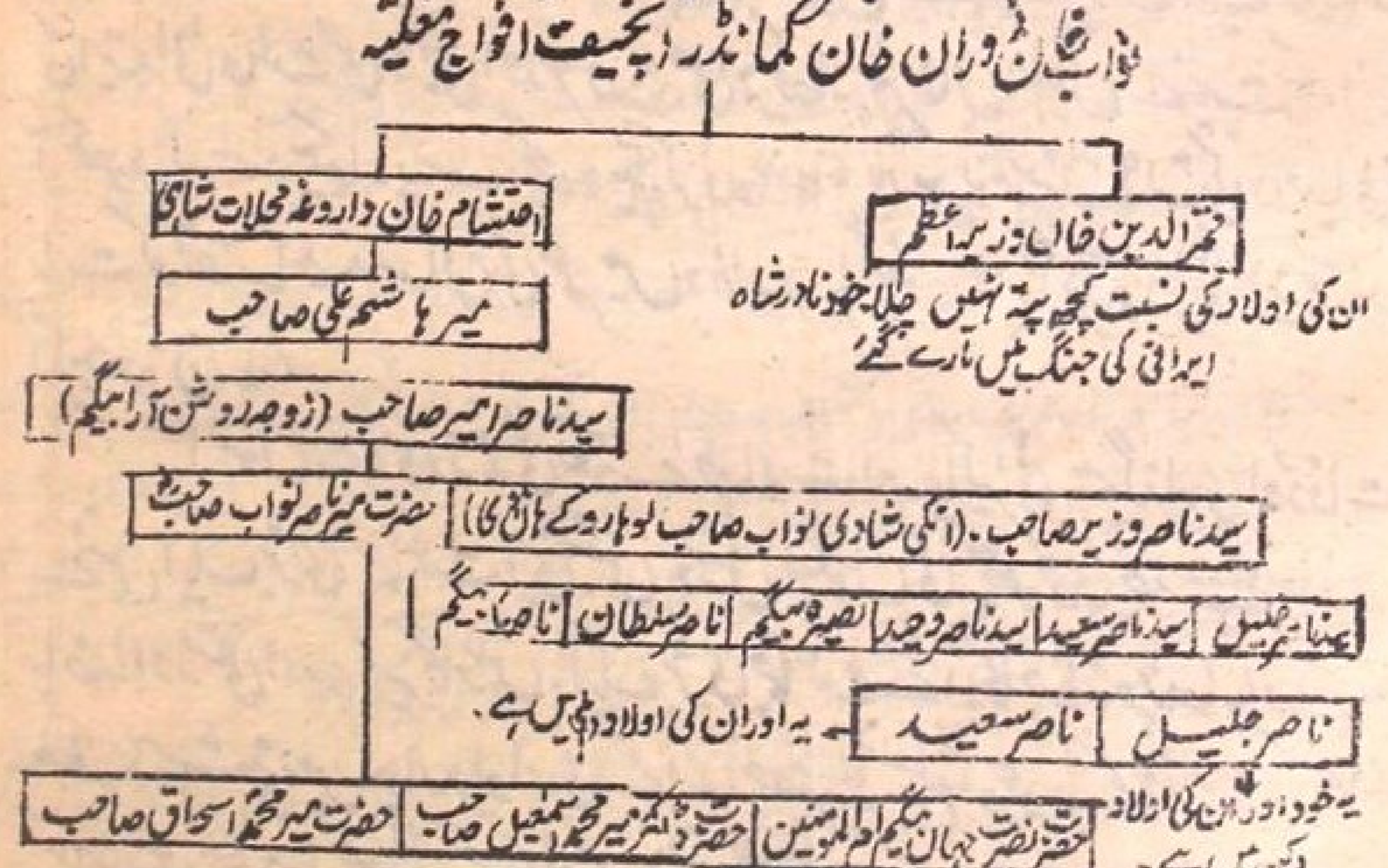

حضرت ام المومنین اور ان کے بھائیوں کی اولاد کا شجرہ

الگ طور پر شائع کیا جائے گا۔

خاندانی حالات میں کچھ اور

میں جبکہ نواب خان دوران کے متعلق لکھ رہا تھا۔ اس وقت بعض معلومات جن کے بروقت پہنچنے کی توقع تھی وہ مجھ تک نہ پہنچ سکیں۔ اسلئے بعض اہم معلومات درج ہونے سے رہ گئیں۔ مگر بعد میں جبکہ وہ حصہ لکھا گیا۔ تو وہ معلومات بھی مجھ تک پہنچ گئیں۔

چونکہ یہ معلومات بہت اہم ہیں۔ اس لئے میں نے ضروری سمجھا۔ کہ انکو کتاب میں ہر حالت میں شائع کردوں۔ اس لئے اس زائد عنوان سے ان معلومات کو لکھ رہا ہوں۔

یہ معلومات دو ذرائع سے مجھے ملی ہیں۔ اول جناب میرزا فرحت اللہ بیگ صاحب ریٹائرڈ جج ہائی کورٹ حیدر آباد دکن کے ذریعے مسٹر جیمس فریزر ایک انگریز مصنف تھا۔ جو نادر شاہ ایرانی کا ہمعصر تھا۔ اس نے ۱۷۴۳ء میں ایک کتاب موسومہ نادر شاہ لنڈن میں شائع کی۔ یہ کتاب تاریخ میں بہت مستند خیال کی جاتی ہے۔ کیونکہ اس میں مسٹر فریزر نے چشم دیدہ حالات دیکھنے والوں سے دریافت کرکے لکھے ہیں۔ میں بہت ممنون ہوں۔ کہ جناب میرزا فرحت اللہ بیگ صاحب نے اپنے اوقات گرامی میں سے وقت نکال کر مجھے اس پرانی کتاب کا ترجمہ کرکے ارسال فرمایا۔ اور اس طرح مجھے یہ قیمتی معلومات شائع کرنے کا موقع میسر آیا۔

دوسرے مجھے مکرم مہاشہ فضل حسین صاحب کی راہنمائی سے ایک کتاب کا علم ہوا۔ جو میں نے دفتر پیسہ اخبار لاہور سے منگوائی۔ اس کتاب کا نام ہے، "ہندوستان پر حملے"

یہ کتاب ایک روسی میجر جنرل سیولوف نے ابتداء میں روسی زبان میں

لکھی۔ جس کا ترجمہ انگریزی زبان میں لفٹنٹ کرنل ڈبلیو۔ ای گوان بنگال بٹیشنر نے کیا۔ اور پھر انگریزی سے میرزا علی حسین صاحب نے اردو میں ترجمہ کردیا۔ اور دفتر پیسہ اخبار نے ۱۹۰۹ء میں اسے شائع کیا۔

میجر جنرل سیولوف نے اپنی کتاب میں مسٹر فریزر کی کتاب سے بھی استشہاد کیا ہے۔ اس لحاظ سے مسٹر فریزر کی کتاب کا مستند ہونا اور بھی قوی ہوجاتا ہے۔

نادر شاہ اور نواب خانِ دوران

نادر شاہ نے جب پشاور فتح کرلیا۔ اور اس کی اطلاع دہلی میں یکم رمضان ۱۱۵۱ھ کو موصول ہوئی تو ۳۰ ڈسمبر ۱۷۳۸ء کو محمد شاہ شاہنشاہ دہلی نے خانِ دوران۔ نظام الملک اور قمر الدین خان کو نادر خان کے خلاف مہم پر روانہ کیا۔ نواب خانِ دوران خان کی اپنی آمدنی جاگیر کے علاوہ شاہنشاہ نے ایک کروڑ روپیہ اپنے خزانہ سے فوج جمع کرنے کے لئے دیا ۷۰۰ توپیں اور ۳۰۰۰ بندوقیں دیں۔ اور دیگر امراء کو حکم دیا کہ وہ بھی امراء بالا کے ہمراہ رہیں۔ اس حکم کی بناء پر یہ سب امراء اسی روز دہلی سے روانہ ہوپڑے۔ شہر سے کچھ فاصلہ پر خیمے لگاکر فوج جمع کرنے لگے۔ (نادر شاہ ص۱۴۵)

نوٹ:۔ اس جگہ خانِ دوران نمبر اوّل کے امراء میں شمار کئے گئے ہیں۔ نظام الملک سے مراد آصف جاہ اوّل بانی سلطنت آصفیہ حیدرآباد ہیں۔ اور قمر الدین خاں جو وزیر اعظم تھے۔ نواب خانِ دوران خان کے بڑے بیٹے تھے۔ یہ لوگ فوج جمع کرنے میں مصروف ہی تھے۔ کہ لاہور فتح ہونے کی خبر آگئی تب ۹ جنوری ۱۷۳۹ء کو خانِ دوران۔ نظام الملک اور قمر الدین خان دہلی سے دس

کوس آگے بڑھے۔ اور دوسرے دن بھی دس کوس چلے۔ اور سونی پت پہنچ گئے۔ یہ تفصیل ایک خط سے لی گئی۔ جو سربلند خاں کے سیکریٹری نے میرزا مغل ولد علی محمد خان کو ۱۵ ر شوال ۱۱۵۱ھ کو احمد آباد میں لکھا تھا۔

۱۲ ر ذی قعدہ ۱۱۵۱ھ مطابق ۱ ر فروری ۱۷۳۹ء کو شاہی کیمپ کرنال میں ہوا۔ لشکر گاہ کا نقشہ یوں تھا۔

وسط میں خود بادشاہ کا خیمہ تھا۔ اسکے سامنے نظام الملک اور قمر الدین کے مورچے تھے۔ ان مورچوں پر شاہی توپ خانہ قائم کیا گیا تھا۔ سیدھی طرف خان دوران خان مظفر خان۔ علی احمد خان۔ میر گلو اور شہداد خان کے خیمے تھے۔

۱۵ ر ذیقعدہ کو نادر خان کے کیمپ میں پانی کی کمی ہوگئی۔ تو وہ تلاوڑی کی طرف گیا۔ اس لئے خان دوران کے کیمپ کی پشت پر جاکر چار کوس کے فاصلہ پر قیام کیا۔

یہاں اس امر کو بھی میں واضح کر دینا چاہتا ہوں۔ کہ جب فوج دہلی سے روانہ ہو رہی تھی۔ اس وقت بادشاہ نے چاہا تھا۔ کہ اسے دہلی میں رہنے دیا جائے مگر وزراء اور امراء سلطنت نے یہی مشورہ دیا کہ نہیں بادشاہ کا ساتھ رہنا از حد ضروری ہے۔ اس لئے بادشاہ بھی ساتھ ہی تھا۔

۱۶ ر ذیقعدہ کو سعادت خان شاہی کیمپ پر حاضر ہوا۔ ۹ بجے اطلاع آئی کہ نادر شاہ کے ہمراہیوں نے سامان پر پچھلی طرف سے حملہ کر دیا۔ جس سے بہت سے آدمی مارے گئے اور بہت سامان لوٹ لیا گیا۔ یہ سن کر سعادت خاں دربار سے رخصت ہوا اور جلدی سے اپنے آدمیوں کی مدد کو پہنچا۔

خان دوران بھی قریب تھا۔ وہ بھی اپنے دو لڑکوں اور اپنی فوج کے ساتھ سعادت خاں سے مل گیا۔ اور اس کے ساتھ ہی مظفر خان۔ سید حسین خان

خان زمان خان میر گلو۔ شہ داد خان وغیرہ حملہ رؤساء اور امراء اپنے ہمراہیوں کے ساتھ ہو گئے۔

نادر شاہ تلاوڑی میں تھا۔ اسے خبر ہوئی تو وہ بھی آگے بڑھا۔ اس کے ساتھ اسوقت ایک ہزار کرد۔ ایک ہزار قاچاری۔ ایک ہزار بختیاری۔ ایک ہزار بندوقچی تھے۔ یہ چار ہزار سوار فوج سے علیحدہ کر کے بڑھا۔ تین ہزار سوار تو چھپا دیئے اور ۵۰۰ سوار بندوقچی سعادت خان کیطرف اور ۵۰۰ خانِ دوران کی طرف بڑھے۔ تاکہ ان کو باہر میدان میں لائیں۔ اس تجویز میں نادر شاہ کو کامیابی ہوئی وہ دونو باہر نکلے۔ ان کے نکلتے ہی تین ہزار سوار جو چھپے ہوئے تھے، انہوں نے یکدم حملہ کر دیا۔ سخت خونریز لڑائی ہوئی۔ نادر شاہ ایک ہزار افشار سواروں کے ساتھ ہر جگہ پہنچ کر فوج کا دل بڑھا رہا تھا۔

باقی فوج الگ کھڑی رہی۔ تا اشارہ ملنے پر آگے بڑے۔ شام تک بڑی شدت کی جنگ جاری رہی۔ سعادت خاں۔ شیر جنگ اور خانِ دوراں کا چھوٹا لڑکا قید ہو گئے۔ خان دوران خان کو مہلک زخم آئے۔ اور اسے اس کے خیمہ میں لے آئے۔ ایک گولی اس کے ہاتھ میں لگی۔ اور دوسری اس کے پہلو میں اور اس کا بڑا لڑکا مارا گیا۔

نادر شاہ نے حکم دیا۔ کہ سعادت خان، شیر جنگ اور خان دوران کے لڑکے کے لئے ایک خیمہ اس کے کیمپ میں نصب کیا جائے۔

۱۸ ذیقعدہ کو خان دوران کا انتقال زخموں کی وجہ سے ہو گیا۔

۲۰ تاریخ کو خان دوراں کی نعش کیمپ سے کرنال لے گئے۔

نادر شاہ جب دلی میں آیا۔ تو اس کے قزلباشوں کا قیام خان دوراں کے محل میں تھا۔ نادر شاہ نے خان دوران اور مظفر خان کے ہاں کے جواہرات

اور خزانہ اور سارا سامان ضبط کرلیا۔ جو مال خان دوران خان کے ہاں سے ملا اس کی قیمت ایک کروڑ روپیہ سے کم نہ تھی۔

۱۳ مئی ۱۷۳۹ء کو محمد شاہ بادشاہ دہلی نے خان دوران کے لڑکے احتشام خان کو خلعت سراپا عطا کرکے داروغہ خاص (داروغہ محلات) مقرر کیا۔ یہ نادر شاہ کے اس روزنامچہ کا اقتباس ہے جو سربلند خاں میرزا زماں نے دہلی میں لکھتا تھا (نادر شاہ صـــ ۱۵۲ تا صـــ ۲۴۳ مصنفہ مسٹر جیمس فریزر)

اس اقتباس سے واضح ہو جاتا ہے۔ کہ خان دوران اول درجہ کے امراء میں سے تھا۔ اس کا بیٹا وزیر اعظم تھا۔ نظام الملک اور دیگر ارکین دربار بھی اس کے بعد شمار کیئے جاتے تھے۔

مظفر خان اس کا بھائی تھا۔ اور اُن کی مالی حالت کا اندازہ اس سے لگ سکتا ہے۔ کہ صرف خان دوران خان کے گھر سے ایک کروڑ روپیہ کا مال برآمد ہوا۔

روسی میجر جنرل سیولوف لکھتا ہے:۔

"محمد شاہ سرتاپا عیش و عشرت میں غرق ہوگیا۔ خان دوران میر بخشی یعنی پے ماسٹر جنرل مقرر ہوا۔ اور امیر الامراء کے خطاب سے مخاطب ہوا۔ اس طرح تمام اراکین دولت سے رُتبہ میں بڑھ گیا۔

امیر الامراء ذمہ داری کے عہدوں پر اپنے آدمیوں کو مامور کرکے محمد شاہ پر بخوبی حاوی ہوگیا۔ بادشاہ کو اس پر کامل اعتماد تھا تھوڑے ہی دنوں میں یہ سابق مقتول امیر الامراء حسین علی خان کی طرح خود مختاری سے حکومت کرنے لگا۔ جب محمد امین خاں وزیر اعظم کا انتقال ہوا۔ تو اس کا نوجوان لڑکا قمر الدین خان اس منصب جلیلہ پر سرفراز ہوا۔ (ہندوستان پر حملے صـــ ۱۳۲)

"میدان جنگ میں جب نادر شاہ سے جنگ ہو رہی تھی۔ اس وقت سعادت خان نے اپنی فوج سمیت اپنے آپکو دشمن کے حوالے کر دیا۔ اور خانِ دوران تن تنہا نادر کے مقابلہ کے لئے رہ گیا۔ تاہم خان موصوف نے دشمن کو خوفناک طور پر شکست دی...
...... مگر وہ خود بھی مہلک طور سے زخمی ہو گیا تھا۔
خانِ دوران جب محمد شاہ کے حضور لایا گیا۔ تو اس نے بادشاہ سے گذارش کی۔ کہ وہ باقیماندہ ۳۸ ہزار سپاہ اور دو سو توا پ سے دشمن کا مقابلہ کرے۔ اور اسے ہرگز دم نہ لینے دے مگر بدقسمتی سے بادشاہ مذبذب رہا۔
خانِ دوران کی سپاہ اس کے بہادر بھائی مظفر خان کی ماتحتی میں نادری سپاہ کے مقابلہ میں بدستور ڈٹی رہیں۔
رات کو خانِ دوران نے پھر شاہنشاہ سے ملاقات کی اور قرار پایا۔ کہ صبح کو از سرِ نو جنگ شروع کی جائے۔ مگر بدقسمتی سے خان موصوف اس مہلک زخم کیوجہ سے جو میدان جنگ میں لگا تھا۔ جانبر نہ ہو سکا۔ (ہندوستان پر حملے۔ ص ۱۴۴، ۱۴۵)
خانِ دوران کی وفات کے بعد نظام الملک آصفجاہ اوّل کمانڈر انچیف افواج ہند اور خطاب امیر الامراء سے مخاطب ہوا۔" (ص ۱۴۵)

ان دو نوجوانوں سے خانِ دوران کے اثر رسوخ۔ سلطنت دہلی پر اقتدار اور ان کے خاندان کا بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہونا معلوم ہوتا ہے۔
نیز یہ کہ خانِ دوران ہی فرد وحید تھا۔ جس نے نادر شاہ کی افواج سے

ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ وہ مر گیا۔ مگر اس نے سلطنت سے وفاداری نہ چھوڑی۔ اس کی شجاعت اور بہادری تاریخ کے سنہری اوراق کا جزو بنکر رہ گئی۔ جبکہ حکومت کے اراکین، خود بادشاہ عیش و عشرت میں محو تھا۔ اس وقت خان دوران ایک چوکس محافظ کی طرح سلطنت کو سنبھالے ہوئے تھا۔ گویا کہ وہ ہی محمد شاہ کے پردے میں ہندوستان پر حکومت کر رہا تھا۔

میں نے یہ سب کچھ کیوں لکھا؟

حضرت ام المومنین کے خاندان کے متعلق میں نے بہت زیادہ لکھا ہے۔ حتیٰ کہ نصف سے بھی زیادہ کتاب اسی موضوع پر بھر گئی۔ دیکھنے والا یہ بھی کہہ سکتا ہے۔ کہ یہ سارا مضمون زیادہ سے زیادہ پچاس صفحات میں آسکتا تھا مگر مصنف کے دماغ کے اندر کئی مخفی خیالات کام کر رہے ہوتے ہیں جن کو کبھی وہ پبلک کے لئے کھولنا ضروری نہیں سمجھتا۔ اور پبلک ان امور کو کبھی محل اعتراض بنا لیتی ہے اور کبھی مقام مدح۔ اس لئے میں نے مناسب سمجھا۔ کہ میں پبلک کو کسی خلجان میں ڈالے بغیر اس حقیقت کو بھی کھول دوں۔ دراصل یہ سارا بیان تفسیر ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے چند فقروں کی۔ آپ تحریر فرماتے ہیں:۔

"اور الہامات میں یہ بھی ظاہر کیا گیا۔ کہ وہ قوم کے شریف اور عالی خاندان ہوں گے۔ چنانچہ ایک الہام میں تھا۔ کہ خدا نے تمہیں اچھے خاندان میں پیدا کیا۔ اور پھر اچھے خاندان

سے دامادی کا تعلق بخشا..... بغیر ظاہری تلاش اور محنت کے محض خدا تعالیٰ کی طرف سے تقریب نکل آئی یعنی نہایت نجیب اور شریف اور عالی نسب اور بزرگوار خاندان سادات سے یہ تعلق قرابت اس عاجز کو پیدا ہو کر (شحنۂ حق صفحہ ۵۷، ۵۸ تذکرہ ص ۳۷)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس خاندان کی نجابت شرافت۔ عالی نسبی اور بزرگواری کی کوئی تفصیل نہیں دی البتہ اس قدر لکھا ہے کہ یہ خاندان خواجہ میر درد صاحب مرحوم دہلوی کے روشن خاندان کی یادگار ہیں جن کی علو خاندانی کو دیکھکر بعض نوابوں نے انہیں اپنی لڑکیاں دی تھیں۔

"جیسے نواب امین الدین خان والد بزرگوار نواب علاؤ الدین خان والئے ریاست لوہارو کی لڑکی میر ناصر نواب صاحب خسر اس عاجز کے بڑے بھائی کو بیاہی گئی۔ ایسے بزرگوار خاندان سادات سے یہ تعلق قرابت اس عاجز کو پیدا ہوا۔" اس سے زیادہ تشریح نہیں فرمائی۔ مگر میں نے اس خاندانی تذکرے میں یہ بتلایا ہے۔ کہ کس طرح مغل بادشاہ خواجہ میر درد کے بزرگوں کی عزت کرتے تھے کس طرح قلعہ دہلی میں ان کو دعوتیں ہوئی تھیں۔

مغلیہ بادشاہوں نے اپنی لڑکیاں ان کے لڑکوں کو دیں۔ اور بڑے بڑے عہدے ان کو دیئے۔ ان میں سے بعض بڑے خطاب یافتہ تھے۔ ان میں سے نواب بھی تھے۔ ہفت ہزاری تھے۔ فوج اور سول کے عہدہ دار تھے۔ پھر یہی نہیں کہ خواجہ میر درد کے گھرانے کا یہ حال تھا۔ بلکہ نواب خان دوران جو حضرت میر ناصر نواب صاحبؓ کے پردادا تھے، وہ اتنی شخصیت کے آدمی تھے۔ کہ روسی جیر

جنرل سیولوف ان کے متعلق لکھتا ہے۔ کہ:۔

"وہ ہندوستان کے خود مختار حاکم تھے"۔

ان کا ایک بیٹا وزیر اعظم تھا۔ دوسرا بیٹا بھی فوج میں افسر تھا۔ بھائی بھی فوج میں میر آتش یعنی افسر بارود خانہ تھا۔ ان کے ماموں امیر الامراء عزیز میرزا گوکلتاش کمانڈر انچیف افواج ہند تھے۔ وہ لوگ صاحب جاگیر بھی تھے۔ ان کے پاس اپنی ذاتی فوجیں بھی تھیں۔ دولت۔ شوکت۔ حکومت سب کچھ تھا۔ اور وہ اپنے حسب نسب کے لحاظ سے اور اپنے تقویٰ طہارت کے لحاظ سے ممتاز تھے۔ وہ مرجع خلایق بنے ہوئے تھے۔ بادشاہ۔ امراء۔ وزراء۔ ادباء شعراء، علماء سب ان کی مجلسوں میں مؤدب بیٹھا کرتے تھے۔ ہندوستان میں ان میں سے بعض اپنے وقت میں ایسے تھے۔ کہ بادشاہ ان کی مرضی کیخلاف کچھ نہیں کر سکتے تھے۔

یہ وہ لوگ تھے، اگر چاہتے تو آخری زمانہ میں اپنی سلطنتیں قائم کر لیتے۔

الغرض

میں نے اس خاندان کی ساری اور مفصل تاریخ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الفاظ کی تشریح کے لئے لکھی۔ تا خدا کے مامور و مرسل اور نبی کے ہاتھ کے لکھے ہوئے نوشتے واقعات سے سچے ثابت ہوں

سیرت اور سوانح

عام طور پر دیکھا گیا ہے۔ کہ لوگ سیرت اور سوانح میں فرق نہیں کرتے۔

سوانح سے مراد وہ واقعات و حالات ہوتے ہیں جو کسی انسان کی زندگی میں اچھے یا برے، خوشگوار یا بدمزہ پیش آتے رہتے ہیں۔ مگر سیرت سے مراد ایسا موضوع

ہوتا ہے۔ جو اسکی عملی زندگی اور اسکی اخلاقی قوتوں اور اسکے مخفی جذبات کو اُبھار کر اور بڑا کر کے لوگوں کو دکھا سکے۔ تا کہ لوگ اس سے راہنمائی حاصل کر سکیں۔

زندگی کے وہ پہلو جو کسی نہ کسی رنگ میں مشعل ہدایت بن سکتے ہیں اور جن سے ہماری تربیتِ ناقص کامل ہو جاتی ہے۔ جو ہماری اخلاقی۔ تمدنی۔ معاشرتی۔ روحانی۔ علمی۔ الغرض کسی قسم کی تکوین میں مفید ثابت ہو سکتے ہیں، موضوعِ سیرت کے زریں پہلو ہیں۔ اسی غرض کے ماتحت دُنیا کے کسی شعبہ میں ترقی یافتہ انسان کی زندگی ہمارے لئے مفید ہو سکتی ہے۔ اسلئے کہ وہ ہمارے لئے ایک اسوۂ حسنہ ہوتی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ ؕ اور یہی آیت اس زمانہ میں جبکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت ثانیہ کا ظہور ہوا۔ پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر نازل ہوئی۔ پس انبیاء اور مصلحین امّت اور ہر وہ انسان جو بطور نمونہ کے پیش کیا جا سکتا ہے۔ اس کے واقعاتِ زندگی کو، اسکے ضابطہ عمل کو۔ اسکے اخلاق و کیریکٹر کو پڑھتے ہی یہ جذبہ جب تک پیدا نہ ہو، کہ ہم بھی ایسے ہی ہو جائیں۔ اُس وقت تک ہم کو کچھ فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ اور یہی چیز ہمکو اس کتاب میں بھی تلاش کرنی ہوگی ؛

سیّدۃ النّساء حضرت امّ المومنین
نصرت جہاں بیگم

حضرت ام المومنین کی شان

جس عظیم الشان خاتون کی سیرت لکھنے کے لئے میں یہ کتاب لکھ رہا ہوں۔ وہ ایک طرف سے حضرت خواجہ میر درد کے خاندان کی ایک روشن چراغ ہیں۔ اور دوسری طرف ددھیال کے رشتہ سے نواب خان دوران خان امیر الامراء کمانڈر انچیف افواج ہند اور ننہیال کیطرف سے ان کا میرزا فولاد بیگ ایرانی تک سلسلہ جا ملتا ہے۔ الغرض وہ ہر طرح سے عریق فی النسب ہیں۔ اور یہ درمیانی کڑیاں باوجود اس کے کہ وہ سب درست مضبوط۔ اور اعلیٰ درجے کی ہیں۔ مگر میں ان کو نظر انداز کرتا ہوا کہتا ہوں۔ کہ سب سے بڑی بات یہ ہے۔ کہ آپ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی سیدۃ النساء فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی بیٹی ہیں۔ اور اس تعلق کیوجہ سے آپ

محمدی بیگم

ہیں۔

آپ کی شان و عظمت کے کیا کہنے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپکے وجود کو عالم روحانی میں دیکھا۔ اور اس تعلق کو محسوس کیا جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام فارسی النسل کو جسمانی طور پر اہلبیت میں شامل کرنیکا باعث ہوگا۔ اسی تعلق اور نسب کو مدنظر رکھتے ہوئے فرمایا سلمان منا اھل البیت۔ اور ان ہی الٰہی مقدرات کو مدنظر رکھکر فرمایا لو کان الایمان معلقًا بالثریا لنالہ رجل من ابناء الفارس۔ اِسی

رجل فارسی کے لئے فرمایا۔ کہ وہ ایکطرف ایمان آسمان سے لائے گا دوسری طرف وہ دجال کو قتل کریگا۔ صلیب کو توڑے گا۔ اور وہ میرا بروز ہوگا۔ وہ مسیح بھی ہوگا۔ "یَتَزَوَّجُ وَیُوْلَدُ لَہٗ" وہ شادی بھی کریگا اور اس کے اولاد بھی ہوگی۔ اور اس کی اولاد بھی خاص ہوگی۔ یہ سب پیشگوئیاں مستند اور مسلمہ ہیں۔

وہ خاتون جو موعود امام اور بروزِ محمدؐ اور مثیلِ مسیح کی بیوی بننے والی تھی۔ اور جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اسی وقت دکھائی گئی تھی۔ وہ عظیم الشان خاتون خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کی بیٹی تھی۔

الغرض

جیسے خدا تعالیٰ کے علم میں یہ بات مقدر تھی۔ کہ ایک زمانہ اسلام پر ایسا آئیگا کہ یَاْتِیْ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ لَمْ یَبْقٰی مِنَ الْاِسْلَامِ اِلَّا اِسْمُہٗ

ایسے زمانے میں جبکہ اسلام ایک اسمی اور رسمی چیز رہ جائے گا۔ اسوقت ایک شخص کا اسلام کی حفاظت و صیانت کے لئے مبعوث ہونا بھی مقدر تھا۔ جو ان فتنوں کو مٹا کر شیطان سے آخری جنگ کر کے اسلام کا بول بالا کریگا

پھر دشمنوں کے اس اعتراض کا رد کرنے کے لئے جو انہوں نے خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر کیا۔ کہ ان کی کوئی نرینہ اولاد نہیں ہوئی۔ اللہ تعالےٰ نے یہ بھی مقدر کیا۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثتِ ثانیہ حضرت احمدؑ کی شکل میں ہو۔ اور پھر اس کی اولاد نرینہ بھی ہو۔ اور وہ اولاد ایسی ہو جو موعود ہو۔ اسے برکت پر برکت دیجائے۔ اور اسے قوت پر قوت دی جائے۔ اور انکو اس زمانے کے یزیدیوں پر فتح اور نصرت اور غلبہ دیا جائے۔

اس لئے ایسی عظیم الشان اولاد کی ماں بننے کے لئے جس خاتون کو چنا

گیا، اس ماں کی عظمت اور اس خاتون کی شان تو خود ہی واضح اور عیاں ہے
پھر بھی نہیں مختلف اوقات میں، مختلف زمانوں اور مکانوں میں اس موعودؑ کی پیشگوئیاں اہل اللہ نے دُنیا کو سُنائیں تو انہوں نے اس موعودؑ کے ساتھ موعود بیٹے کی بشارت ضرور دی۔ جس کے معنے یہ تھے۔ کہ وہ ایک عظیم الشان خاتون کی بھی پیشگوئی کر رہے ہیں۔ یعنی وہ خاتون ایسی عظیم الشان ہوگی۔ جوان نورد کی ماں ہوگی جو دُنیا کی راہنمائی اور ہدایت کے لئے پیدا کئے جائینگے۔
چنانچہ نعمت اللہ ولی کی پیشگوئی بھی اسی قسم کی پیشگوئی تھی۔ اور خواجہ میر دردؒ کے گھرانے کے لئے بھی یہی پیشگوئی مقدر کی گئی۔ کہ جو روشنی اور نور ان کو دیا گیا ہے، وہ مسیح موعودؑ میں جا کر گم ہو جائے گی۔

الغرض

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر آج تک تمام راستباز اس خاتون کی عظمت اور شان کے قائل تھے۔ جو مسیح موعود علیہ السلام کی حرم بننے والی تھی۔

کیا صرف مسیح موعودؑ کی بیوی بننا کوئی فضیلت ہے؟

بعض نادان جنکو بصیرت سے کوئی حصہ نہیں ملا۔ وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ صرف حضرت مسیح موعودؑ کی بیوی بننا کوئی فضیلت نہیں۔ میں ان نادانوں سے پوچھتا ہوں۔ کہ اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے جسم سے لگے ہوئے کپڑے بابرکت ہو سکتے ہیں۔ اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے رہنے کیوجہ سے الدار بابرکت اور طاعون کی پناہ گاہ ہو سکتا ہے۔ اور اگر آپؑ کے وجود سے ایک غیر آباد گوردیہہ بستی تخت گاہِ رسولؐ بن سکتی ہے۔ اور اگر حضرت ہاجرہؓ کے صفا مروہ پر دوڑنے سے وہ پہاڑ شعائر اللہ میں داخل ہو سکتے ہیں۔ تو مسیح موعود علیہ السلام

سے اس قدر قُرب رکھنا کیوں باعثِ فضیلت نہیں ہو سکتا؟ مگر یہاں تو صرف تعلق نہیں، بلکہ یہ تعلق اُس وقت آسمان پر جوڑ اگیا جبکہ حضرت مسیح موعودؑ اور حضرت ام المومنین کو اس دُنیا میں آنے میں ابھی صدیوں انتظار کرنا باقی تھا۔ پھر اس تعلق کی صلحاءِ امت تصدیق کرتے چلے آئے۔ حتیٰ کہ خواجہ محمد ناصرؒ پر یہ راز پھر ایک دفعہ کھولا گیا۔ اور بتلایا گیا۔ کہ تم کو جو کچھ دیا گیا ہے۔ وہ مسیح موعودؑ پر جا کر ختم ہو جائے گا۔ اور پھر جب مسیح موعود پیدا ہوئے۔ اور ان کے ظہور کا وقت قریب آیا، تو ان کو آسمان سے کہا گیا:۔

اشکر نعمتی رایت خدیجتی

اس پیشگوئی میں دو چیزیں قابلِ غور ہیں۔

اوّل۔ نعمت۔

دوسرے۔ خدیجہؓ۔

جس چیز کا نام اللہ تعالےٰ نعمت رکھے۔ اس کے پیچھے جو برکات ہو سکتے ہیں۔ وہ ظاہر ہے۔

۱۔ پھر خدیجہ کا نام اس امر کیطرف اشارہ تھا۔ کہ جس طرح پہلی خدیجہؓ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو آنحضرتؐ کے دعوٰے سے قبل دی گئی۔ اسی طرح یہ خدیجہؓ بھی حضرت مسیح موعودؑ کے دعوٰے سے قبل دیجائے گی۔

۲۔ جس طرح اس خدیجہؓ کے وجود سے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو بہت بڑا آرام، بہت بڑی راحت ملی۔ ویسے ہی اس خدیجہ سے بھی آپؑ کو آرام اور راحت ملیگی۔

۳۔ جس طرح اُس خدیجہؓ کا مال خدمتِ اسلام کے لئے صرف ہوا۔ اس خدیجہؓ کا مال بھی اسلام کے لئے صرف ہوگا۔

۴۔ جس طرح اُس خدیجہ رضؓ کے بطن سے خادمِ اسلام اولاد پیدا ہوئی۔ اسی طرح اِس خدیجہ رضؓ کے بطن سے بھی خادمِ اسلام اولاد پیدا ہو گی۔

۵۔ جس طرح اُس خدیجہ رضؓ کی اولاد کے لئے کچھ یزیدی کھڑے ہوئے تھے اِسکی اولاد کے لئے بھی کچھ یزیدی کھڑے ہوں گے۔ مگر ناکام کیئے جائیں گے۔

پس خدیجہ کے لفظ میں وہ سب کچھ پوشیدہ تھا، جو پہلی خدیجہ رضؓ کی زندگی میں ظہور پذیر ہوا۔ اس لئے شدید مناسبت اور شدید تعلق کیوجہ سے اس زمانہ کی نصرت جہان بیگم آسمان پر

خدیجۃ اللہ کہلائی۔

۶۔ اِس میں یہ راز بھی پوشیدہ تھا۔ کہ جس طرح یہ بروزِ خدیجہ ہے اسیطرح اس کا شوہر بروزِ محمدؐ ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

پس

خدیجہ کے نام میں بہت سی پیشگوئیاں تھیں۔ جو پوری ہو کر رہیں۔ ان پیشگوئیوں میں ایسی نسل کو بھی عالمِ وجود میں لانا مقصود تھا۔ جن کے ذریعے سے اسلام کو بڑی تقویت ملے گی۔

چنانچہ

ان پیشگوئیوں میں سے ایک پیشگوئی یہ تھی:۔

"سو چونکہ خدا تعالےٰ کا وعدہ تھا۔ کہ میری نسل میں سے ایک بڑی بُنیاد حمایت اسلام کی ڈالے گا۔ اور اس میں سے وہ شخص پیدا کریگا جو آسمانی رُوح اپنے اندر رکھتا ہو گا۔ اس لئے اس نے پسند کیا۔ کہ اِس خاندان کی لڑکی میرے

نکاح میں لاوے۔ اور اس سے وہ اولاد پیدا کرے جو اُن نوروں کو جن کی میرے ہاتھ سے تخم ریزی ہوئی ہے دُنیا میں زیادہ سے زیادہ پھیلاوے۔" (تریاق القلوب-صفحہ ۶۵،۶۴-تذکرہ صفحہ ۳۷)

اس طرح اس پیشگوئی میں مندرجہ ذیل امور پوشیدہ تھے:۔

اوّل۔ خدا تعالےٰ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی نسل سے حمایتِ اسلام کی بڑی بُنیاد ڈالے گا۔

دوم۔ ایک خاص شخص پیدا ہوگا۔ جو آسمانی رُوح اپنے اندر رکھے گا۔

سوم۔ اللہ تعالےٰ ایسی اولاد پیدا کرے گا۔ جن کا یہ کام ہوگا۔ کہ وہ ان نوروں کو زیادہ سے زیادہ دُنیا میں پھیلاوے۔ جن کی تخم ریزی حضرت مسیح موعودؑ نے فرمائی۔

اِن تینوں باتوں کو پُورا کرنے کے لئے اللہ تعالےٰ نے یہ پسند کیا۔ کہ اس خاندان کی لڑکی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نکاح میں لائے۔

سوچو! اور غور کرو!! کہ کیا یہ انسانی کام تھا؟ خدا تعالےٰ کی پسندیدگی کیا انسانی تصرف کے ماتحت ہو سکتی ہے؟ کیا کوئی اپنی اولاد کے متعلق اس قسم کے دعوے کر سکتا ہے؟

کہ ایک لڑکا خاص امتیاز کا مالک ہوگا۔ باقی کی ساری اولاد اس مقصد کی حمایت اور اشاعت میں ہمہ تن لگ جائے گی۔ جو حضرت مسیح موعودؑ لیکر آئے۔

کون قبل از وقت کہہ سکتا ہے۔ کہ اس کے اولاد ہوگی۔ اور پھر اگر ہوگی تو وہ اِس مقصد کے پُورا کرنیوالی ہوگی جس کے لئے وہ مامور ہوا ہے۔ یہ سب

سوائے منشاء الٰہی کے نہیں ہو سکتا۔ اسی پر بس نہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس تعلق پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا:۔

"یہ عجیب اتفاق ہے۔ کہ جس طرح سادات کی دادی کا نام شہر بانو تھا۔ اس طرح میری یہ بیوی جو آئندہ خاندان کی ماں ہو گی۔ اس کا نام

نصرت جہان بیگم ہے۔

یہ تفاؤل کے طور پر اس بات کیطرف اشارہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ خدا نے تمام جہان کی مدد کے لئے میرے آئندہ خاندان کی بنیاد ڈالی"۔

یہ خدا تعالیٰ کی عادت ہے۔ کہ کبھی ناموں میں بھی پیشگوئی مخفی ہوتی ہے۔ (تذکرہ صہ ۳۷)

ان عبارتوں سے مندرجہ ذیل امور خوب واضح ہوتے ہیں:۔

۱۔ نصرت جہان بیگم کے ذریعے ایک خاندان بنے گا۔

۲۔ اس خاندان میں ایک آسمانی رُوح والا لڑکا ہو گا۔

۳۔ باقی اولاد بھی حضرت مسیح موعودؑ کے مشن کو تمام دُنیا میں پھیلا دیگی۔

۴۔ اس خاندان کے ذریعے تمام جہان کی مدد کیجائے گی۔

یہ امور تھے جن کے لئے خدا تعالےٰ نے خود اپنی مرضی سے اپنے

ہاتھ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا تعلق حضرت ام المومنین سے جوڑا۔ اس مقصد اور غرض کو دیکھکر بآسانی یہ اندازہ لگ سکتا ہے۔ کہ حضرت ام المومنین نصرت جہان بیگم کس شان کی خاتون ہیں۔

حضرت ام المومنین کی پیدائش

۱۸۶۵ء میں آپ کی پیدائش حضرت میر ناصر نواب صاحب رضؓ کے مشکوئے معلی میں حضرت نانی اماں سیّد بیگم صاحبہ رضؓ کے بطن مبارک سے دہلی میں ہوئی۔ حضرت میر صاحب رضؓ عنفوانِ جوانی میں تھے۔ اُن کے سر پر سے والد کا سایہ اُٹھ چکا تھا۔ کئی قسم کے مشکلات تھے۔ اور بیکاری کا زمانہ تھا۔

حضرت ام المومنین کی پیدائش کی برکات

جس طرح اہل اللہ کی پیدائش بہت سی برکات کا موجب ہوتی ہے اسی طرح حضرت امّ المومنین کی پیدائش بھی بہت سی برکات لیکر آئی۔ تنگی فراخی سے بدل گئی۔ ناکامیاں کامیابیوں میں تبدیل ہو گئیں۔ چنانچہ غدر کا یہ لٹا ہوا گھرانہ پھر نسیمِ رحمت کی آماجگاہ بن گیا۔ حضرت میر ناصر نواب صاحب رضؓ کی بیکاری جاتی رہی۔ اور ان کو کام مل گیا۔ ناصری گنج کی جائیداد جسکے حصول کے لئے جناب خواجہ میر ناصر امیر صاحب حضرت ام المومنین کے دادا ناصری گنج کیطرف گئے تھے۔ اور اسے حاصل کئے بغیر فوت ہو گئے تھے۔ اس جائیداد کا ایک حصہ خود بخود بغیر کسی سعی کے مل گیا۔ اس طرح برکات سماوی کا دروازہ کھل گیا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے مناسبت

اس سلسلہ میں حضرت ام المومنین کے خاندان کی حضرت مسیح موعودؑ کے

خاندان سے ایک بڑی مناسبت ہے۔

"حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا خاندان ایک شاہی خاندان تھا۔ ہندوستان سے باہر جبکہ وہ سمرقند میں آباد تھے وہ سلطنت اور جاگیر کے مالک تھے۔ اور ہندوستان میں آکر پھر دریائے بیاس کے کنارے ایک بڑی جاگیر کے مالک ہوئے۔ جو بعد میں ایک خود مختار حکومت کی صورت اختیار کر گئی تھی۔ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیدائش سے قبل یہ حکومت سلطنت، شوکت۔ دولت سب ختم ہو گئی تھی۔ اور آپ کے والد صاحب نے بڑے مصائب کا زمانہ دیکھا۔ ایک دفعہ سکھوں نے ان کو بسراواں کے قلعہ میں قید بھی کر دیا تھا۔ وہ قادیان سے نکالے بھی گئے۔ ان کے والد صاحب کو پیادہ پا ہندوستان کا سفر بھی کرنا پڑا۔ مگر یہ سب مشکلات حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیدائش کے ساتھ ہی دور ہو گئیں۔ اور خاندان مسیح موعودؑ عنایاتِ الٰہی کا مورد بن گیا۔

چلنے لگی نسیم عنایاتِ یار سے"

(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو حیاۃ النبی حصہ اول ۴۹)

بالکل اسی طرح خواجہ میر دردؔ کا گھرانہ اپنی دولت و ثروت ختم کر چکا تھا۔ نواب خانِ دوران کی حکومت۔ دولت لُٹ کر ایران جا چکی تھی۔ رہی سہی کسر غدر نے نکال دی۔ دہلی سے یہ خاندان پیادہ پا نکلنے پر مجبور ہوا۔ گھروں میں جو کچھ تھا، وہیں چھوڑنا پڑا۔ ملک سے بے ملک ہوئے۔ گھر سے بے گھر ہوئے۔ اور جس طرح خاندانِ مسیح موعود علیہ السلام نے ۱۸۳۵ء میں نسیم رحمت کو عزت

مسیح موعودؑ کی پیدائش سے قبل چلتے دیکھا، اور انہوں نے اطمینان کا سانس لیا، اور اُجڑے ہوئے گھر میں خاندان واپس آ گیا۔ بالکل اسی طرح اس بابرکت رُوح کی پیدائش کے ساتھ ہی اس خاندان کی حالت بدل گئی۔ اور خاندان کے دن فارغ البالی کیطرف عود کر آئے۔ اور اس برکت کو والدین نے پہلے ہی محسوس کر لیا تھا۔ اور یہ تاریخ کا ایک اہم واقعہ جو دونوں خاندانوں کی یکساں کیفیت کو بیان کر رہا ہے۔ اور کرتا رہے گا۔

الغرض یہ خاتون اسی طرح اپنے باپ کے خاندان کے لئے بچپن سے ہی اور اپنے بطن سے پیدا ہونیوالے خاندان کے لئے ہمیشہ بابرکت ثابت ہوئیں۔

حضرت ام المومنین کی بچپن کی عمر تمام ان مقامات پر گذری جہاں جہاں حضرت میر صاحبؓ کو ملازمت کے سلسلہ میں رہنا پڑا۔

حضرت ام المومنین کی پرورش رزق حلال سے ہوئی

اسلام نے جہاں کھانے پینے کے مسائل بیان فرمائے ہیں۔ وہاں یہ حکم دیا ہے:۔

كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا

کہ تمہارا کھانا اور پینا حلال اور طیب ہو۔ غذاؤں کا جسم پر جو اثر ہے۔ اس سے ہر شخص واقف ہے۔ ہم جس قسم کی غذائیں کھاتے ہیں وہ ہمارے جسم پر اسی قسم کا اثر ڈالتی ہیں۔ اور جس قسم کا اثر ہمارے جسم پر پڑتا ہے۔ اسی قسم کا اثر ہمارے اخلاق اور روح پر پڑتا ہے۔ اسکی موٹی مثال یہ ہے۔ کہ جب ہم بیمار ہوتے ہیں تو ہماری غذا عام نہیں رہتی۔ بلکہ اسے لطیف بنا دیا جاتا ہے۔ وہ ٹھوس نہیں ہوتی۔ اسے سیال کر دیا جاتا ہے۔ ایسی حالت میں بھنا ہوا گوشت

بٹیر۔ مرغ۔ پلاؤ زردہ ثقیل اور دیر ہضم غذائیں ہمارے لئے مہلک ثابت ہو جاتی ہیں۔ لیکن یخنی۔ دودھ۔ سوڈا۔ پھلوں کے رس ہمارے لئے زندگی بخش ثابت ہوتے ہیں۔ اسی طرح مُردار یا سڑی گلی کچّی غذائیں ہمارے لئے سخت نقصان دہ ہوتی ہیں۔ ایسے ہی وہ غذائیں جو ناجائز مال سے تیار کیجائیں وہ مُردار اور سڑی گلی اور ناقص غذاؤں کی ذیل میں ہی آتی ہیں۔ ایسی غذاؤں سے جو جسم بنتا ہے اس کو روحانیت سے دُور کا بھی تعلق نہیں ہوتا۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ بدبودار چیز کھا کر مسجد میں نہ آؤ۔ جس چیز سے مومنوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ اس سے ملائکہ کو بھی تکلیف ہوتی ہے۔ اس قول نبوی ؐ کے ذریعے کتنا لطیف سبق ہمکو دیا گیا۔ ہمارا مذاق کسقدر پاکیزہ ہونا چاہیئے کہ پبلک مقامات پر کسی بدبو والی چیز کا اثر لیکر نہ جائیں۔ بلکہ جمعہ کے دن خوشبو استعمال کرنے کا حکم دیا۔

جو مذہب اسقدر اعلیٰ تعلیم دے۔ وہ کب اس امر کو پسند کر سکتا ہے کہ ایسی غذائیں جو کسب حرام سے میسّر ہوں ان کو کھاؤ۔ اس کا یہی فلسفہ ہے۔ کہ

انسان کے اندر ایسا خون صالح بنے۔ کہ جس کے اثرات رُوح پر نہایت پاکیزہ ہوں۔ اس فلسفہ کے ماتحت جب ہم دیکھتے ہیں۔ کہ حضرت ام المومنین کی پرورش ایسے رنگ میں ہوئی۔ کہ کبھی زندگی بھر ان کے منہ میں ایک نوالہ نہیں گیا۔ جو ایسے مال سے بنایا گیا ہو، جو ناجائز ہو۔ تو کتنی عظمت معلوم ہوتی ہے آپ کے وجود کی۔ کہ سارا جسم ان پاکیزہ غذاؤں سے تیار ہوا، جن میں کبھی کسی قسم کی حرام کی ملونی نہ تھی۔ اس سے۔ جو خون پیدا ہوتا تھا۔ وہ بھی صالح تھا۔ اس لیئے اس وجود کا تعلق غذاؤں کے فلسفے کے ماتحت قدرتی طور پر روحانی

عالم کیساتھ تھا۔ اور بیشک ایسی پاکیزہ ہستی جو حسب ونسب کے لحاظ سے اعلیٰ تھی۔ اور اپنی ذاتی پاکیزگی کیوجہ سے بھی اعلیٰ وارفع تھی۔ اس قابل تھی۔ کہ وہ اس زمانہ کے نبی کی بیوی بنے اور اُن نوروں کی ماں بنے جن پر آئندہ دُنیا کے امن کا انحصار ہے۔

آپؓ کی تعلیم

پانچ چھ سال کی عمر میں گھر کی چار دیواری میں قرآن کریم۔ اردو نوشت وخواند کی تعلیم شروع ہوئی۔ جو حضرت میر صاحبؓ نے خود ہی کرائی۔

حضرت ام المومنین بچپن ہی سے زیرک۔ فہیم اور سلیقہ شعار تھیں۔ حضرت میر صاحبؓ کی زندگی کچھ ملازمت کے سلسلہ میں اور پھر قادیان میں ہجرت کی صورت میں پنجاب ہی میں گذری۔ مگر حضرت میر صاحبؓ کے گھر کا طور وطریق بالکل دلی کی قدیم تہذیب کے مطابق رہا۔ اس نے حضرت ام المومنین کے باوجود پنجاب میں پرورش پانے کے دہلی کی طرز زندگی، بود وماند کے طریقے وہی رہے۔

باوجود اس کے کہ پنجابی زبان پر ان کو ایک قدرت حاصل ہے۔ مگر اُردو زبان پر آپ کو آج بھی ایسا اقتدار ہے۔ گویا کہ وہ دہلی سے کبھی جُدا ہوئیں ہی نہیں۔

جہاں جہاں حضرت میر صاحبؓ اپنی ملازمت کے سلسلہ میں رہے، حضرت ام المومنین اپنے کنوارپنے میں وہاں رہیں۔ اور شادی کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام خود ان مقامات پر ان کے والدین سے ملانے لے جایا کرتے تھے۔

حضرت ام المومنین کا نام

حضرت ام المومنین کا اصلی نام نصرت جہان بیگم تھا۔ مگر بعد میں حضرت میر صاحب رضؓ نے وہابیت کے اثر کے ماتحت آپ کا نام عائشہ بھی رکھا۔ اور خدا تعالےٰ کی وحی نے آپ کا نام خدیجہ رضؓ رکھا۔ اس لیئے آپ کے تین نام ہوئے۔ یعنی نصرت جہان بیگم۔ عائشہ بیگم۔ خدیجہ بیگم۔ خاندان کی بوڑھی بیگمات آپکو نصیر الجہان کے نام سے بلایا کرتی تھیں۔

چنانچہ حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب سول سرجن نے میری درخواست پر جو مضمون تحریر فرمایا۔ اس میں آپ کے نام کے متعلق لکھا ہے:۔

"والد صاحب حضرت میر صاحب رضؓ نے آپ کا نام بسبب وہابیت کے اثر کے عائشہ بیگم تبدیل کر دیا تھا۔ گو اصلی نام نصرت جہان تھا جسے بعض بوڑھی عورتیں خاندان کی اب بھی نصیر الجہان کے لفظ سے ادا کرتی ہیں۔ مگر حضرت والد صاحب رضؓ عائشہ بیگم کے نام سے ہی پکارا کرتے تھے۔ جب تک کہ حضرت مسیح موعود ؑ کی تحریروں کی وجہ سے اصلی نام مشہور عالم نہ ہوگیا۔"

یہ تینوں نام ایک حقیقت پر مشتمل ہیں۔ نصرت جہان بیگم نام کے معنے تو حضرت مسیح موعود ؑ نے خود فرمائے ہیں۔ کہ اس میں اس بات کیطرف اشارہ ہے کہ خدا نے تمام جہان کی مدد کے لیئے میرے خاندان کی بُنیاد ڈالی ہے۔ (تذکرہ صفحہ ۱۳)

اگرچہ حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب نے لکھا ہے۔ کہ وہابیت کے اثر کے ماتحت آپ کا نام حضرت نانا جان رضؓ نے عائشہ بیگم کر دیا تھا مگر میں تو اسے الٰہی تقدیر سمجھتا ہوں۔ کیونکہ خدا تعالےٰ نے اس نصرت جہان بیگم کو اس زمانہ کی خدیجہ رضؓ اور عائشہ

بنانا چاہتا تھا۔ اسلئے کسی بھی اثر کے ماتحت اُن کے والد کی زبان سے بچپن ہی میں اُن کا نام عائیشہ بھی رکھوا دیا تھا۔ اُن کو یہ معلوم نہ تھا۔ کہ یہ لڑکی کل کو ایسے شخص کی بیوی بنے گی جسے خدا تعالےٰ نے بروز محمدؐ ٹھیرایا ہے۔ اور اس طرح وہ اِس زمانے کی عائیشہ بھی کہلائے گی۔

اُمّ المومنین آپ کا خطاب ہے۔

اُمّ محمود آپ کی کنیت ہے۔ آپ نے اپنے بعض اعلانات میں جو الفضل اور الحکم اور دیگر سلسلہ کے اخبارات یا رسالہ جات میں شایع کرائے اپنی کنیت اُمّ محمود کو استعمال کیا ہے۔

اُمّ المومنین آپ کا خطاب حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے شادی کے بعد ہوُا۔ اس خطاب پر آج بھی بعض لوگ چڑتے ہیں۔ اور وہ مائی صاحبہ یا بیوی صاحبہ کے لفظ سے یاد کرتے ہیں۔ مگر یہ ایک حقیقت ہے۔ کہ جس طرح آپ کے ناموں نصرت جہان بیگم۔ عائیشہ بیگم۔ خدیجہ بیگم میں ایک ستر مخفی تھا۔ جو اپنے وقت پر آکر کھولا گیا۔ اسی طرح ام المومنین کا خطاب بھی اپنے اندر ایک حقیقت رکھتا تھا۔
چنانچہ ۱۹۰۷ء کی بات ہے، ایک روز مغرب کی نماز کے وقت خدا تعالیٰ کا فرستادہ نبیؑ اپنے خدام کے حلقے میں جلوہ افروز تھا۔ کسی نے عرض کی۔ کہ

"اُمّ المومنین کا لفظ جو مسیح موعودؑ کی بیوی کے لئے
استعمال کیا جاتا ہے اس پر لوگ اعتراض کرتے ہیں۔"

حضرت اقدسؑ نے سُن کر فرمایا:۔
"اعتراض کرنے والے بہت ہی کم غور کرتے ہیں۔ اور اس قسم کے اعتراضات صاف بتاتے ہیں۔ کہ وہ مخفی کینہ اور حسد کی بناء پر کئے جاتے ہیں۔

ورنہ اگر نبیوں یا اُن کے اظلال کی بیویاں اُمّہات المومنین نہیں ہوتیں تو کیا ہوتی ہیں؟ خدا تعالےٰ کی سُنت اور قانونِ قدرت کا اس تعامل سے بھی پتہ لگتا ہے۔ کہ کبھی کسی نبی کی بیوی سے کسی نے شادی نہیں کی۔ ہم کہتے ہیں ان لوگوں سے جو اعتراض کرتے ہیں (کہ ام المومنین کیوں کہتے ہو) پوچھنا چاہیئے۔ کہ تم بتاؤ جو مسیح موعودؑ تمہارے ذہن میں ہے اور جسے تم سمجھتے ہو کہ وہ آکر نکاح بھی کرے گا۔ کیا اس کی بیوی کو تم ام المومنین کہو گے یا نہیں؟

مُسلم میں تو مسیح موعودؑ کو نبی ہی کہا گیا ہے۔ اور قرآن شریف میں نبیوں کی بیویوں کو مومنوں کی مائیں قرار دیا گیا ہے۔

افسوس تو یہ ہے۔ کہ یہ لوگ میری مخالفت اور بُغض میں ایسا تجاوز کرتے ہیں۔ کہ مُنہ سے بات کرتے ہوئے اتنا بھی نہیں سوچتے، کہ اس کا اثر اور نتیجہ کیا ہو گا۔ جن لوگوں نے مسیح موعودؑ کو شناخت کر لیا۔ اور اُس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودہ کے مطابق اس کی شان کو مان لیا ہے۔ اُن کا ایمان تو خود بخود اُنہیں اِس بات کے ماننے پر مجبور کریگا۔

اور جو آج اعتراض کرتے ہیں۔ یہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں بھی ہوتے تب بھی اعتراض

کرنیسے باز نہ آتے۔

یہ بات خوب یاد رکھنی چاہئیے۔ کہ خدا کا مامور جو ہدایت کرتا ہے اور روحانی علاج کا موجب ہوتا ہے۔ وہ حقیقت میں باپ سے بھی بڑھ کر ہوتا ہے۔

افلاطون حکیم لکھتا ہے۔ کہ باپ تو روح کو آسمان سے زمین پر لاتا ہے۔ مگر استاد اسے زمین سے آسمان پر پہنچاتا ہے۔ باپ کا تعلق تو صرف فانی جسم کیساتھ ہوتا ہے۔ مرشد اور مُرشد بھی وہ جو خدا کیطرف سے ہدایت کے لئے ماموُر ہوا ہو، اس کا تعلق روح سے ہوتا ہے۔ جسکو فنا نہیں ہے۔ پھر جب وہ رُوح کی تربیت کرتا ہے اور اس کی روحانی تولید کا باعث ہوتا ہے۔ تو وہ اگر باپ نہ کہلائیگا تو کیا کہلائیگا۔ اصل یہی ہے۔ کہ یہ لوگ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی باتوں پر بھی کچھ توجہ نہیں کرتے۔ ورنہ اگر ان کو سوچتے اور قرآن کو پڑھتے تو یہ منکرین ہی نہ رہتے،" (الحکم نمبر ۳۹ صدا ۱۹۰۱ئہ)

یہ بحث کسی مزید توضیح یا تشریح کی محتاج نہیں۔ بلکہ اس سے نبوت مسیح موعودؑ کا مسئلہ بھی کلّی طور پر حل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ انبیاء کی بیویوں کو یہ مقام حاصل ہوتا ہے۔ کہ وہ اُمّہات المومنین کہلاتی ہیں۔ آپؑ نے فرمایا کہ آنے والے مسیح موعودؑ کے متعلق تو جمہور مسلمانوں کا یہی عقیدہ ہے۔ کہ اسکی بیوی امّ المومنین ہی کہلائے گی۔ اور ایسے معترضین کے متعلق فرمایا۔ کہ یہ لوگ اگر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہوتے تو بھی یہ اعتراض کرتے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس قسم کے اعتراض کرنے والے ایک اندرونی

جذام میں مبتلا تھے ۔ ایک کوڑھ تھا ۔ جو ان کو اندر ہی اندر کھاتا جاتا تھا ۔ جس نے ان کے ایمان کی عمارت کو جڑوں تک کھوکھلا کر دیا تھا ۔

پس اُمّ المومنین اس لئے اُمّ المومنین ہے ۔ کہ وہ ایک نبی کی بیوی ہے ۔ اور وہ اسلئے ام المومنین ہے ۔ کہ مسیح موعودؑ کی بیوی ہے ۔ وہ اسلئے اُمّ المومنین ہیں کہ وہ ہمارے ایسے باپؐ کی زوجہ ہیں ۔ جو انسانی روح کی تولید کرتا ہے ۔ اسلئے یہ حتمی فیصلہ ہے ۔ کہ جو لوگ اس قسم کے اعتراضات کرتے تھے یا کرتے ہیں یا کریں گے ، اُن کا رُوحانیت کیساتھ کوئی تعلق نہیں ۔ اُن کو نہ معرفت حاصل ہے ۔ اور نہ قرآن اور نہ رسول کریمؐ کی احادیث پر کوئی ایمان ہے ۔

پس

اس سے حضرت اُمّ المومنین کے مقام اور شان کا بآسانی پتہ لگ سکتا ہے ۔ کہ وہ کیوں اور کیسے اُمّ المومنین کہلائیں ۔

اُمّ المومنین کہلانیکا حق صرف اماں جان ہی کو ہے!

دسمبر ۱۹۲۴ء ۔ حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے سیدہ امۃ الحی مرحوم کا ذکر فرماتے ہوئے فرمایا تھا ۔ کہ "وہ بھی ایک رنگ میں آپ کی والدہ ہیں" ۔ اس پر بعض دوستوں کو غلط فہمی ہوئی اور انہوں نے حضرت امیرالمومنین کی بیویوں کو بھی اُمّ المومنین لکھنا شروع کر دیا ۔ اِس پر آپ نے ۱۹ ر دسمبر کے خطبہ جمعہ میں فرمایا :۔

"بعض دوستوں کو غلط فہمی ہوئی ہے ۔ انہوں نے میری بیویوں کی بنسبت اُمّ المومنین کا لفظ استعمال کرنا شروع کر دیا ہے ۔ اس خیال سے کہ کسی کے لئے یہ امر ٹھوکر کا موجب نہ بن جائے ۔ میں یہ

بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ کہ ام المومنین کا خطاب صرف انبیاءؑ کی بیویوں کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ بعض محاورے خاص ہوتے ہیں۔ جنکو عام نہیں کیا جا سکتا . . .

. . . .

پس بعض الفاظ ایسے ہوتے ہیں۔ کہ وہ ایک خاص مقام پر جاکر استعمال کئے جاتے ہیں۔ اس سے پہلے ان کا استعمال جائز نہیں ہوتا۔ جیسا کہ ایک شخص جس کے پاس ایک پیسہ یا پانچ سات روپے ہوں ہم کہتے ہیں۔ کہ اسکے پاس مال ہے لیکن ہم اسکو مالدار نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ یہ ایک ایسا محاورہ ہوگیا ہے جو ایک خاص مقدار پر پہنچکر استعمال کیا جاتا ہے۔

اسی طرح ام المومنین کا لفظ انبیاء کی بیویوں کے ساتھ ہی خصوصیت رکھتا ہے۔ اور یہ مرتبہ انبیاء سے قرب اور تعلق کی وجہ سے انکو دیا جاتا ہے۔ کیونکہ جب خاوند ایک عزت اور مرتبہ حاصل کر لیتا ہے۔ تو ساتھ ہی اس کے بیوی بچے بھی عزت اور احترام کے لحاظ سے اس مرتبہ کو حاصل کر لیتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ۔

پس جس روز سے ایک شخص بادشاہ ہو جاتا ہے۔ اُس روز سے اس کی بیوی بھی ملکہ ہو جاتی ہے۔ کوئی

یہ نہیں کہہ سکتا۔ کہ وہ ملکہ کیوں ہوگئی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

شیعوں کی غلطی اِس مسئلہ کو نہ سمجھنے کیوجہ سے شیعوں نے ٹھوکر کھائی ہے۔ ایک طرف تو اتنی افراط سے کام لیا۔ کہ اولاد کو نبوّت میں شریک سمجھ لیا۔ اور دوسری طرف اتنی تفریط کی کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ازواج کی کچھ شان ہی نہیں سمجھی۔ انبیاء کی عظمت ایسی بلند ہوتی ہے، جیساکہ زمین کے لوگ ستاروں کو دیکھیں۔ مگر تعلق کیوجہ سے اور ان کے غم اور خوشی میں شریک ہونے کے باعث قرب کے لحاظ سے ان کے بیوی بچے بھی بلند کئے جاتے ہیں۔ انکے اس حق کو کوئی مٹا نہیں سکتا۔

نسبتی نام پس نسبتی طور پر تو ہو سکتا ہے۔ کہ کوئی عورت کسی نسبت کے لحاظ سے ماں کہلائے۔ جیساکہ خلیفہ ایک رنگ میں روحانی تربیت۔ محبت اور ہمدردی کے باعث ایک باپ ہوتا ہے۔ اور اس کی بیویاں اس کی وجہ سے مائیں کہلا سکتی ہیں۔ مگر ام المومنین کے نام کی صرف نبیوں کی بیویاں مستحق ہیں۔ کیونکہ ان پر وہی احکام جاری ہوتے ہیں جو ماؤں کے متعلق ہیں۔ نبی کی وفات کے بعد نبی کی بیوی سے نکاح اسی طرح حرام ہوتا ہے۔ جس طرح کہ سگی ماں سے۔ لیکن اُستاد یا خلیفہ کی بیوی سے نکاح جائز ہے۔ اور خلفاء کی بیویوں کا خلفاء کی وفات

کے بعد نکاح کرنا ثابت ہے۔

پس ام المومنین کی اصطلاح انبیاءؑ کی بیویوں کے ساتھ ہی تعلق رکھتی ہے۔ ہاں استاد کی بیوی کو خلیفہ کی بیوی کو والدہ کہہ سکتے ہیں۔ مگر ام المومنین نہیں کہہ سکتے۔ اسلئے کسی اور کی نسبت ایسا الفاظ استعمال کرنا شریعت کے خلاف ہی۔"

(الفضل ۲۵ ر دسمبر ۲۴ء صہ ۸)

اس ساری بحث سے میری غرض حضرت ام المومنین کے صحیح مقام کو پیش کرنا ہے۔ حضرت امیر المومنین کے ارشاد کے بموجب ام المومنین ایک خطاب ہے۔ جو صرف نبی کی بیوی کے لئے مختص ہے۔

پس

حضرت ام المومنین کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی موجودگی میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے علم میں قوم کا ام المومنین کہنا۔ پھر معترضین کا اعتراض کرنا۔ اور پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ان معترضین کو منہ توڑ جواب دینا۔ پھر حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح کا اس امر کو واضح کر دینا کہ یہ ایک شرعی اصطلاح ہے۔ جو صرف نبی کی بیوی کے لئے مختص ہے۔ ایک طرف مسئلہ نبوت پر کھلی روشنی ڈال رہی ہے۔ دوسری طرف ان تمام بدگمانیوں اور شکوک کا ازالہ کر رہی ہے۔ جو حضرت ام المومنین کی شان کو کم کرنے کے لئے پیدا کئے جاتے رہے۔

قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝ مَلِكِ النَّاسِ ۝ إِلَٰهِ النَّاسِ ۝ مِن شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ۝ الَّذِي يُوَسْوِسُ فِي صُدُورِ النَّاسِ ۝ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۝

الٰہی! تو ہمکو اپنی پناہ میں لیلے۔ تا ہم خناسوں کے وساوس سے محفوظ رہیں جو اندر ہی اندر سینہ بسینہ پھونکنے کی کوشش کرتے رہے۔ یا اب بھی کرتے ہیں۔

حضرت ام المومنین کی شادی

میں لکھ چکا ہوں۔ کہ حضرت ام المومنین کی پیدائش ۱۸۶۵ء میں ہوئی۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیدائش ۱۸۳۵ء میں ہوئی۔ اس طرح حضرت ام المومنین کی عمر حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے تیس سال کم تھی۔ اور جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی شادی آپ سے ہوئی۔ اس وقت حضرت مسیح موعودؑ کی عمر انچاس سال تھی۔ اور حضرت ام المومنین کی عمر ۱۸ سال یا ۱۹ سال کی تھی۔ اس شادی کی تقریب کیسے پیدا ہوئی؟

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پہلی شادی ۱۸۴۹ء میں ہوئی تھی۔ اور ۱۸۵۰ء میں میرزا سلطان احمد صاحب پیدا ہوئے تھے۔ اور پھر میرزا فضل احمد صاحب پیدا ہوئے تھے۔ اس کے بعد حالات کچھ ایسے پیدا ہوئے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا تعلق پہلی بیوی سے رسمی طور پر رہ گیا۔ اور عرصہ بیس سال سے اولاد ہونی بند ہو چکی تھی۔ اس حالت میں آپؑ کو ایک الہام ہوا۔ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ حُسَيْنٍ (تذکرہ ص ۳۵۔ تریاق القلوب ص ۳۴

یہ سب سے پہلی بشارت تھی۔ جو اس حالت میں جبکہ آپؑ کی موجودہ بیوی سے عرصہ بیس سال سے اولاد ہونی بند ہو چکی تھی۔ یہ الہام اپنے اندر شادی کی بشارت لئے ہوئے تھا۔ مگر اس وقت سننے والوں کو تعجب ہوا۔ اس کے بعد پھر الہام ہوا:۔

اُشْكُرْ نِعْمَتِي رَأَيْتَ خَدِيجَتِي

(براہین احمدیہ ص۵۵۸ ۔ تذکرہ ص۳۵)

اِس الہام میں اِس دُلہن کا نام خدیجہ رکھا گیا۔ نزول المسیح کے ص۱۴۷ میں تحریر فرمایا:۔

"یہ ایک بشارت کئی سال پہلے اس رشتہ کیطرف تھی جو سادات کے گھر میں دہلی میں ہوا۔ .... اور خدیجہ اسلئے میری بیوی کا نام رکھا۔ کہ وہ ایک مبارک نسل کی ماں ہے۔ جیساکہ اس جگہ بھی مبارک نسل کا وعدہ تھا۔ اور نیز یہ اس طرف اشارہ تھا۔ کہ وہ بیوی سادات کی قوم سے ہوگی۔ پھر الہام ہوا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ جَعَلَ الصِّهْرَ وَالنَّسَبَ۔ یعنی وہ خدا سچا خدا ہے جس نے تمہارا دامادی کا تعلق ایک شریف قوم سے جو سیّد تھے کیا۔ اور خود تمہارے نسب کو شریف بنایا۔ جو فارسی خاندان اور سادات سے معجون مرکّب ہے۔ (تریاق القلوب ص۶۴ ۔ تذکرہ ص۳۶)

پھر بوقت عصر الہام ہوا:۔

"مَیں نے ارادہ کیا ہے۔ کہ تمہاری ایک اور شادی کروں۔ یہ سب سامان مَیں خود ہی کرونگا۔ اور تمہیں کسی بات کی تکلیف نہ ہوگی۔

اس میں ایک فارسی فقرہ بھی ہے ؎

ہر چہ باید نوعروسے را ہماں ساماں کنم
وآنچہ مطلوب شما باشد عطائے آں کنم

(شحنۂ حق ص۵۷، ۵۸ ۔ تذکرہ ص۳۶، ۳۷)

اس طرح سے اللہ تعالیٰ نے دوسری شادی کے متعلق خود اپنے ارادے کا اظہار فرمایا۔

اِس میں سب سے پہلا لفظ جو قابلِ غور ہے۔ وہ
"مَیں نے ارادہ کیا ہے" کا لفظ ہے۔

ارادہ عربی لفظ ہے۔ قرآن کریم میں بکثرت استعمال ہوا ہے۔ مثلاً قرآن میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے ؎

اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ (سورۃ یٰسٓ ع۵)

یعنی جب وہ کسی چیز کا ارادہ کر لیتا ہے۔ تو اس کا حکم یہی ہوتا ہے کہ ہوجا تو وہ ہوجاتی ہے۔

پاک ہے وہ خدا جسکے قبضہ میں ہر چیز کی حکومت ہے۔ اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

پس

خدا تعالےٰ جو خالق الاسباب ہے۔ اور ساری کائنات کا مالک و حاکم ہے۔ اسکے ارادے میں کون روک ہوسکتا ہے۔ پس اس کا ارادہ ایک تقدیر مبرم اور اٹل ہے۔ زمین و آسمان ٹل سکتے ہیں مگر اس کا ارادہ ٹل نہیں سکتا۔

خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ظہور بھی ایک اٹل تقدیر تھی۔ جو انسانی منصوبوں سے ٹل نہیں سکتی تھی۔ اِس ظہور کی بڑی غرض یہ تھی۔ کہ خدا تعالےٰ جس نے دُنیا سے اپنا چہرہ چھپا لیا تھا۔ وہ ایک دفعہ پھر اپنا روئے منوّر دُنیا پر ظاہر کرے۔ وہ چاہتا تھا۔ کہ ایک سورج کیطرح اپنی کرنیں ایک دفعہ پھر تاریک دُنیا پر ڈال کر زندگی۔ روشنی۔ نور اور معرفت و حیات کا عالم پیدا کرے۔ وہ دُنیا کو اس مادی اور دہریت کے زمانہ میں ایک دفعہ پھر اپنے کلام سے مست و دیوانہ

بنانا چاہتا تھا۔ اس نے ایک دفعہ پھر چاہا۔ کہ وادیٔ غیر ذی زرع کی روحانیت کو دُنیا پر آشکارا کرے۔

اس نے ایکدفعہ پھر چاہا۔ کہ وہ ابراہیمؑ و موسیٰؑ و عیسےٰؑ کے نظارہ سے زمین کو آسمان کی ہم پلہ بنادے۔ اسنے چاہا۔ کہ ایکدفعہ پھر گنگا کی وادی میں محبّت کی بنسری بجانے والا کرشن بھیجکر دُنیا کو مست و بیخود بنادے۔ یہ اٹل اور بالکل اٹل ارادہ تھا۔ جس نے اس محبوب و دلربا و دلنواز کو دُنیا میں بھیجا۔

بالکل وہی اٹل تقدیر تھی اور اس مالک الکل کی تقدیر تھی۔ کہ اسنے ارادہ کرلیا کہ وہ اپنے اس محبوب اور پیارے کے لئے ایک اور شادی کا انتظام کرے۔

اِس الہام میں دوسرا فقرہ "ایک اور شادی کروں" کا ہے۔ جو قابلِ غور ہے۔ "ایک اور" کا لفظ اسی جگہ بولا جاتا ہے۔ جہاں پہلی چیز کافی نہ ہو۔ یا اس ضرورت کو پوری نہ کرتی ہو۔ جس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے کوئی چیز وضع کیگئی تھی۔ یہی دُنیا کا دستور ہے۔ الغرض زندگی کے ہر شعبہ میں "ایک اور" کا لفظ اسی وقت بولا جاتا ہے۔ جبکہ پہلی چیز کافی نہ ہو۔ بالکل اسیطرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک بیوی پہلے سے موجود تھی۔ مگر جن اغراض و مقاصد کو لیکر حضرت مسیح موعود علیہ السلام دُنیا میں مبعوث کئے گئے تھے، ان مقاصد کے بوجھ اور ان ذمہ واریوں کی وہ بیوی متحمل نہ ہوسکتی تھی۔ جیسے میں پہلے لکھ چکا ہوں۔ کہ منشاء الٰہی تھا۔ کہ :-

۱۔ ایک آسمانی روح والا لڑکا پیدا کیا جائے۔

۲۔ اور ایسی اولاد پیدا کرے۔ جو اُن نوروں کو تمام دُنیا میں پھیلا دے۔

۳۔ اور اس خاندان کے ذریعہ تمام دُنیا کی مدد کیجائے۔

اِن امور کی تکمیل کے لئے اللہ تعالےٰ نے ایک اور بیّن فرق رکھدیا اور

وہ فرق وحی الٰہی نے یوں بیان فرمایا ہے۔

"سُبْحَانَ اللّٰہِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی زَادَ مَجْدَكَ یَنْقَطِعُ اٰبَاؤُكَ وَیُبْدَءُ مِنْكَ۔ (تذکرہ ص۱۵۹)

سب پاکیاں خدا تعالیٰ کے لئے ہیں۔ جو نہایت برکت والا اور عالی ذات ہے۔ اس نے تیرے مجد کو زیادہ کیا۔ تیرے آباء کا نام اور ذکر منقطع ہو جائے گا۔ یعنی بطور مستقل ان کا نام نہیں رہے گا۔ اور خدا تجھ سے ابتداء شرف اور مجد کا کرے گا۔"

اس وحی سے معلوم ہوا۔ کہ اللہ تعالےٰ نے چاہا۔ کہ پہلے خاندان کو ختم کر دے۔ اور آپ کے وجود مبارک سے نئے خاندان کی بنیاد رکھے۔ اس نئے خاندان کے لئے اللہ تعالےٰ نے فرمایا:۔

"تیرا گھر برکت سے بھریگا۔ اور مَیں اپنی نعمتیں تجھ پر پوری کرونگا اور خواتین مبارکہ سے جن میں سے تو بعض کو اس کے بعد میں پائیگا۔ تیری نسل بہت ہوگی۔ اور مَیں تیری ذریّت کو بہت بڑھاؤں گا۔ اور برکت دونگا۔ مگر بعض ان میں سے کم عمری میں فوت بھی ہوں گے۔ اور تیری نسل کثرت سے ملکوں میں پھیل جائے گی۔ اور ہر ایک شاخ تیرے جدّی بھائیوں کی کاٹی جائیگی۔ اور وہ جلد لاولد رہکر ختم ہو جائیگی۔ اگر وہ توبہ نکرینگے تو خدا ان پر بلا پر بلا نازل کریگا یہاں تک کہ وہ نابود ہو جائیں گے۔ اور ان کی دیواروں پر غضب نازل ہو گا۔ لیکن اگر وہ رجوع کرینگے تو خدا رحم کے ساتھ رجوع کرے گا۔ خدا تیری برکتیں اردگرد پھیلائے گا۔ اور ایک اُجڑا ہوا گھر تجھ سے آباد کرے گا۔ اور

ایک ڈراؤنا گھر برکتوں سے بھر دیگا۔

تیری ذریت منقطع نہیں ہوگی اور آخری دنوں تک سرسبز رہے گی۔ خدا تیرے نام کو اس روز تک جو دنیا منقطع ہو جائے عزت کے ساتھ قائم رکھیگا۔ اور تیری دعوت کو دنیا کے کناروں تک پہنچا دے گا۔"

(تذکرہ صد ۱۴۳ ۔ تبلیغ رسالت جلد اول صفحہ ۵۸، ۶۳)

اس وحی کا یہ مطلب تھا۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نئے خاندان کی بنیاد رکھنے کے لئے پرانے خاندان کو ختم کر دیا جائے گا۔ اور نئے خاندان کی بنیاد رکھی جائیگی۔ یہ ایسی ہی بات ہے۔ کہ جب کسی عظیم الشان قصر کی تعمیر مقصود ہوتی ہے۔ تو تمام بوسیدہ عمارتوں کو گرا کر زمین کو صاف کر دیا جاتا ہے۔ اور پرانی عمارت کی ایک اینٹ بھی نئی عمارت میں نہیں لگائی جاتی۔ بالکل اسی طرح خدا تعالے نے اس نئے خاندان کے لئے یہ فیصلہ کیا۔ کہ پہلے خاندان کو ختم کر دیا جائیگا۔ اور نئے خاندان کو بڑھایا جائیگا۔ وہ کثرت سے ملکوں میں پھیل جائیں گے اور ان کو کبھی منقطع نہیں کیا جائیگا۔ اور وہ آخری دنوں تک سرسبز رہیں گے اور وہ اس مقصد وحید میں لگے رہیں گے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آمد سے مقصود تھا۔

ان الہامات سے اس نئے خاندان کی شان و عظمت کا پتہ چلتا ہے۔ اور اس کی غرض و غایت معلوم ہوتی ہے۔ یہ غرض اور یہ غایت اور یہ مقصد چونکہ پہلی بیوی سے پورا نہیں ہو سکتا تھا۔ پہلی بیوی سے صرف دو لڑکے تھے۔ یعنی حضرت میرزا سلطان احمد صاحب اور میرزا فضل احمد صاحب۔ اول الذکر محکمہ مال میں ملازم تھے۔ اور آخر الذکر محکمہ پولیس میں ملازم تھے۔ اور وہ اپنے

دنیاوی کاروبار میں اسقدر منہمک تھے۔ کہ اس مقصد کے لئے جس کا ذکر اوپر آچکا ہے کوئی وقت نہ دے سکتے تھے۔ یہی نہیں، بلکہ میرزا فضل احمدؒ صاحب کو تو بیعت کرنے تک کا موقع نہ ملا۔ اور حضرت میرزا سلطان احمدؒ صاحب بھی حضرت مسیح موعودؑ کی ساری زندگی میں بیعت نہ کر سکے۔ اسلئے چونکہ پہلی بیوی اور اس کی اولاد سے وہ مقصد پورا نہ ہو سکتا تھا اسلئے

ایک اور

کی طرف توجہ ہونی قدرتی امر تھا۔ اسلئے جسقدر اہم مقصد تھا، اسیقدر اہم خاندان کی لڑکی کا انتخاب ضروری تھا۔ سو ایسا ہی ہوا۔ اس الہام میں تیسرا فقرہ یہ تھا کہ :-

سب کام میں خود ہی کرونگا

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ابتدائی زمانہ تو ایسا تھا۔ کہ کسی کو آپ کا علم ہی نہ تھا۔ آپ خود فرماتے ہیں :- ع

اک زمانہ تھا۔ کہ میرا نام بھی مستور تھا

ایسی گمنامی کی حالت میں رہنے والے انسان کے لئے نئی شادی کا انتظام کرنا کئی وجوہ سے بڑا مشکل تھا۔

اوّل۔ خاندان کے افراد جو موجود تھے۔ وہ تو سب آپؑ کے دشمن تھے۔ گھر کی مستورات کا یہ حال تھا۔ کہ وہ اسقدر بھی پسند نہ کرتی تھیں کہ حضرت صاحبؑ کو کوئی کھانے کی چیز ہی تحفہ کے طور پر پیش کر دے۔ جیسے کہ نانی اماںؓ کی روایت میں قبل ازیں آچکا ہے۔ چہ جائیکہ کوئی ان کو پہلی بیوی کی موجودگی میں اپنی بیٹی کا رشتہ دے۔

دوم۔ رشتہ داروں سے تعلق پیدا کرنے کا ذریعہ اُس وقت دُنیا کے

کاموں میں انہماک تھا۔ جس سے حضرت اقدسؑ کو دُور کا بھی تعلق نہ تھا۔

سوم ۔ حضرت اقدسؑ کی جسمانی حالت کسی شادی کیطرف راغب نہ تھی۔

چہارم ۔ عمر کا تفاوت بھی روک تھا۔

پنجم ۔ ایک بیوی کی موجودگی بھی روک تھی۔

ششم ۔ حضرت صاحبؑ اپنے رشتہ داروں میں تحریک کر ہی نہیں سکتے تھے۔ کیونکہ اس مقصد عظیم کے پورا کرنے کے لئے آپؑ کے خاندان میں کوئی بھی گھرانہ ایسا نہ تھا، جس میں دینداری کی رُوح پیدا ہوتی۔

اِن حالات اور وجوہ کی موجودگی میں آپؑ کا شادی کے لئے کوئی تحریک کرنا اور پھر اس کا کامیاب ہو جانا بہت مشکل تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں سب سامان خود ہی کرونگا۔ اس الہام کا آخری فقرہ تھا:۔

تمہیں کسی بات کی تکلیف نہ ہوگی

یعنی رشتہ کا انتخاب۔ شادی کے لئے ضروریات کا مہیّا کرنا سب کچھ ہم اپنے ذمہ لے لیں گے۔

چنانچہ

جیسے اللہ تعالےٰ نے فرمایا ویسے ہی ہوُا۔ ادھر آسمان سے یہ تحریک ہو رہی تھی ادھر حضرت میر ناصر نواب صاحبؓ کو اپنی بلند اقبال صاحبزادی کے لئے رشتہ کی فکر تھی۔ حضرت میر صاحبؓ جو پہلے ہی دن سے دُعاؤں میں لگے ہوئے تھے انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اپنی بیٹی کے لئے صالح داماد ملنے کی دُعا کے لئے لکھا۔

حضرت مسیح موعودؑ کو تو اللہ تعالےٰ کیطرف سے نئی شادی کیلئے تحریکیں ہو رہی تھیں۔ یہ بھی بتلایا گیا تھا۔ کہ رشتہ سادات میں ہو گا۔ اور یہ بھی

بتلایا گیا تھا۔ کہ وہ خاندان دہلی میں سکونت پذیر ہے۔ جب حضرت میر صاحب رض کیطرف سے دُعا کی تحریک ہوئی۔ تو آپ نے ایک خط حضرت میر صاحب رض کو لکھا اگرچہ اصل خط محفوظ نہیں۔ مگر حضرت میر صاحب رض کا بیان ہے:۔

"اس کے جواب میں مجھے حضرت میرزا صاحب نے تحریر فرمایا۔ کہ میرا تعلق میری بیوی سے گویا نہ ہونے کے برابر ہے۔ اور میں اور نکاح کرنا چاہتا ہوں۔ اور مجھے اللہ تعالےٰ نے الہام فرمایا ہے کہ جیسا تمہارا عمدہ خاندان ہے۔ ایسا ہی تمکو سادات کے عالیشان خاندان میں سے زوجہ عطا کرونگا۔ اور اس نکاح میں برکت ہوگی۔ اور اس کا سب سامان مَیں خود بہم پہنچاؤں گا۔ تمہیں کچھ تکلیف نہ ہوگی۔ یہ آپ کے خط کا خلاصہ ہے۔

اور یہ بھی لکھا، کہ آپ مجھ پر نیک ظنی کر کے اپنی لڑکی کا نکاح مجھ سے کر دیں۔ اور تا تصفیہ اس امر کو مخفی رکھیں۔ اور رد کرنے میں جلدی نہ کریں۔" (حیاتِ ناصر صفحہ)

حضرت نانی اماں رض اس سلسلہ میں سیرۃ المہدی حصہ دوم میں بیان فرماتی ہیں:۔

"ایک خط میر صاحب نے تمہارے ابا کے نام لکھا۔ کہ مجھے اپنی لڑکی کے واسطے بہت فکر ہے۔ آپ دُعا کریں۔ کہ خدا کسی نیک آدمی سے تعلق کیصورت پیدا کر دے۔ تمہارے ابا نے جواب میں لکھا۔ اگر آپ پسند کریں۔ تو مَیں خود شادی کرنا چاہتا ہوں اور آپ کو معلوم ہے۔ کہ گو میری پہلی بیوی موجود ہے۔ اور بچے بھی ہیں۔ مگر آجکل مَیں عملاً مجرد ہی ہوں۔ وغیرہ ذالک۔ میر صاحب

نے اس ڈر کیوجہ سے کہ میں بُرا مانوں گی مجھ سے اس خط کا ذکر نہیں کیا۔ اور اس عرصہ میں اور بھی کئی جگہ سے تمہاری اماں کے لئے پیغام آئے۔ لیکن میری کسی جگہ تسلی نہوئی۔ حالانکہ پیغام دینے والوں میں سے بعض اچھے اچھے متموّل آدمی بھی تھے۔ اور بہت اصرار کے ساتھ درخواست کرتے تھے۔

مولوی محمد حسین بٹالوی کے ساتھ تمہارے نانا کے بہت تعلقات تھے۔ انہوں نے کئی دفعہ تمہارے ابا کے لئے سفارشی خط لکھا۔ اور بہت زور دیا۔ کہ میرزا صاحب بڑے نیک اور شریف اور خاندانی آدمی ہیں۔ مگر میری یہاں بھی تسلی نہ ہوئی کیونکہ ایک تو عمر کا بہت فرق تھا۔ دوسرے اُن دنوں دہلی والوں میں پنجابیوں کے خلاف بہت تعصب ہوتا تھا۔ بالآخر ایک دن میر صاحبؓ نے ایک لدھیانہ کے باشندے کے متعلق کہا۔ کہ اس کیطرف سے بہت اصرار کی درخواست ہے اور ہے بھی وہ اچھا آدمی اُسے رشتہ دیدو۔ میں نے اس کی ذات وغیرہ دریافت کی، تو مجھے شرح صدر نہ ہوا۔ اور میں نے انکار کیا۔ جس پر میر صاحبؓ نے کچھ ناراض ہو کر کہا۔ کہ لڑکی اٹھارہ سال کی ہوگئی ہے۔ کیا ساری عمر اسے یونہی بٹھا چھوڑ دگی میں نے جواب دیا۔ کہ ان لوگوں سے تو پھر

غلام احمد ہی ہزار درجہ اچھا ہے

میر صاحبؓ نے جھٹ ایک خط نکال کر میرے سامنے رکھ دیا۔ کہ لو پھر میرزا غلام احمدؑ کا بھی خط آیا ہوا ہے۔ جو کچھ بھی ہو، ہمیں اب جلد فیصلہ کرنا چاہیئے۔ میں نے کہا اچھا

پھر غلام احمدؑ کو لکھ دو

چنانچہ تمہارے ناناجانؓ نے اسیوقت قلم دوات لیکر خط لکھدیا۔" (سیرۃ المہدی حصہ دوم صفحہ ۱۱۰، ۱۱۱)

ناناجانؓ کا بیان

نانی اماںؓ کے بیان کے ساتھ حضرت ناناجان کے بیان کا بقیہ حصہ دیدینا بھی ضروری ہے۔ آپؓ لکھتے ہیں:-

"پہلے تو میں نے کچھ تامل کیا۔ کیونکہ میرزا صاحبؑ کی عمر کچھ زیادہ تھی۔ اور بیوی بچہ موجود تھے۔ اور ہماری قوم کے بھی نہ تھے مگر پھر حضرت میرزا صاحبؑ کی نیکی اور نیک مزاجی پر نظر کر کے جس کا میں دل سے خواہاں تھا۔ میں نے اپنے دل میں مقرر کر لیا۔ کہ اسی نیک مرد سے اپنی دُختر نیک اختر کا رشتہ کر دوں۔

نیز مجھے دلی کے لوگ اور وہاں کے عادات و اطوار بالکل ناپسند تھے، اور وہاں کے رسم و رواج سے سخت بیزار تھا۔" (حیات ناصر صفحہ ۸)

اِن دونوں بیانوں سے معلوم ہوتا ہے۔ حضرت ام المومنین کی اماں اور اباکے دلوں میں الگ الگ قسم کے خیالات تھے۔ اور الگ الگ قسم کے موانع۔

حضرت میر صاحبؓ کے دل میں تین روکیں تھیں :۔

۱۔ عمر کا فرق۔

۲۔ پہلی شادی اور اولاد۔

۳۔ قوم کا فرق۔

نانی اماںؒ کو پہلی روک یہ تھی۔ کہ اوّل تو ان کا دل نہیں مانتا تھا۔ دوسرے عمر کا بہت فرق تھا۔
تیسرے دہلی والوں میں پنجابیوں کے خلاف سخت تعصّب تھا۔

ان موانع کے باوجود ایک چیز تھی جو اندر ہی اندر کام کر رہی تھی۔ اور وہ حضرت میر صاحبؓ کا یہ جذبہ تھا۔ کہ

انکا داماد نیک اور صالح ہو۔

یہ ایک اعلیٰ مقصد تھا۔ جس کے پیمانہ پر کوئی پورا نہ اُترتا تھا۔ درخواستیں کرنیوالے لوگ اچھے متموّل تھے۔ مگر نیک اور صالح نہ تھے۔ حضرت میر صاحب کو دہلی کے لوگوں کے عادات اور اطوار سے سخت نفرت تھی۔ اسلئے وہ تحریر فرماتے ہیں۔ کہ میں ہمیشہ خدا تعالےٰ سے دُعا مانگا کرتا تھا۔ کہ میرا مربی و محسن مجھے کوئی نیک اور صالح داماد عطا فرمائے۔ یہ دُعائیں نے بار بار اللہ تعالےٰ کی جناب میں کی اور آخر

قبول ہوئی۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بیوی کے متعلق فرمایا۔ کہ لوگ مال اور حسن کے لیے شادی کرتے ہیں۔ مگر آپ نے فرمایا خُذ بِذَاتِ الدِّیْنِ تم دیندار عورت سے شادی کرو۔

بالکل اسی اصل کے ماتحت حضرت میر صاحبؓ اپنی صاحبزادی کے لئے دیندار خاوند کے لئے خدا تعالےٰ کے حضور گڑگڑاتے تھے۔ اور خدا تعالےٰ سے رشتہ مانگا کرتے تھے۔ سو ان دعاؤں کے صدقہ میں اللہ تعالےٰ نے حضرت میر صاحبؓ کو وہ کچھ دیدیا، جو انہوں نے مانگا۔

یہ ایک عجیب بات ہے۔ کہ اُسوقت روئے زمین پر ایک ہی انسان تھا، جو نیکوں کا سردار اور راستبازوں کا راستباز تھا یعنی حضرت مسیح موعودؑ۔ اور اُس وقت دُنیا میں ایک ہی شخص تھا، جو خدا کے حضور اپنی بیٹی کے رشتہ کے لیے ہمیشہ خدا کے آگے رویا کرتا تھا۔ اور گڑگڑایا کرتا تھا۔ اور وہ تھا میر ناصر نوابؓ۔

خدا نے انکی دُعاؤں کو سُنا، اور قبول کیا۔ اور خود حضرت مسیح موعودؑ کو تحریک کی۔ اور خود حضرت میر صاحبؓ اور انکی حرم کے دل میں باقی سب رشتوں سے نفرت پیدا کر کے صرف اور صرف حضرت مسیح موعودؑ کے لئے انشراح پیدا کر دیا۔ اس طرح سے یہ ابتدائی مراحل طے ہو کر

اس مبارک اور مقدس جوڑے کی نسبت قرار پاگئی جس سے ایک نئی دنیا۔ ایک نیا خاندان۔ ایک نیا قصرِ امن تعمیر ہونیوالا تھا جس رشتہ کے ذریعہ بننے والی دُلہن خدیجہ ثانیہ بننے والی تھی۔ اور خدیجہ ثانیہ کا شوہر بروزِ محمد بنکر جلوہ افروز ہونیوالا تھا۔ جس جوڑے کے عالم وجود میں لانیکی ایک غرض

ایک موعود بیٹا، جسکی خبر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یَتَزَوَّجُ وَ یُوْلَدُ لَہٗ کی بشارت سے دی تھی پیدا کرنا تھا۔ اور ایک پاک نسل پیدا کرنی تھی جن کی مخالفت مخالفوں کو یزیدی اور جنکی محبت سعادت اور خدا تعالےٰ کی رضاء کا موجب بنانے والی ہے۔

پس

یہ مبارک جوڑا با وجود دکھوں اور حالات کی ناموافقت کے خدا کی منشاء کے ماتحت نامزد ہوگیا۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی عَبْدِكَ الْمَسِیْحِ الْمَوْعُوْدِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَخُلَفَآئِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔ آمِیْن ؛

تقریب نکاح اور اسکی کیفیت

جس تاریخ کو خط لکھا۔ اس تاریخ سے آٹھ دن بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام دہلی پہنچ گئے۔ حافظ حامد علی صاحبؓ بطور خادم کے ساتھ تھے۔ اور لالہ ملاوا مل صاحب اور ایک دو اور آدمی ساتھ تھے۔ حضرت میر صاحبؓ کی برادری کے لوگونکو جب معلوم ہوا، تو وہ بہت ناراض ہوئے۔ کہ ایک بوڑھے شخص کو اور پھر پنجابی کو رشتہ دیدیا۔ اور کئی لوگ اس ناراضگی کیوجہ سے شامل بھی نہ ہوئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے ساتھ کوئی زیور اور کپڑا نہ لے گئے تھے، صرف ڈھائی سو روپیہ نقد تھا۔ اس پر بھی رشتہ داروں نے بہت طعن کئے۔ کہ اچھا نکاح کیا ہے۔ کہ نہ کوئی زیور ہے نہ کپڑا۔

حضرت میر صاحبؓ اور ان کے گھر کے لوگ لوگوں کو یہ جواب دیتے تھے، کہ مرزا صاحبؓ کے اپنے رشتہ داروں سے زیادہ تعلقات نہیں ہیں۔ گھر کی عورتیں ان کی مخالف ہیں۔ پھر وہ جلدی میں آئے ہیں۔ اس حالت میں وہ زیور کپڑا

کہاں سے بنوالاتے۔

مگر برادری کے لوگوں کا طعن و تشنیع کم نہ ہوا۔ (سیرۃ المہدیؑ حصہ دوم ص۱۱۱)

حضرت ام المومنین نے تو بھی اپنی شادی کے متعلق سیرت المہدی حصہ اول ص۴۲ پر ایک روایت بیان فرمائی، جس کے بعض ضروری فقرات یہ ہیں:۔

"پھر حضرت صاحبؑ مجھے بیاہنے دلی گئے۔ آپؑ کے ساتھ شیخ حامد علیؓ اور ملا وامل بھی تھے۔ نکاح مولوی نذیر حسین نے پڑھا تھا۔ یہ ۲۷ محرم ۱۳۰۲ھ بروز پیر کی بات ہے۔ اُس وقت میری عمر اٹھارہ سال کی تھی۔ حضرت صاحبؑ نے نکاح کے بعد مولوی نذیر حسین کو پانچ روپیہ اور ایک مصلّٰے نذر دیا تھا۔"

حضرت میر صاحبؓ نے لکھا ہے۔ کہ نکاح ۱۸۸۵ء میں ہوا۔ مگر صحیح یہ ہے۔ کہ نکاح نومبر ۱۸۸۳ء میں ہوا تھا۔ حضرت میر صاحبؓ کو سن کے متعلق غلطی لگی۔ وہ لکھتے ہیں:۔

"اس نکاح کے متعلق سوائے اُن کی رفیق بیوی کے کسی کو علم نہ تھا۔ حضرت صاحبؑ کو چپکے سے بُلا بھیجا تھا۔"

خواجہ میر دردؒ کی مسجد میں بین العصر والمغرب مولوی نذیر حسینؒ صاحب محدّث دہلوی نے نکاح پڑھا۔ وہ ڈولی میں بیٹھکر آئے تھے۔ کیونکہ بوجہ ضعف اور بڑھاپے کے وہ چل پھر نہیں سکتے تھے۔

مہر۔ گیارہ سو روپیہ مہر مقرر ہوا۔ حضرت میر صاحبؓ نے عین وقت پر اپنے اور اپنی بیوی کے رشتہ داروں کو بُلا بھیجا۔ اسلئے وہ کچھ نہ کرسکے بعض رشتہ داروں نے گالیاں بھی دیں۔ اور بعض دانت پیسکر رہ گئے۔

---

* میری تحقیق میں شادی کا سال سنہ ۱۸۸۴ء ہے۔ عرفانی کبیر

رسم و رسوم

جانبین کی طرف سے کوئی رسم و رسوم کا نام تک نہ لیا گیا۔ ہر ایک کام سیدھا سادہ اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول پاک کے حکم و ارشاد کے مطابق ہوا۔ جہیز کا سامان ایک صندوق میں بند کر کے کنجی حضرت صاحبؑ کو دے دی گئی۔ اور چپ چپاتے حضرت ام المومنین کو رخصت کر دیا۔ (حیات ناصرؓ)

الغرض

اس طرح سے نہایت سادگی کے ساتھ شریعت حقہ کے ارشاد کے مطابق اس پاک جوڑے کا تعلق مسجد خواجہ میر دردؒ میں بین العصر و المغرب باندھا گیا۔ حضرت میر صاحبؓ کے رشتہ دار برا بھلا کہہ رہے تھے۔ مگر آسمان پر اللہ تعالیٰ اور اسکے ملائکہ برکات نازل فرما رہے تھے۔ کیونکہ اس وقت عالم روحانیت میں ایک تعمیر نو کی بنیاد رکھی جا رہی تھی۔

اس زمانے میں بٹالے تک ریل بن چکی تھی۔ حضرت صاحبؑ رخصتانہ کرا کے حضرت ام المومنین کو لیکر قادیان آ گئے۔

ایک اور روایت

سید غلام حسین صاحب انمیل ہنر بنڈری وٹرنری آفیسر بھوپال برادر حضرت قاضی سید امیر حسین صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھے بھوپال سے ایک روایت لکھی ہے:-

"حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں ایک دفعہ حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھ سے فرمایا۔ کہ ہم نے

میر ناصر نواب صاحبؓ سے ایک دن یہ دریافت کیا کہ کیا آپ کوئی ایسی نیکی بتا سکتے ہیں۔ جس کے باعث آپ کی صاحبزادی حضرت مسیح موعودؑ کے نکاح میں آئی۔ اس پر میر صاحبؓ نے فرمایا۔ کہ اور تو مجھے کچھ یاد نہیں۔ البتہ یہ ضرور ہے۔ کہ جب سے یہ پیدا ہوئی اس دن سے لیکر جس دن میں نے ان کو ڈولی میں ڈالا یہی دعا روزانہ کرتا رہا ہوں۔ کہ اے خدا تو اس کو کسی بہت نیک کے پلّے باندھیو"

میکے سے سُسرال میں

حضرت ام المومنین دلّی سے رخصت ہو کر قادیان آئیں۔

نئی دلہنوں کی سُسرال میں بڑی آؤ بھگت ہوتی ہے۔ چاؤ اور لاڈ ہوتے ہیں۔ مگر حضرت ام المومنین ایک ایسی جگہ تشریف لائیں۔ جہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سب رشتہ دار آپ کے مخالف تھے۔ اور ان کو آپ سے کوئی ہمدردی نہ تھی۔

یہی وجہ تھی۔ کہ حضرت ام المومنین کو یہاں کی تنہائی سے بڑی تکلیف ہوئی ان کے ساتھ دلّی سے ایک خادمہ فاطمہ بیگم ساتھ آئی تھیں۔ ان کی بھی یہ حالت تھی کہ نہ ان کی کوئی سمجھتا تھا۔ اور نہ وہ کسی کی سمجھتی تھیں۔

اس عالم تنہائی میں حضرت ام المومنین بہت گھبرائیں۔ انہوں نے خط لکھا کہ میں سخت گھبرائی ہوئی ہوں اور شاید میں اس غم اور گھبراہٹ سے مر جاؤنگی۔

رخصتانہ سے ایک ماہ بعد حضرت میر صاحبؓ قادیان آکر حضرت ام المومنین کو لے آئے۔ فاطمہ بیگم سے حضرت نانی اماں نے پوچھا۔ کہ لڑکی کیسی رہی ہے؟ تو اسنے

حضرت مسیح موعودؑ کی بڑی تعریف کی اور کہا۔ کہ:۔

"لڑکی یونہی شروع شروع میں اجنبیت کیوجہ سے گھبرا گئی ہوگی۔ ورنہ میرزا صاحبؑ نے تو ان کو بہت ہی اچھی طرح سے رکھا ہے۔ اور وہ بہت اچھے آدمی ہیں۔"

نانی اماںؓ نے حضرت ام المومنین سے پوچھا۔ تو انہوں نے بھی یہی کہا:۔

"مجھے انہوں نے بڑے آرام کے ساتھ رکھا۔ مگر میں یونہی گھبرا گئی تھی۔" (سیرۃ المہدیؑ حصہ دوم صـــ۱۱۲)

اِن بیانات سے معلوم ہوسکتا ہے۔ کہ حضرت ام المومنین کن حالات میں پہلی مرتبہ قادیان میں رہیں۔ گھر کے عام افراد سے تو میل جول نہ تھا۔ البتہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام عَاشِرُوْاھُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ کا کامل نمونہ تھے۔

حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کا بیان

میری درخواست پر حضرت سیّدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ نے ایک قیمتی مضمون لکھکر شملہ سے بھجوایا۔ مَیں ان کی کرم فرمائی اور اس احسان کا از حد شکر گذار ہوں۔ انہوں نے حضرت ام المومنین کی زبانی ایک روایت تحریر فرمائی ہے:۔

"اماں جان نے ایک دفعہ ذکر فرمایا۔ جب تمہارے ابا مجھے بیاہ کر لائے، تو یہاں سب کنبہ سخت مخالف تھا (اس وقت تک شادی کی ہی وجہ سے غالباً) دو چار خادم مرد تھے۔ اور پیچھے سے ان بچاروں کی بھی گھر والوں نے روٹی بند کر رکھی تھی۔ گھر میں عورت

کوئی نہ تھی۔ صرف میرے ساتھ "فاطمہ بیگم" تھیں۔ وہ کسی کی زبان نہ سمجھتی تھیں۔ نہ ان کی کوئی سمجھے۔ شام کا وقت بلکہ رات تھی جب ہم پہنچے۔ تنہائی کا عالم، بیگانہ وطن میرے دل کی عجیب حالت تھی۔ اور روتے روتے میرا بُرا حال ہوگیا تھا۔ نہ کوئی اپنا تسلّی دینے والا۔ نہ مُنہ دُھلانیوالا، نہ کھلانے پلانے والا۔ کنبہ نہ ناطہ۔ اکیلی حیرانی پریشانی میں آن کر اُتری۔ کمرے میں ایک کھرّی چارپائی پڑی تھی۔ جس کی پائینتی ایک کپڑا پڑا تھا۔ اس پر تھکی ہاری جو پڑی ہوں تو صبح ہوگئی۔

یہ اس زمانہ کی ملکہ دو جہان کا بستر عروسی تھا۔ اور سُسرال کے گھر میں پہلی رات تھی۔ مگر خدا کی رحمت کے فرشتے پکار پکار کر کہہ رہے تھے۔ کہ اے کھرّی چارپائی پر سونیوالی پہلے دن کی دُلہن! دیکھ تو سہی دو جہان کی نعمتیں ہوں گی اور تو ہوگی۔ بلکہ ایک دن تاج شاہی تیرے خادموں سے لگے ہوں گے انشاء اللہ۔

اگلی صبح حضرت مسیح موعودؑ نے ایک خادمہ کو بلوادیا

اور گھر میں آرام کا سب بندوبست کر دیا۔"

یہ ہے شادی کی تفصیل۔ اس طرح وہ دُلہن جسے خدا نے نوعروسے کہا تھا اور جسکو خدیجتی، اپنی خدیجہ فرمایا تھا، اپنے عظیم الشان شوہر کے گھر میں آگئی۔

میرے عزیز دوست ثاقب صاحب زیروی جو ایک مخلص اور نوجوان شاعر ہیں۔ انہوں نے اس مبارک تقریب کے ذکر پر ایک نظم لکھکر اس کتاب میں شائع کرنے کے لئے میرے پاس بھیجی ہے۔

مَیں ان کے اخلاص اور محبّت کو مدِّنظر رکھکر خوشی سے انکی نظم کو جگہ دے رہا ہوں۔ (محمود عرفانی)

"اُمّ المومنین" کی شان

معیّن وقت پر خالق نے مضرابِ حسین چھیڑا — محبت اور اخوت کے ہوئے نغمات پھر پیدا
چھٹے ظلمت کے بادل مہرِ حق بالائے بام آیا — زمیں والوں کو پھر سے نورِ رحمت کا پیام آیا

ندا آئی جہاں میں پھر ہمارا پہلوان جائے
جہاں والوں کو جو اسلام کے آداب سکھلائے

مٹا دے جا کے ہر گلکاریٔ شرک و توہّم کو — بدل دے زہر خنداں سے جو تثلیثی تبسّم کو
جہاں کو خوابِ غفلت سے جگانا کام ہو جس کا — ہر اک شے کو مٹا کر پھر بنانا کام ہو جس کا

چُناؤ میں محمدؐ کا جو آئی سب سے پسند آیا
یقیناً ایسے آڑے وقت میں تھا چاہئے ایسا

جمالی شان کے ہر ہتھیار سے آراستہ کر کے — نگاہوں میں جگر میں دل میں نورِ ایزدی بھر کے

فرشتوں کو دیا یہ حکم بس اک بار پھر جاؤ
رفیق ایسا ہمارے پہلوان کے واسطے ڈھونڈو

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے

جو یکتائے زمانہ ہو، حبیبی اور کریمی میں
جہاں بھر میں بدل نہ مل سکے جس کا حلیمی میں
ہو دل معمور جس کا درد جذبِ غمگساری سے
کہ اس کو کھیلنا ہے دنیا بھر کی بیقراری سے
ہمارے دین پر جو جان تک دینا روا جانے
بُرے کا جو بھلا چاہے بُرے کو جو بھلا جانے
زمانے کے مصائب کو دعا و صبر سے جھیلے
فلک کی گردشوں کی یورشوں سے شکر سے کھیلے

ہم اسکو اپنی شفقت سے بھرا ساغر پلائینگے
ہم اسکو اس زمانے کیلئے رحمت بنائینگے

خدیجہ کے مقدس نام سے اسکو ضیاء دیں گے
اُسے اِس دور کے سب مومنوں کی ماں بنا دینگے

فرشتے سُنکے اس ارشاد کی تعمیل کو دوڑے
جھپک میں آنکھ کی دنیا سے خوش اور شادماں لوٹے

سروں کو خم کیا اور التجا کی! ملجا و ماویٰ!
ترے لطف و کرم سے مل گیا ہے وہ وُدِیعت!

ہے جسکے حال پر تیرے کرم کی بارش پیہم
وہ تیری بہترین مخلوق ہے نصرت جہاں بیگم

خدا کو یہ چُنا وُ بھی فرشتوں کا پسند آیا
بنا کر پھر جہاں میں اُسکو اُمّ المومنین بھیجا

خدا اس ماں کو ہم سب سے زیادہ زندگی بخشے
جہاں جس کا مزین ہے اُسے وہ ہر خوشی بخشے

کہ اُسکے بطن سے محمود سا گوہر ہوا پیدا
مرا ہادی، مرا رہبر، مرا آقا، مرا پیارا

ثاقب ـ زیروی
۲۹/۱۰/۴۳

اُن پُرانی مستورات میں سے جنہوں نے حضرت اُمّ المومنین کو دُلہن بنے ہوئے دیکھا، اب کوئی موجود نہیں۔ البتہ میرے محترم بھائی مولوی جلال الدین شمس صاحب کی پھوپھی جو مائی کاکو صاحبہ کے نام سے مشہور ہیں۔ اور جو حضرت اُم المومنین کی خادمہ ہیں۔ اور ایک عشق و شوق سے خدمت کرتی ہیں، نے مجھے سُنایا کہ جب حضرت ام المومنین نئی نئی بیاہی ہوئی آئیں۔ یعنی ۱۸۸۳ء کے نومبر یا دسمبر کے ابتدائی دنوں میں ہم بھی ایک دفعہ قادیان آئی ہوئی تھیں۔ تو ہم نے سُنا کہ میرزا صاحب "ڈوہٹی" بیاہ کرلائے ہیں۔ اس لئے ہم دیکھنے کے لئے چلی گئیں۔

حضرت ام المومنین ۱۸-۱۹ سال کی لڑکی تھیں۔ بالکل پتلی دُبلی اور نحیف سی تھیں۔ سفید کپڑے پہنے ہوئے تھیں۔ پنجاب کے رواج کے بالکل خلاف رنگین یا سرخ جوڑا نہ تھا۔ اُسوقت کھلے پائچے کا غرارہ پہنے ہوئے تھیں۔

حضرت ام المومنین ہمکو دیکھکر کمرے سے باہر آگئیں۔ اور ہم کو جب ایک دُبلی سی کم عمر لڑکی سفید لباس میں نظر آئی۔ تو ہمکو تعجب ہوا۔ اور ہم نے کہا۔ کہ

اے کس طرح دی ووہٹی اے

اِس کے بعد مائی کاکو صاحبہ بیان کرتی ہیں۔ کہ ہم نے پھر حضرت ام المومنین کی جو شان دیکھی اُسے مَیں لفظوں میں بیان نہیں کرسکتی۔

حضرت ام المومنین کے اخلاق حسنہ کے متعلق

سب سے بڑی چیز۔ جو انسان کو ہر ایک جاندار سے ممیز کرتی ہے نہ صرف ہر ایک جاندار سے ممیز کرتی ہے، بلکہ انسانوں میں بھی ممتاز بناتی ہے، وہ انسانی

اخلاق ہیں۔

اِس مختصر سی کتاب میں مَیں فلسفۂ اخلاق پر بحث نہیں کر سکتا۔ مگر اخلاق روحانیت کے لئے پہلا زینہ ہیں۔ ہمارے گھروں کی اندرونی زندگی کے خراب ہونیکے بڑے اسباب میں ایک اخلاقی تفاوت بھی ہے۔ میاں بیوی کی زندگی کی گاڑی اُس وقت تک نہیں چل سکتی، جب تک اُن دونو کا نقطۂ نگاہ ایک نہ ہو مثلاً فرض کرلو، ایک گھر کا مالک مہمان نواز واقع ہوا ہے، مگر بیوی کسی مہمان کو پانی پلانا بھی پسند نہ کرتی ہو، تو اس کا نتیجہ ظاہر ہے۔ اس گھر میں روز جنگ ہوتی رہیگی۔ بیوی کہے گی، کہ میں تمہاری خدمت تو کر سکتی ہوں، مگر یہ ہر آئے گئے کی خدمت مجھ سے نہیں ہو سکتی۔ مَیں ان لوگوں کی نوکر نہیں لگی ہوئی۔ مَیں اپنا گھر لوگوں کیلئے لٹا نہیں سکتی۔ الغرض اس قسم کی سینکڑوں ایسی باتیں پیدا ہوتی رہیں گی جن سے گھر خانہ جنگی کا مرکز بنا رہے گا۔

اسی طرح اگر میاں دیندار ہو، اور بیوی دیندار نہ ہو۔ میاں فیاض ہو، بیوی بخیل ہو۔ میاں تعلیمیافتہ ہو، بیوی جاہل ہو۔ میاں ہمدردِ خلائق ہو بیوی لوگوں کو دیکھکر گھبراتی ہو۔ تو اِن حالات میں مزاجوں میں چڑچڑاپن پیدا ہو جاتا ہے اور ایسے میاں، بیوی خود اپنے لئے وبالِ جان بنجاتے ہیں۔ اور ایسے گھر ہر وقت کی لڑائی کی آماجگاہ بنے رہتے ہیں۔ ان سے برکت، آرام اور چین چلا جاتا ہے۔ اس لئے صرف مرد کے اخلاق پر گھر کی عافیت مبنی نہیں، بلکہ گھر کو جنت بنانے میں عورت کا بہت بڑا دخل ہے۔

عورت گھر کی ملکہ ہے، جہاں اس کی کلی حکومت ہوتی ہے، وہ اگر چاہے تو اسے جنت بنادے، اور چاہے تو اسے جہنم بنادے۔ اس لئے عورت کے اخلاق پر گھر کی بہتری اور بہبودی کا بڑا انحصار ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام دُنیا کی اصلاح، تربیت، درستی کیلئے مبعوث ہوئے، ان کو وسّع مکانک۔ یاتیک من کلّ فجٍ عمیق و یاتون من کلّ فجٍّ عمیق کی بشارتیں ہو رہی تھیں۔

ایسی حالت میں اگر خدانخواستہ آپکو ایسی بیوی ملتی، جو ان ذمہ داریوں کا احساس نہ کر سکتی، جو بحیثیت ایک نبی کی بیوی ہونیکے اس پر عاید ہوتی ہیں، تو وہ کام جس کی تکمیل کے لئے آپؑ مبعوث ہوئے تھے بالکل ادھورا رہ جاتا۔

اس لئے اس کام کی تکمیل کے لئے ضروری تھا، کہ آپؑ کے بیوی بچے اس ذمہ داری کے بوجھ کو برابر کا اٹھائیں، اور وہ اخلاق اور اعمال میں دوسروں کے لئے نمونہ ہوں۔ اس اصل کے ماتحت اللہ تعالےٰ نے فرمایا:۔

وَالطَّیِّبٰتُ لِلطَّیِّبِیْنَ وَالطَّیِّبُوْنَ لِلطَّیِّبٰتِ ج

پاکیزہ خصائل عورتیں پاکیزہ خصائل مردوں کے لئے ہیں۔ اور پاکیزہ خصائل مرد پاکیزہ خصائل عورتوں کے لئے ہیں۔

اس اصل کے ماتحت اس زمانے کے نبی کی بیوی کا دُنیا میں سب سے بڑی نیک اور پاکیزہ خاتون ہونا یقینی امر تھا۔ اور یہی وجہ تھی، کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا گھر اس دُنیا میں جنّت کا نمونہ تھا۔

حضرت ام المومنین جب اس گھر میں تشریف لائیں، تو ان کو ایسے لوگوں سے واسطہ پڑا، جو باوجود رشتہ دار ہونے کے بالکل الگ تھلگ تھے۔ اور حضرت اقدسؑ سے ایک دشمنی کا رنگ رکھتے تھے۔

حضرت ام المومنین کو اُس وقت دلّی والی کے نام سے رشتہ دار، لوگ پکارتے تھے۔

حضرت ام المومنین اور سوت

میں لکھ چکا ہوں۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک پہلی بیوی بھی تھیں۔ جن سے ایک عرصہ سے عملی رنگ میں علیحدگی تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جب دوسری شادی کر لی۔ تو آپ نے پہلی بیوی کو کہلا کر بھیجا۔ کہ:۔

"اب اگر میں دونوں بیویوں میں برابری نہیں رکھونگا تو میں گنہگار ہونگا۔ اسلئے اب دو باتیں ہیں، یا تو تم مجھ سے طلاق لے لو۔ یا مجھے اپنے حقوق چھوڑ دو۔ میں تم کو خرچ دونگا۔" تو انہوں نے کہلا بھیجا۔ کہ میں اب بڑھاپے میں طلاق کیا لونگی۔ مجھے خرچ ملتا رہے۔ میں اپنے حقوق چھوڑتی ہوں۔"

(یہ روایت حضرت ام المومنین کی زبان مبارک سے بیان ہو کر سیرت المہدی حصہ اول مصنفہ حضرت میرزا بشیر احمد صاحب میں مفصل طور پر شائع ہو چکا ہے)

اس طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام پہلی بیوی سے الگ ہی تھے۔ مگر حضرت ام المومنین باوجود اس کے، کہ یہ جانتی تھیں۔ کہ وہ سوت ہیں۔ اُن سے کوئی رنج۔ بغض یا نقار نہ رکھتی تھیں۔ بلکہ کبھی کبھی اُن سے مل بھی لیا کرتی تھیں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کیطرف سے انکو بھی کوئی روک اور ممانعت نہ تھی۔ چنانچہ حضرت ام المومنین کی روایت ہے۔ کہ:۔

"ایک دفعہ میرزا سلطان احمد (صاحب) کی والدہ بیمار ہوئیں۔ تو چونکہ حضرت صاحبؑ کیطرف سے مجھے اجازت تھی۔ میں اُن کو دیکھنے کے لئے گئی۔ واپس آکر میں نے حضرت صاحبؑ سے ذکر

گیا۔ کہ بھتیجے کی ماں بیمار ہے۔ اور یہ یہ تکلیف ہے۔ آپ خاموش رہے۔ میں نے دوسری دفعہ کہا۔ تو فرمایا۔ میں تمہیں دو گولیاں دیتا ہوں، یہ دے آؤ۔ مگر اپنی طرف سے دینا، میرا نام درمیان میں نہ آئے۔ والدہ صاحبہ فرماتی تھیں، کہ اور بھی بعض اوقات حضرت صاحب نے اشارۃً کنایۃً مجھ پر ظاہر کیا کہ میں ایسے طریق پر کہ حضرت صاحب کا نام نہ آئے اپنی طرف سے کچھ مدد کروں، سو میں کر دیا کرتی تھی۔"

(سیرت المہدی حصہ اول ص۲۷ روایت نمبر ۴۰)

اس روایت سے حضرت ام المومنین کے قلب کی گہرائی پر ایک وسیع نظر پڑتی ہے۔ گویا کہ خدا تعالیٰ نے آپ کو ایسا صاف اور مصفا قلب دیا تھا، جو ہر شخص کی محبت، ہمدردی اور خیر خواہی سے لبریز تھا۔ میرزا فضل احمد صاحب کی والدہ کی بیماری کی اطلاع پا کر آپ ان کی عیادت کے لئے تشریف لے گئیں۔ عورت کا کیریکٹر یہ ہے، کہ وہ دنیا کی ہر چیز کی قربانی کر سکتی ہے۔ مگر اسکے قلب میں سوت کے لئے کوئی جگہ نہیں ہو سکتی۔ خواہ وہ مٹی کی ہی کیوں نہ ہو۔ اس کی طبیعت میں سوت کے لئے کوئی لگاؤ نہیں ہوتا۔ مگر حضرت ام المومنین کا اپنی سوت کے پاس جانا، اور ان کی عیادت کرنا۔ اور نہ صرف عیادت کرنا، بلکہ بیماری کی تفصیل دریافت کرنی۔ اور پھر اس حد تک اس معاملہ کو ختم نہ کر دیا، بلکہ ان کی تکلیف سے متاثر ہوئیں اور وہاں سے آکر حضرت اقدس کو ساری تکلیف بتلائی۔ اور باوجود حضرت کی خاموشی کے پھر دوسری دفعہ توجہ دلا کر دوائی حاصل کرلی۔ اور پھر دوبارہ جا کر ان کو دوائی دی۔ میں پورے وثوق سے کہتا ہوں، کہ یہ واقعہ اگر کسی اور کے گھر میں ہوتا، خواہ حالات بھی ہوتے کہ

پہلی بیوی نے اپنے حقوق چھوڑ دیئے ہوں۔ مگر دوسری بیوی یقیناً یہ کہتی۔ کہ مجھے کیا اگر کل مرتی ہے، تو آج ہی مرے۔

پھر اس پر اکتفا نہیں، بلکہ فرماتی ہیں۔ کہ وقتاً فوقتاً ان کی مدد بھی کر دیا کرتی تھی۔

یہ پاک نمونہ ہے، آپ کے اخلاقِ کریمانہ کا، جو آپ نے اپنی ایک سَوت کے متعلق دکھایا۔ ہم عام طور پر دیکھتے ہیں، کہ مسلمان عورتیں اسلام کے صاف اور صریح حکم کی موجودگی میں، کہ ایک سے زائد عورتوں سے شادی کیجا سکتی ہے سَوت سے اس قسم کی عداوت کرتی ہیں۔ کہ الامان! والحفیظ!! لوگوں نے اس قسم کی بدمزگی کے قصّے اور کہانیاں لکھ ڈالیں، جنمیں دو بیویوں والے خاوند کی دُرگت کے نقشے کھینچے گئے۔ اس طرح ان لوگوں نے اپنے طرزِ عمل سے یہ ثابت کرنیکی سعی باطل کی، کہ اسلام کا یہ مسئلہ ناقابلِ عمل، غیر مفید اور مضر ہے۔

دراصل یہ بات عدم تربیت اور جہالت سے پیدا ہوئی۔ ورنہ اگر سچا اور کامل ایمان کسی کے قلب میں پیدا ہو جائے۔ تو پھر اس قسم کے لغو اور بودے وساوس اسکے اندر پیدا نہیں ہو سکتے۔ اس زمانہ میں جبکہ اسلام کی سادی خوبیاں مفقود ہو چکی تھیں، مسلمان بالکل مذہب کو چھوڑ چکے تھے۔ ضروری تھا، کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ ایسا واقعہ بھی پیش آتا جس کے رونما ہونے سے یہ بات صاف ہو جاتی، کہ مسلمان باخدا عورت سَوت کے جھگڑے اور ناراضگی کو کچھ چیز نہیں خیال کرتی۔ اصل چیز تو خدا اور اسکی رضا ہے۔

ایک اور واقعہ!

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے محمدی بیگم کے اپنے نکاح میں آنیکی

پیشگوئی فرمائی۔ تو حضرت ام المومنین نے بارہا اللہ تعالیٰ کے حضور رو رو کر دعائیں کیں، کہ یہ پیشگوئی پوری ہو۔ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب سیرۃ مسیح موعود علیہ السلام میں تحریر فرمایا ہے۔ اور پھر حضرت عرفانی کبیر نے اپنی سیرت مسیح موعود حصہ سوم کے صفحہ ۳۲۷ میں بھی اس واقعہ کو درج کیا ہے

"کہ آپ نے بارہا خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہا۔ کہ گو میری زنانہ فطرت کراہت کرتی ہے۔ مگر صدق دل اور شرح صدر سے چاہتی ہوں کہ خدا کے مُنہ کی باتیں پوری ہوں۔ اور ان سے اسلام اور مسلمانوں کی عزّت ہو۔ اور جھوٹ کا زوال و ابطال ہو"

ایک روز آپ دُعا مانگ رہی تھیں، حضرت نے پوچھا آپ کیا دُعا مانگتی ہیں؟ آپ نے یہ بات سنائی۔ کہ یہ مانگ رہی ہوں۔ حضرت نے فرمایا سوت کا آنا تمہیں کیونکر پسند ہے؟ آپ نے فرمایا کچھ ہی کیوں نہ ہو مجھے اِس کا پاس ہے۔ کہ آپ کے مُنہ کی نکلی ہوئی باتیں پُوری ہو جائیں۔ خواہ میں ہلاک کیوں نہ ہو جاؤں"

اس واقعہ کی تہ میں بہت سی باتیں پوشیدہ ہیں:۔

۱۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ذات پر اور آپ کے دعویٰ پر پکا ایمان۔

۲۔ شوہر کی سچی محبت۔

۳۔ اسلام سے سچا پیار۔

۴۔ دعاؤں پر ایمان۔

۵۔ اسلام اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عزت و سچائی کیلئے ہر تکلیف کو برداشت کرنے کی قوت کا اپنے اندر پانا۔

پہلا اور پھر یہ دوسرا واقعہ اس سچی محبت اور اس سچی وفاداری کا ببانگِ دہل اعلان کر رہا ہے جو آپ کو اپنے مقدس شوہر سے تھی۔ آپ ان کی اطاعت میں اسقدر مخلص اور وفا شعار تھیں۔ کہ ایک سوت کو قبول کرنے اور ایک سوت سے حسن سلوک کرنے میں دریغ نہ کرتی تھیں۔ اس کی مثال ذرا ڈھونڈو کہیں نظر آتی ہے؟

کیا حضرت سارہؓ اور حضرت ہاجرہؓ کا واقعہ ہزارہا سال سے بندگانِ خدا کے سامنے نہیں آرہا؟ ہاجرہؓ کی ہجرت میں الٰہی قدرت کے کیا کیا راز تھے۔ مگر بادیٔ النظر میں تو یہی نظر آرہا ہے۔ کہ وہ دو سوتوں کا جھگڑا تھا۔

رامچندر جی ہندو مذہب کے مقدس ہادیوں میں سے تھے۔ اُن کے بن باس کا واقعہ کیا ہے؛ وہ دو سوتوں کا جھگڑا تھا۔ جس نے اس قدر بھیانک صورت اختیار کرلی، کہ رامچندر جی مہاراج کو تو بارہ برس کے لئے بن باس جانا پڑا۔ اُن کے باپ راجہ دسرتھ کی موت واقع ہوگئی۔ اور حالات کچھ کے کچھ ہوگئے۔

رانی کیکئی جو بھرت کی ماں تھی، اس نے خاوند کی موت، سلطنت کی تباہی ان سب امور کو قبول کرلیا۔ مگر اس امر کو پسند نہ کیا، کہ سوت کا لڑکا تخت نشین ہو۔

مگر حضرت ام المومنین کی سیرت کا یہ سنہری اور زرّیں واقعہ ایسا ہے، کہ جس نے مسلمان عورتوں کی شوہر پرستی کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔

گویا کہ اس دل کو پہلو سے نکال کر پھینک دیا جس دل میں سوت کیلئے نفرت کے جذبات موجزن ہوتے ہیں۔ حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ نے اس واقعہ پر حسب ذیل نوٹ لکھا ہے:۔

"برادران! یہ ایمان تو میں مسلمانوں کے مردوں میں بھی نہیں دیکھتا

کیا ہی مبارک ہے وہ مرد اور مبارک ہے وہ عورت جن کا تعلق باہم ایسا سچا اور مصفا ہے۔ اور کیا بہشت کا نمونہ وہ گھر ہے جس کا ایسا مالک اور ایسے اہل بیت ہیں میرا اعتقاد ہے، کہ شوہر کے نیک و بد اور اسکے مکار و فریبی، یا راستباز اور متقی ہونے سے عورت خوب آگاہ ہوتی ہے۔ درحقیقت خلا ملا کے رفیق سے کونسی بات مخفی رہ سکتی ہے۔ میں ہمیشہ سے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی بڑی مستحکم دلیل سمجھا اور مانا بھی کرتا ہوں۔

آپ کے ہم عمر اور محرم راز دوستوں اور ازواج مطہرات کے آپ پر صدق دل سے ایمان لانے اور اس پر آپ کی زندگی میں موت کے بعد پورے ثبات اور وفاداری سے قایم رہنے کو صحابہ کو ایسی تامہ اور کامل زیرکی بخشی گئی تھی۔ کہ وہ اس محمد میں جو اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ کہتا۔ اور اس محمد صلے اللہ علیہ وسلم میں جو اِنِّی رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا کہتا صاف تمیز کرتے وہ بے غش اخوان الصفاء اور آپ کی بیبیاں جیسے اس محمد سے جو بشر محض ہے، ایک وقت انبساط اور بے تکلفی سے گفتگو کرتے۔ اور کبھی کبھی معمولی کاروبار کے معاملات میں پس و پیش اور رد و قدح بھی کرتے ہیں۔ اور ایک وقت ایسے اختلاط اور موانست کی باتیں کر رہی ہیں۔ کہ کوئی حجاب حشمت اور پردہ تکلف درمیان نہیں وہی دوسرے وقت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مقابل یوں سرنگوں اور متادب بیٹھے ہیں۔ گویا لٹھے ہیں جن پر پرندے

بھی بیباکی سے گھونسلا بنا لیتے ہیں۔

اور تقدم اور رفع صوت کو آپؑ کے حضور میں حبط اعمال کا موجب جانتے۔ اور ایسے مطیع و منقاد ہیں۔ کہ اپنا ارادہ اور اپنا علم اور اپنی ہوا امر رسول کے مقابل یوں ترک کر دیتے ہیں۔ گویا وہ بے عقل اور بے ارادہ کٹھ پتلیاں ہیں۔ ایسی مخلصانہ اطاعت اور خودی اور خود رائی کی کینچلی سے صاف نکل آنا ممکن نہیں۔ جب تک دلوں کو کسی کے سچے نبی ہیا منجانب اللہ زندگی کا یقین پیدا نہ ہو جائے۔

اسی طرح میں دیکھتا ہوں۔ کہ حضرت اقدسؑ کو آپؑ کی بی بی صاحبہ صدقِ دل سے مسیح موعود مانتی ہیں۔ اور آپؑ کی تبشیرات سے خوش ہوتی اور انذرات سے ڈرتی ہیں۔ غرض اس برگزیدہ ساتھی کو برگزیدۂ خدا سے سچا تعلق اور پورا اتفاق ہے۔" (سیرت مسیح موعودؑ مصنفہ حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ)

حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ جس نتیجہ پر پہنچے ہیں۔ وہ ایک عارفانہ نتیجہ ہے۔ اور حق یہی ہے۔ کہ حضرت ام المومنین کا یہ ایمان عارفوں کی معرفت میں بہت بڑا اضافہ کرنے کا باعث ہوا۔

بڑے بڑے باخدا بزرگ دنیا میں ہوئے۔ اُن کی بیویوں نے اُن سے بڑی بڑی وفاداریاں کیں۔ مگر اس امر کی مثال نہیں مل سکتی۔ کہ کسی عورت نے یہ دُعا کی ہو۔ کہ اس کے پاکباز خاوند کے مُنہ کی بات پوری ہو۔ اور بیشک اسکے گھر میں سَوت آجائے۔

اس کی مثال تاریخ میں کوئی نہیں۔

دوسری شادی

میں اسجگہ یہ بحث نہیں کرونگا - کہ دوسری شادی ضروری ہے یا نہیں ؟ لیکن یہ ایک مسلمہ بات ہے - کہ اسلام نے اس چیز کو بعض حالات میں نہایت ضروری قرار دیا ہے قوموں کی زندگی کے لئے جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے اُن میں سے ایک کثرت بھی ہوتی ہے - اور کثرت دو طرح سے واقع ہوتی ہے۔

اوّل - بذریعہ نسل -

دوم - بذریعہ اشاعت مذہب -

اسلام نے اِن دونو چیزوں پر زور دیا ہے - جس طرح اشاعتِ مذہب ضروری ہے - اسی طرح اکثثارِ نسل بھی ضروری ہے - ایسی صورت میں جو بچہ پیدا ہوتا ہے - وہ دینی قومیت کا ایک سپاہی ہوتا ہے - اور وہ شوکتِ اسلام کو قریب کرنیکا باعث ہوتا ہے - اس لئے ایسے حالات میں عند الضرورت جو لوگ زیادہ شادیاں کر کے تقویتِ دین کا باعث نہیں بننا چاہتے - وہ قوم - مِلّت اور مذہب کے دشمن گردانے جائینگے -

پس

کبھی ایک سے زیادہ شادیاں ایک قومی ، ملی اور مذہبی مقدس فریضہ بن جاتا ہے - اس لئے اس کے خلاف جذبہ خواہ مردوں کی طرف سے ہو - یا عورتوں کیطرف سے ہو - ایک قومی جُرم ہے -

اس زمانہ میں

مسلمانوں نے یورپ کے اعتراضوں سے مرعوب ہو کر اس امر کو تسلیم کرلیا - کہ دوسری شادی وحشت ہے - ظلم ہے - بربریت ہے - بعض اسلامی ملکوں میں ایسے

قوانین وضع کئے گئے۔ کہ وہاں کے مسلمان باشندے ایک سے زیادہ شادیاں نہ کریں۔ انہوں نے عورتوں کی آواز سے اپنی آواز ملائی۔ اور اس پر صدائے احتجاج بلند کی۔ اخبارات اور رسالوں میں مضمون لکھے۔ زنانہ مردانہ انجمنوں میں لیکچر دیئے اور جن لوگوں نے اسلام کے اس رکن کے خلاف آواز اٹھائی۔ انکو انہوں نے اپنا لیڈر۔ راہنما اور ہادی تسلیم کیا۔

حالانکہ ان کو اس قدر معلوم نہ تھا۔ کہ یورپ وامریکہ نے تو مذہب کا گلا گھونٹ کر اور اس کی لاش پر کھڑے ہو کر اباحت اور بدکاری کا دروازہ کھول کر مردوں عورتوں کو جامۂ انسانی سے باہر نکال کر محض بہائم کی زندگی میں داخل کر دیا۔ اور یہ وہ زندگی ہے۔ جس کے لیئے نہ کوئی قانون ہے اور نہ کوئی شریعت۔ مگر یہ عقل کے اندھے بھی ان بہائم طبیعت لوگوں کے پیچھے لگ گئے۔ یہ سب لوگ اسلام کے دشمن ہیں۔ اور اس اسلام دشمنی نے مسئلہ تعدّد ازدواج کو ایسی بھیانک صورت دیدی۔ کہ یورپ کے لوگوں نے ترک یعنی مسلمان کو دُنیا کا وحشی ترین انسان قرار دے دیا۔

حرم یعنی عرب سرداروں کے محلات جنکی ان کے خیال میں سر بفلک دیواریں ہر وقت آسمان سے باتیں کرتی رہتی ہیں۔ تاکہ حرم کے اندر محبوس عورتوں کو ہوا نہ لگ سکے۔ اس کے اندر ایسے قیدی رہتے ہیں جن کے پاس کبھی ہوا بھی نہیں گزرتی۔ جہاں وہ عورتیں اندر ہی اندر سڑتی رہتی ہیں۔ دق اور سل کے جرثیم اندر ہی اندر ان عورتوں کو ہلاک کرتے رہتے ہیں۔ اس قسم کی بھیانک تصویر ان ان لوگوں نے۔ جو دشمنانِ اسلام تھے اسلام کی بنائی۔ ان کو پڑھکر یورپ کی لڑکیاں مشرق کے دور دراز کے شہروں کو عالمِ تصور میں دیکھتیں۔ اور کانپ کر رہ جاتیں۔ اگر خدانخواستہ کبھی کسی مسلم کا ذکر سُن پاتیں۔ تو ان کو ہسٹیریا کا دورہ

شروع ہوجاتا۔ اس پراپیگنڈہ سے خود مسلمان ملکوں کے مرد اور عورتیں بھی متاثر ہوکر رہیں۔ اور انہوں نے بھی ایسے احکام کو جہالت اور وحشت قرار دیا۔ اللہ اکبر! حالت کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔ اس وقت اس زمانہ میں کوئی عورت نہ تھی۔ جو اس ظلم کے خلاف آواز اٹھائے۔ تب خدا نے اس ظلم کے خلاف عملی آواز اٹھانے کے لئے نصرت جہان بیگم کو پیدا کیا۔

جس نے اپنے عمل سے اور اپنی دُعاؤں سے اسلام کے اس حکم کی سچائی اور بزرگی کو ظاہر کیا۔ اور فرمایا :۔

"میں صدق دل اور شرح صدر سے چاہتی ہوں۔ کہ خدا کے مُنہ کی باتیں پوری ہوں۔ اور اُن سے اسلام اور مسلمانوں کی عزت ہو۔ اور جھوٹ کا زوال اور ابطال ہو۔"

یہ الفاظ مرقع ہیں اس قلبِ مطہر کے۔ یہ الفاظ آئینہ ہیں ایک سچی مسلم عورت کے خیالات کے۔ اور یہ فعل ماتو ہے، اُسوۂ حسنہ ہے ہر مسلمان عورت کے لئے۔ اگر اسلام کے لئے کسی ایسے کام کی ضرورت پڑے جس سے وہ عورت ہو یا مرد ہلاک ہو جاتا ہو تو اسے چاہیے کہ وہ ہلاک ہو جائے۔ مگر اس چیز کو خوشی اور مسرت سے صدق دل اور شرح صدر سے قبول کرے جیسے حضرت ام المومنین نے اپنے نمونہ سے ثابت کر دیا۔

حضرت ام المومنین حضرت مسیح موعودؑ کی نظر میں

قبل اس کے کہ میں یہ لکھوں۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کس

نگاہ سے حضرت ام المومنین کو دیکھتے تھے۔ پہلے میں یہ بتلانا چاہتا ہوں۔ کہ گذشتہ صدی ہندوستان پر ہر لحاظ سے جہالت کی صدی تھی۔ عورتوں کے ساتھ ہندوستان میں سلوک کرنا ایک قسم کا جرم سمجھا جاتا تھا۔ اچھا مرد وہ سمجھا جاتا تھا، جو گھر میں جب داخل ہو، تو چہرے پر شکن ڈال لے۔ اور ڈانٹ ڈپٹ، گالی گلوچ اور عندالضرورت مار پیٹ کرتا رہے۔ ایسے مرد کو مرد سمجھا جاتا تھا۔ اور جو شخص اپنی بیوی سے ذرا سلوک کرے، اُسے زن مرید خیال کیا جاتا تھا۔

عورتیں صاف ستھری نہ رہ سکتی تھیں۔ ان کو تعلیم نہ دی جاتی تھی۔ اور اسے پاؤں کی جوتی سمجھا جاتا تھا۔ اس طرح عورت جو دنیا کی نصف آبادی ہے وہ ذلیل اور مقہور ہو رہی تھی۔ بلکہ عربوں کے زمانہ جاہلیت کے بہت سے اطوار اس زمانہ میں واپس آ چکے تھے۔ چونکہ انبیاء کی آمد کی ایک غرض یہ بھی ہوتی ہے۔ کہ وہ ہر مظلوم کی حمایت کریں، اور ہر اُس شخص کو اس کا حق دلائیں جو اپنے حق سے محروم کر دیا گیا ہو۔

اس لئے ضروری تھا، کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آمد (جو دراصل رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی ہی بعثت ثانیہ تھی) عورتوں کے لئے بھی باعث رحمت ہوتی۔ اور ان کو ان کے حقوق دلانے کا باعث ہوتی۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

خیرکم خیرکم لاھلہ

اس لئے اگر آپ حضرت ام المومنین سے شادی نہ کرتے۔ تو یقیناً یہ حصہ عمل لوگوں کے سامنے نہ آتا۔ اور عورتیں شاید اس حق سے محروم ہی رہ جاتیں۔ مگر یہ کیسے ہو سکتا تھا۔ کہ خدا تعالےٰ اس مخلوق کو چھوڑ دیتا۔ اسلئے

اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت ام المومنین کے اِس مبارک تعلق کی برکت اور پاکیزہ نمونہ کی وجہ سے ہزارہا گھروں کو اپنی برکتوں سے بھر دیا۔ اور ہزارہا گھر جنت کا نمونہ بن گئے۔

میاں بیوی کے جھگڑوں میں سے ایک جھگڑا

سب سے پہلی چیز جو میاں بیوی کے درمیان جھگڑا پیدا کرتی ہے۔ وہ میاں کا یہ شعور ہے۔ کہ اسے اپنی بیوی پر کوئی غیر معمولی حکومت حاصل ہے۔ جس کی وجہ سے اسے حق حاصل ہے۔ کہ وہ جس طرح چاہے اس سے سلوک کرے۔ اس شعور کے ماتحت اس قسم کی باتیں پیدا ہو جاتی ہیں کہ کھانے میں نمک کیوں تیز ہو گیا۔ چاول سخت کیوں رہ گئے۔ یہ برتن یہاں کیوں پڑا ہے۔

الغرض چھوٹی چھوٹی باتیں مرد کو جوش میں لاتیں اور غصہ دلاتی ہیں۔ ان ساری چیزوں کے پیچھے ایک چیز کام کرتی ہے۔ اور وہ یہ کہ مرد کو گھر پر رعب رکھنا چاہیئے۔ اور قطعاً اس امر کی پرواہ نہ کی جاتی۔ کہ یہ کوئی میری غلام تو نہیں۔ یہ دائرہ انسانی سے خارج تو نہیں۔ مجھے کیا حق ہے، کہ میں اس طرح اس سے بدسلوکی سے پیش آؤں۔

مگر

یہی حالت تھی جس نے عام گھروں کی حالت بہت بُری بنا رکھی تھی اور عورتیں مردوں کے ہاتھوں سخت نالاں تھیں۔ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے گھر میں اسلامی گھر کا پورا نقشہ کھینچ کر دکھا دیا۔

محترمہ استانی سکینۃ النساء بیگم صاحبہ جو مکرم قاضی اکمل صاحب

کی حرم محترم ہیں۔ اور تعلیمیافتہ خاتون ہیں۔ اور جنکو حضرت اقدسؑ کے گھر میں بہت قریب سے حالات دیکھنے کا موقعہ ملا ہے۔ اپنی ایک روایت میں جو انہوں نے مجھے لکھ کر دی، لکھا:۔

"ایک دفعہ حضرت اُمّ المومنین فرماتی تھیں۔ کہ میں پہلے پہل جب دلّی سے آئی، تو مجھے معلوم ہوا۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام گُڑ کے میٹھے چاول پسند فرماتے ہیں۔ چنانچہ میں نے بہت شوق اور اہتمام سے میٹھے چاول پکانے کا انتظام کیا۔ تھوڑے سے چاول منگوائے اور اس میں چار گُنا گُڑ ڈالدیا۔ سو وہ بالکل راب سی بن گئی۔ جب پتیلی چُولہے سے اتاری اور چاول برتن میں نکالے، تو دیکھکر سخت رنج اور صدمہ ہوا۔ کہ یہ تو خراب ہو گئے۔ اُدھر کھانے کا وقت ہو گیا تھا۔

حیران تھی، کہ اب کیا کروں۔ اتنے میں حضرت صاحبؑ آگئے۔ میرے چہرہ کو دیکھا، جو رنج اور صدمہ سے رونیوالوں کا سا بنا ہوا تھا۔ آپ دیکھکر ہنسے۔ اور فرمایا۔ کیا چاول اچھے نہ پکنے کا افسوس ہے؟

پھر فرمایا۔ نہیں! یہ تو بہت اچھے ہیں۔ میرے مذاق کے مطابق پکے ہیں۔ ایسے زیادہ گڑ والے ہی تو مجھے پسندیدہ ہیں۔ یہ تو بہت ہی اچھے ہیں۔ اور پھر بہت خوش ہو کر کھائے۔

حضرت اُمّ المومنین فرماتی تھیں۔ کہ حضرت صاحب نے مجھے خوش کرنے کی اتنی باتیں کہیں۔ کہ میرا دل بھی خوش ہو گیا۔"

اس واقعہ سے سبق!

یہ واقعہ ہمارے گھروں کے لئے ایک بہت بڑا سبق ہے۔ حضرت امّ المومنین دلی کی رہنے والی تھیں۔ وہاں گڑ کے چاولوں کا کوئی رواج نہیں تھا۔ مگر حضرت ام المومنین نے بحیثیت بیوی کے سب سے پہلے یہ جاننے کی کوشش کی، کہ میرے شوہر کو کون کونسی چیز پسند ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے، کہ ان کی طبیعت میں کیسی دُور رسی تھی۔ ہر عقلمند اور سلیقہ شعار عورت کا فرض ہے۔ کہ وہ اپنے میاں کے گھر میں جا کر پہلے یہ جاننے کی کوشش کرے۔ کہ میرے میاں کی طبیعت کا کیا رنگ ہے۔ وہ کونسے کھانے پسند کرتا ہے۔ وہ کس کس چیز کو اور کس کس عادت کو پسند کرتا ہے۔ جو بیوی نئے گھر میں آکر شوہر کی پسند کی چیزوں کو معلوم کرنیکی کوشش کریگی، اس کی زندگی بحیثیت بیوی کے کامیاب زندگی ہوگی۔

اس واقعہ میں جہاں حضرت اماں جان کی طبیعت کا یہ رنگ معلوم ہوا وہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طبیعت کا رنگ بھی معلوم ہوا۔ آپ نے کوئی ناراضگی کا اظہار نہیں کیا۔ شور اور غل سے مکان سر پر نہیں اٹھایا۔ جیسے مغلوب الغضب شوہر کرتے ہیں۔ بلکہ اپنی نادم اور پریشان بیوی کو اپنی نیکی اور خوش خلقی سے اور بھی موہ لیا۔

ایسے موقعوں پر شور وغل کرنے والے شوہر بھی یا تو چپ کھا کر اسی غذا کو کھایا کرتے ہیں۔ اور یا خود بھی بھُوکے رہتے ہیں اور بیوی کو بھی بھوکا رکھتے ہیں۔

لیکن

یہ واقعہ ہمارے لئے ایک ایسا سبق ہے۔ کہ اگر اس پر عمل کیا جائے تو کبھی

بدمزگی کی صورت پیدا ہی نہ ہو۔

اِس واقعہ کی تائید میں ایک اور واقعہ :-

مئی ۱۸۹۳ء میں ڈپٹی عبداللہ آتھم سے امرتسر میں مباحثہ تھا۔ ایک رات جبکہ خان محمد شاہ صاحب مرحوم کے مکان پر بڑا مجمع تھا۔ اطراف سے بہت سے لوگ آئے ہوئے تھے۔ حضرت اس روز سر درد سے بیمار تھے۔ شام کو مُشتاقانِ زیارت ہمہ تن چشم انتظار بنے ہوئے تھے۔ حضرتؑ مجمع میں تشریف لائے۔ منشی عبدالحق صاحب لاہوری پنشنر نے جو پہلے آپ سے بڑی محبت اور حسن ظنی رکھتے تھے۔ مگر بعد میں الگ ہو گئے۔ آپ سے آپکی بیماری کی تکلیف پوچھی۔ اور پھر کہا :-

"آپ کا کام بہت نازک اور آپ کے سر پر بھاری فرائض کا بوجھ ہے۔ آپ کو چاہیئے۔ کہ جسم کی صحت کی رعایت کا خیال رکھا کریں۔ اور ایک خاص مقوی غذا لازماً آپ کے لئے ہر روز تیار ہونی چاہیئے۔"

اس پر حضرت اقدسؑ نے فرمایا :-

"ہاں بات تو درست ہے۔ اور ہم نے کبھی کبھی کہا بھی ہے۔ مگر عورتیں کچھ اپنے ہی دھندوں میں ایسی مصروف رہتی ہیں۔ کہ اور باتوں کی چنداں پرواہ نہیں کرتیں۔"

اس پر منشی عبدالحق صاحب نے کہا۔ کہ :-

"اجی حضرت! آپ ڈانٹ ڈپٹ کر نہیں کہتے اور رعب پیدا نہیں کرتے۔

میرا یہ حال ہے۔ کہ میں کھانے پینے کے لئے خاص اہتمام کیا کرتا ہوں اور ممکن ہے، کہ میرا حکم ٹل جائے۔ اور میرے کھانے کے اہتمام خاص میں سرِ مو فرق آ جائے ورنہ ہم دوسری طرح خبر لیں۔"

حضرت مولوی عبد الکریم صاحب رضی اللہ تعالےٰ نے خیال کیا۔ کہ یہ بات میرے محبوب آقا کے حق میں مفید ہے۔ اس لئے بغیر سوچے سمجھے اس کی تائید کر دی۔ حضرت اقدسؑ نے حضرت مولانا کیطرف دیکھا۔ اور تبسم سے فرمایا :-

"ہمارے دوستوں کو تو ایسے اخلاق سے پرہیز کرنا چاہیئے۔"

حضرت مولوی عبد الکریم صاحبؓ بڑے زکی الحس آدمی تھے وہ فرماتے ہیں :-

"بس خدا ہی جانتا ہے۔ کہ مَیں اس مجمع میں کسقدر شرمندہ ہوا اور مجھے سخت افسوس ہوا۔"

(سیرت مسیح موعودؑ مصنفہ عرفانی کبیر حصہ اول صفحہ ۵۲، ۵۳

اِس ایک واقعہ سے واضح ہوتا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مجلس میں ایسے لوگ آتے تھے، جو بظاہر محبت سے ایک بات کہتے تھے۔ مگر ان کی بات پر عمل کرنا اہلی زندگی کو خراب کرنے کے برابر ہوتا۔ اور پھر اللہ تعالےٰ کے ان اوامر کے بھی خلاف جو بیوی کیساتھ بھلائی، خیر، اور حسنِ سلوک کے متعلق نازل ہوئے ہیں۔ منشی عبد الحق صاحب کا یہ قول :-

"اگر میرے کھانے کے اہتمام خاص میں کوئی سرِ مو فرق آ جائے، تو ہم دوسری طرح خبر لیں۔"

اس بداخلاقی کا پتہ دیتا ہے۔ جو بڑے بڑے گھروں میں اور تعلیمیافتہ لوگوں کے گھروں میں رائج تھی۔ کہ وہ محض کھانے کے اہتمام میں نقص آ لینے کی وجہ سے کیا صورت پیدا کر دیتے تھے۔ اور حضرت کا یہ فرمانا۔ کہ:۔

"ہمارے دوستوں کو تو ایسے اخلاق سے پرہیز کرنا چاہیئے۔"

اس مقام بلند کا پتہ دیتا ہے۔ جو چشم پوشی اور لطف و کرم کا پہلو لیئے ہوئے ہے اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت ام المومنین پر ناراض ہونا جانتے ہی نہ تھے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام

حضرت ام المومنین کو شعائر اللہ میں سے سمجھتے تھے۔

حضرت مفتی محمد صادق صاحب نے مجھے جو مضمون لکھ کر بھیجا اسمیں ایک روایت لکھی ہے۔ کہ:۔

"حضرت مسیح موعود علیہ السلام اندرون خانہ جس دالان میں عموماً سکونت رکھتے تھے۔ جس کی ایک کھڑکی کوچہ بندی کی طرف کھلتی ہے۔ اور جس میں سے ہو کر بیت الدعا کو جاتے ہیں۔ اس کمرے کی لمبائی کے برابر اس کے آگے جنوبی جانب ایک فراخ صحن ہوا کرتا تھا۔ گرمی کی راتوں میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپؑ کے اہل و عیال سب اس صحن میں سویا کرتے تھے۔ لیکن برسات میں یہ دقت ہوتی تھی۔ کہ اگر رات کو بارش آ جائے تو چارپائیاں یا تو دالان کے اندر لے جانی پڑتی تھیں۔ یا نیچے کے کمروں میں۔ اس واسطے حضرت ام المومنین نے یہ تجویز کی۔ کہ

اس صحن کے ایک حصہ پر چھت ڈال دی جائے۔ تاکہ برسات کے واسطے چارپائیاں اس کے اندر بچھ سکیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس تبدیلی کے واسطے حکم صادر فرمادیا۔ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب مرحومؓ کو جب اس تبدیلی کا حال معلوم ہوا۔ تو وہ اس تجویز کی مخالفت کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

حضرت مولوی صاحبؓ نے عرض کی۔ کہ ایسا کرنے سے صحن تنگ ہو جائے گا۔ ہوا نہ آئے گی۔ صحن کی خوبصورتی جاتی رہے گی وغیرہ وغیرہ۔ دیگر احباب نے بھی مولوی صاحبؓ کی بات کی تائید کی۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی باتوں کا جواب دیا۔ مگر آخری بات۔ جو حضورؑ نے فرمائی اور جس پر سب خاموش ہوئے۔ وہ یہ تھی:۔

"کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے وعدوں کے فرزند اس بی بی سے عطا کئے ہیں۔ جو شعائر اللہ میں سے ہیں۔ اس واسطے اس کی خاطرداری ضروری ہے۔ اور ایسے امور میں اسکا کہنا ماننا لازمی ہے۔"

یہی روایت حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ نے اپنی سیرت اور حضرت عرفانی کبیر نے اپنی سیرت حصہ سوم کے صفحہ ۳۶۵ پر لکھی ہے۔ مگر اس میں کچھ لفظی تغیر ہے۔ جو یوں ہے:۔

"فرمایا: ۔خدا تعالےٰ نے مجھے لڑکوں کی بشارت دی۔ اور وہ اس بی بی کے بطن سے پیدا ہوئے۔ اس لئے مَیں اسے شعائراللہ میں سے سمجھ کر اس کی خاطرداری رکھتا ہوں۔ اور جو وہ کہے مان لیتا ہوں۔"

نفسِ روایت یا موضوع کی رُوح میں کوئی فرق نہیں۔ بہر حال یہ ایک واقعہ ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے نہ اس وفد کی پرواہ کی، نہ ان دلائل کو وزنی قرار دیا۔ بلکہ ان سب چیزوں کے مقابل میں عملی طور پر حضرت اُم المومنین کی بات اور منشاء کو ترجیح دی۔

جاننے والے جانتے ہیں۔ کہ حضرت اقدسؑ کو حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ سے بڑی محبت تھی۔ مگر حضرت ام المومنین کے معاملہ میں ان کی بات بھی گر ہی گئی۔

مولوی سید محمد احسن صاحب کا واقعہ

ایک دفعہ حضرت اُم المومنین نے اس سیڑھی کے بدلنے کی ضرورت محسوس کی۔ جو حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ کے مکان کی دیوار کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔ اسے اس بالاخانہ کے ساتھ رکھنا تھا، جس میں مولوی محمد علی صاحب رہتے تھے۔ اور نیچے مولوی سید محمد احسن صاحب رہتے تھے۔ مولوی محمد احسن صاحب نے اس سیڑھی کے وہاں رکھنے کی مخالفت کی۔ کہ میرے حجرہ کو اندھیرا ہو جائے گا۔ حضرت ام المومنین نے حکم دیا، کہ سیڑھی وہیں ہی رکھی جائے

حضرت نانا جان میر ناصر نواب صاحب رضی اللہ تعالےٰ عنہ یہ انتظام

کر رہے تھے۔ اور ان کو اس کے لئے بڑی جدوجہد کرنی پڑی۔ آخر ان کے مزاج میں گرمی تھی، اور جہیر الصوت تھے۔ انہوں نے زور زور سے بولنا شروع کیا۔ کہ کہ یہ سیڑھی یہاں ہی رہے گی۔ وہ بھی اونچی آواز سے انکار اور تکرار کرتے رہے۔ اتنے میں حضرت صاحبؑ باہر سے تشریف لے آئے۔ اور پوچھا کیا ہے؟ میر صاحبؓ نے کہا۔ کہ مجھ کو اندر سیدانی (مراد ام المومنین) آرام نہیں لینے دیتی اور باہر سیّد سے پالا پڑ گیا ہے۔ نہ یہ مانتے ہیں۔ نہ وہ مانتی ہیں۔ میں کیا کروں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مسکرا کر فرمایا۔ مولوی صاحب! آپ کیوں جھگڑتے ہیں۔ میر صاحبؓ کو جو حکم دیا گیا ہے۔ ان کو کرنے دیجئے۔ روشنی کا انتظام کر دیا جائے گا۔ آپ کو تکلیف نہ ہو گی۔ اس طرح پر حضرت ام المومنین کے ارشاد کی تعمیل ہو گئی۔

الغرض کبھی بھی کوئی ایسا موقع نہیں آیا جس میں حضرت اقدسؑ کیطرف سے حضرت ام المومنین کی دل شکنی ہوئی ہو۔

(سیرت حضرت مسیح موعودؑ مصنفہ عرفانی کبیر صفحہ ۳۷۶)

حضرت ام المومنین کے احترام کے متعلق ایک اور روایت

حضرت مفتی محمد صادق صاحب نے میری اس کتاب کیلئے ایک اور روایت تحریر فرمائی ہے۔ آپ لکھتے ہیں۔ کہ :-

"حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت ام المومنین سلمہا اللہ تعالیٰ کا اس قدر اکرام و اعزاز کرتے تھے۔ کہ آپ کی خاطر داری

اس قدر ملحوظ رکھتے تھے۔ کہ عورتوں میں اس بات کا چرچا رہتا تھا۔ جب میں لاہور میں ملازم تھا ۱۸۹۷ء یا اس کے قریب کا واقعہ ہے۔ لاہور کا ایک معزز خاندان قادیان آیا۔ ان میں سے بعض نے بیعت کی۔ اور سب حسن عقیدت کے ساتھ واپس گئے۔ واپسی پر اس خاندان کی ایک بوڑھیا نے ایک مجلس میں یہ ذکر کیا۔ کہ میرزا صاحبؑ اپنی بیوی کی کسقدر خاطر اور خدمت کرتے ہیں۔

اتفاقاً اس مجلس میں ایک پرانے طرز کے صوفی بزرگ بھی بیٹھے تھے۔ وہ فرمانے لگے ہر سالک کا ایک معشوق مجازی بھی ہوتا ہے معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت میرزا صاحبؑ کا معشوق ان کی بیوی ہے۔

یہ خیال تو ان صوفی بزرگ کا تھا۔ مگر اصل بات یہ ہے۔ کہ حضرت ام المومنین کا احترام ان خوبیوں اور نیکیوں کے سبب سے تھا، جو ان میں پائی جاتی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے ان فضلوں کے باعث تھا، جو ہمیشہ ان پر ہوتے رہے ہیں۔"

حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب کا عینی مشاہدہ۔

حضرت میر صاحب نے میرے لئے لکھی روایات میں تحریر فرمایا "میں نے اپنے ہوش میں نہ کبھی حضور علیہ السلام کو حضرت ام المومنین سے ناراض دیکھا نہ سُنا۔ بلکہ ہمیشہ وہ حالت دیکھی جو ایک ideal آئیڈل جوڑے کی ہونی چاہئے۔ بہت

کم خاوند اپنی بیویوں کی وہ دلداری کرتے ہیں۔ جو حضور علیہ السلام حضرت ام المومنین کی فرمایا کرتے تھے۔ اور آپ کو لفظ تم سے مخاطب فرمایا کرتے تھے۔ اور ہندوستانی میں ہی اکثر کلام کرتے تھے۔ مگر شاذ و نادر پنجابی میں بھی۔ حالانکہ بچوں سے اکثر پنجابی بولا کرتے تھے۔"

حضرت میر صاحب کا علم ذاتی اور عینی مشاہدے پر مبنی ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام شادی کے بعد ۲۵ سال تک اپنی حرم محترم کے ساتھ رہے۔ اور اس ۲۵ سال کے عرصے میں حضرت میر صاحب فرماتے ہیں۔ کہ میں نے نہ کبھی آپ کو ناراض ہوتے دیکھا اور نہ سُنا۔

ہمارے مُلک میں ایک ضرب المثل ہے، اکٹھے برتن بھی پڑے پڑے کبھی ایک دوسرے سے ٹکرا جاتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ ناممکن ہے کہ دو آدمی اکٹھے رہیں، اور وہ جھگڑیں نہیں۔ پھر ہم اس جوڑے کو کیا کہیں گے جو چوتھائی صدی تک اکٹھے رہے۔ مگر انہیں کبھی ناراضگی پیدا نہ ہوئی میں مجبور ہوں۔ کہ ان کو ملائکۃ اللہ کہوں۔ جن کے سینے ہر قسم کے جھگڑوں، رنجشوں، اور ناراضگیوں سے پاک ہیں۔

سعد غلول کی ایک بات

غالباً ۱۹۳۱ء کی بات ہے۔ کہ آنریبل سر عبدالقادر اور لیڈی سر عبدالقادر لنڈن سے واپسی پر قاہرے میں اترے۔ میں ان کو لے کر زا غلول پاشا مصریوں کے ایک بہت بلند پایہ لیڈر تھے، کی لیڈی صاحبہ کے پاس گیا لیڈی زاغلول جنکو مصری اُم المصریین کہتے ہیں اپنے شوہر کی سیرت کے متعلق گفتگو

کر رہی تھیں۔ انہوں نے فرمایا۔ کہ میرا شوہر اتنے اعلیٰ اخلاق کا انسان تھا۔ کہ اُسنے اپنی زندگی میں کبھی بھی کسی نوکر کو جھڑکا نہیں۔ اور شدید سے شدید غصہ کیحالت میں بھی اگر کچھ کہا، تو یہ کہ دیکھو تم کو ہمارے ساتھ رہتے ہوئے اتنی مدّت ہو گئی ہے۔ مگر تم کو اب تک اِس بات کی عقل نہ آئی۔ جس کا افسوس ہے۔

لیڈی زاغلول پاشا نے کہا۔ کہ یہ تھا سعد پاشا کا بڑے سے بڑا غصّہ اور یہ ہے سعد پاشا زاغلول کی سیرت کا سب سے بڑا واقعہ جو اس کی قابل بیوی نے بیان کیا ہے۔

پس

یہ ایک حقیقت ہے۔ کہ انسان کے اخلاق کا یہ کمال ہے۔ کہ اسے اپنے عواطف اور اپنی غضب یا غصّے کی مخفی طاقتوں پر اس قدر کنٹرول ہو، گویا کہ وہ اُسکے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ اور وہ اس سے سرِ مُو انحراف نہیں کر سکتیں۔

الغرض

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق یہ بات بالکل واضح ہے کہ وہ حضرت امّ المومنین کا بڑا احترام کرتے تھے۔ اور عام طور پر عورتوں کی زبان زد تھا:۔

کہ میرزا بیوی دی بڑی گل مندا اے۔

بیوی کا تعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نگاہ میں

حضرت نواب محمد علی خان صاحب کی پہلی بیگم صاحبہ ۱۸۹۸ء میں فوت ہوگئی تھیں۔ حضرت اقدس نے ان کو ایک تعزیت کا خط لکھا۔ جس میں بیوی کے تعلقات پر روشنی ڈالی۔ یہ خط آئینہ ہے ان خیالات کا، جو آپ کے اندر

موجزن تھے۔ اور اس آئینہ میں ہم کو آپ کی اہلی زندگی کا پتہ ملتا ہے۔ آپ نے تحریر فرمایا:۔

" درحقیقت اگرچہ بیٹے بھی پیارے ہوتے ہیں۔ بھائی اور بہنیں بھی عزیز ہوتی ہیں۔ لیکن میاں بیوی کا علاقہ ایک الگ علاقہ ہے جس کے درمیان اسرار ہوتے ہیں۔ میاں بیوی ایک ہی بدن اور ایک ہی وجود ہوجاتے ہیں۔ ان کو صدہا مرتبہ اتفاق ہوتا ہے۔ کہ وہ ایک ہی جگہ سوتے ہیں۔ وہ ایک دوسرے کا عضو ہوجاتے ہیں۔ بسا اوقات ان میں ایک عشق کی سی محبت پیدا ہوجاتی ہے۔ اس محبت اور باہم اُنس پکڑنے کے زمانہ کو یاد کرکے کون دل ہے جو پُرآب نہیں ہوسکتا۔ یہی وہ تعلق ہے۔ جو چند ہفتہ باہر رہ کر آخر فی الفور یاد آتا ہے۔

اس تعلق کا خدا نے بار بار ذکر کیا ہے۔ کہ باہم محبت اور اُنس پکڑنے کا یہی تعلق ہے۔ بسا اوقات اس تعلق کی برکت سے دُنیوی تلخیاں فراموش ہوجاتی ہیں۔ یہاں تک کہ انبیاء علیہم السلام بھی اس تعلق کے محتاج تھے۔ جب سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم بہت ہی غمگین ہوتے تھے۔ تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی ران پر ہاتھ مارتے تھے اور فرماتے تھے، ارحنا یا عائشۃ۔ ہمیں خوش کر کہ ہم اس وقت غمگین ہیں۔

اس سے ثابت ہے۔ کہ اپنی پیاری بیوی۔ پیارا رفیق اور انیس عزیز ہے۔ جو اولاد کی ہمدردی میں شریک غالب

اور غم کو دُور کرنیوالی اور خانہ داری کے معاملات کی متولی ہوتی ہے۔"

(سیرت مسیح موعودؑ مصنفہ عرفانی کبیر حصہ دوم ص۲۱)

اگرچہ یہ خط حضرت نواب صاحب کے نام ہے۔ مگر اس میں بیوی کی حقیقت اور اس کے تعلق کی مٹھاس اور شیرینی پر خوب روشنی ڈالی گئی ہے۔ اور بتلایا ہے۔ کہ انبیاء علیہم السلام اور خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بھی اس تعلق کے محتاج تھے۔ اور یہ ایک حقیقت ہے، کہ انبیاءؑ پر بعض اوقات غم اور فکر کے ایسے پہاڑ ٹوٹ پڑتے ہیں۔ کہ اگر ان کو فوق القوۃ طاقت نہ ملی ہو، تو شاید وہ ان مصائب کو اُٹھا نہ سکیں۔

ایک طرف وہ اپنے فرضِ منصبی کی نزاکت کو دیکھتے ہیں۔ دوسری طرف وہ قوم کی پستی، ذلت، ادبار، نکبت، بداخلاقی، عداوت، دشمنی کو دیکھتے ہیں۔ ان کا دل اس حالت کو دیکھکر خون ہوجاتا ہے۔ ان کو خطرہ محسوس ہوتا ہے۔ کہ شاید وہ بالکل ناکام ہوجائیں گے۔

اس حالت میں ان کے اندر سے عجیب عجیب قسم کے نعرے نکلتے ہیں کبھی وہ کہتے ہیں۔ رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی۔ اے خدا تو ان مُردوں کو کیسے زندہ کریگا۔ اور کبھی کہتے ہیں مَتٰی نَصْرُ اللّٰہِ۔ اے خدا! تیری نصرت کب آئیگی۔ اور کبھی کہتے ہیں ؎

دن چڑھا ہے دشمنانِ دیں کا ہم پر رات ہے
اے مرے سورج نکل باہر کہ میں ہوں بیقرار
اے مرے پیارے فدا ہو تجھ پہ ہر ذرہ مرا
پھیر دے میری طرف اے ساربان جگ کی مہار

کچھ خبر لے تیرے کوچے میں یہ کس کا شور ہے

خاک میں ہوگا یہ سر گر تو نہ آیا بن کے یار

فضل کے ہاتھوں سے اب اس وقت کیجیے قطعِ نظر

کشتیٔ اسلام تا ہو جائے اس طوفاں سے پار

ایسے وقت میں جبکہ دُنیا خدا تعالےٰ کے انبیاءؑ کو قتل و غارت کرنیکی فکر میں لگی ہوئی ہوتی ہے۔ منصوبے اور دسائیس، مکر اور مکائد کے جال ہر سو پھیلے ہوتے ہیں۔ کبھی وہ تیغ و تفنگ سے اور کبھی فتنوں کی بھڑکتی آگ سے وہ اندر اور باہر ہر قسم کے حیلوں بہانوں سے نقصان پہنچانیکی فکر میں لگے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس وقت اللہ تعالےٰ کی ذات کے سوا اگر کوئی انسانی ہستی ان پاک وجودوں کی راحت کا باعث بن سکتی ہے۔ اور ان کے غم کے بوجھ کو ہلکا کر سکتی ہے۔ تو وہ صرف، اور صرف پاک بیوی ہی ہو سکتی ہے۔

اس سے انبیاءؑ کی پاکیزہ بیویوں کا مقام سمجھ میں آسکتا ہے۔ وہ اُن کی رفیق اور انیس ہوتی ہیں۔ وہ ان کی اولاد کی تربیت اور پرورش کی شریکِ غالب ہوتی ہیں۔ وہ ان کے غموں کے بوجھ کو ہلکا کرنیوالی ہوتی ہیں۔ اور ان کے خانہ داری کے تمام معاملات کی متولّی ہوتی ہیں۔ بلکہ مَیں کہوں گا، کہ وہ اس تبلیغ و اشاعت کے کام میں جو اس نبی کو سونپی جاتی ہے سب سے بڑی مؤیّد و مبلّغ ہوتی ہیں۔

وہ اصلاحِ مخلوق، تبلیغِ دین، استحکامِ شریعت، درسِ اخلاق ہمدردیٔ خلائق۔ الغرض نبی کی زندگی کے ہر شعبہ میں شریک ہو جاتی ہے۔ جیسے مَیں حضرت ام المومنین کی سیرت کے مختلف پہلوؤں کو بیان کرتے ہوئے انشاء اللہ تعالےٰ پیش کرونگا۔

جب یہ مقام کسی عورت کو حاصل ہو۔ تو وہ کیوں سیّدۃ النّساء نہ کہلائے۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے، کہ ایسی خاتون کو عورتیں تو عورتیں مردوں پر بھی ایک عظیم الشان فضیلت ہوتی ہے، تو اس میں کوئی غلطی نہ ہوگی۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ وہ امّ المومنین کہلاتی ہے۔ اس لئے کہ قوموں کو اس کے روحانی وجود سے بالکل اسی طرح روحانی غذا میسر آتی ہے۔ جس طرح ماں کے جسمانی وجود سے بچوں کو جسمانی غذا میسر آتی ہے۔

حضرت امّ المومنین کی تو روحانی پاکیزگی اس قدر بڑھی ہوئی تھی۔ کہ خدا تعالےٰ بہت سی باتیں آپ پر بھی اسی طرح کھول دیتا تھا۔ جس طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر کھولا کرتا تھا۔ اس سے اس مناسبت کا پتہ چلتا ہے، جو آپ کی رُوح کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی رُوح کے ساتھ تھی۔ نیز اس روحانیت اور اس قلب کی طہارت کا پتہ چلتا ہے۔ جس کیوجہ سے آسمانی طاقتوں کا وقتاً فوقتاً انعکاس ہوا کرتا تھا۔

الغرض

امّ المومنین کے وجود کو ایک پاکیزہ نسبت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کیساتھ ہے۔ جس کے وجود سے آپؑ کو آرام ملتا تھا۔ آپؑ کے غموں کا بوجھ ہلکا ہوتا تھا۔ یہ وہ اس زمانہ کی عائشہ رضؓ ہے، جسے بُروزِ محمدؐ

اَرِحْنَا یَا عَائِشَہ کہا کرتا تھا۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی عَبْدِكَ الْمَسِیْحِ الْمَوْعُوْدِ

حضرت امّ المومنینؓ کی مبشّر اولاد!

اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل اور رحم اور کرم کے ساتھ حضرت ام المومنین کو وہی خاتون ٹھہرایا تھا جس کے متعلق پہلے سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے اطلاع دی گئی۔ کہ مسیحؑ اس سے شادی کرے گا۔ اور اس سے اولاد پیدا ہوگی۔ (یتزوج و یولد لہٗ)

پس

آپ وہ ہی خاتون ہیں، جس کے بطن مبارک سے مسیح موعودؑ کے لئے اولاد پیدا کرنا مقدر تھا۔ نیز آپ اُن عورتوں میں سے تھیں، جن کے لئے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ خیر النساء ولود۔ عورتوں میں سے بہترین عورتیں وہی ہیں، جو بچے جننے والی ہیں۔ سو اللہ تعالےٰ نے حضرت امّ المومنین کو اس لحاظ سے بھی خیر النّساء بنا دیا۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ نے آپ کے بطن سے دس اولادیں دیں۔

آپ کی اولاد کے متعلق اللہ تعالےٰ نے ایک اصل بیان فرمایا تھا۔ اللہ تعالےٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرمایا:۔

"تیری نسل بہت ہوگی۔ مَیں تیری ذرّیت کو بہت بڑھاؤنگا اور برکت دونگا۔ مگر بعض ان میں سے کم عمری میں فوت ہونگے۔ اور تیری نسل کثرت سے ملکوں میں پھیل جائے گی۔"

(اشتہار ۲۲ر مارچ ۱۸۸۶ء)

اس پیشگوئی میں بتلایا گیا۔ کہ :-

۱۔ نسل بہت ہوگی۔

۲۔ اسے بہت بڑھایا جائیگا۔

۳۔ وہ کثرت سے ملکوں میں پھیل جائیگی۔

۴۔ اُن میں سے بعض کم عمری میں فوت ہو جائیں گے۔

گویا کہ جو زندہ رہیں گے، وہ بہت ہوں گے۔ وہ بہت بڑھیں گے۔ وہ بہت پھیلیں گے۔ اور جو فوت ہوں گے، وہ کم عمری میں ہی فوت ہو جائیں گے۔

اس سلسلہ میں آپؑ نے ایک پیشگوئی کا اعلان فرمایا۔ یہ پیشگوئی ایک خاص لڑکے کے متعلق تھی۔ اور یہ پیشگوئی ہوشیارپور کی چالیس روزہ خلوت اور لمبی دُعاؤں کے بعد عطا کی گئی تھی۔ چنانچہ فرمایا :-

”میں تجھے ایک رحمت کا نشان دیتا ہوں۔ اسکے موافق جو تو نے مجھ سے مانگا۔

سو میں نے تیری تضرعات کو سُنا اور تیری دعاؤں کو اپنی رحمت سے بہ پایۂ قبولیت جگہ دی۔ اور تیرے سفر کو (جو ہوشیارپور اور لدھیانہ کا سفر ہے) تیرے لئے مبارک کر دیا۔“

(تبلیغ رسالت صفحہ ۵۹ جلد اوّل)

پس یہ پیشگوئی، یہ نشان ان دُعاؤں کی قبولیت پر ایک کھلی کھلی صداقت کی مُہر تھا۔

اس الہام میں اس پیشگوئی کی عظمت کا تذکرہ یوں فرمایا :-

"سو قدرت اور رحمت اور قربت کا نشان تجھے دیا جاتا ہے۔ فضل اور احسان کا نشان تجھے عطا ہوتا ہے۔ اور فتح و ظفر کی کلید تجھے ملتی ہے۔ اے مظفر تجھ پر سلام۔

گویا کہ یہ نشان

قدرت، رحمت اور قربت۔ فضل و احسان کا نشان قرار دیا گیا۔ اور فتح و ظفر کی کلید اور اس نشان کی وجہ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام خدا تعالےٰ کی درگاہ میں مظفر قرار دیئے گئے۔

یہ نشان کیوں دیا گیا:

اسلئے کہ:۔ "خدا نے یہ کہا۔ تا وہ جو زندگی کے خواہاں ہیں موت کے پنجے سے نجات پاویں۔ اور وہ جو قبروں میں دبے پڑے ہیں، باہر آویں۔ اور تا دین اسلام کا شرف اور کلام اللہ کا مرتبہ لوگوں پر ظاہر ہو۔ اور تا حق اپنی تمام برکتوں کے ساتھ آجائے۔ اور باطل اپنی تمام نحوستوں کے ساتھ بھاگ جائے! اور تا لوگ سمجھیں کہ میں قادر ہوں۔ جو چاہتا ہوں کرتا ہوں اور تا وہ یقین لائیں۔ کہ میں تیرے ساتھ ہوں۔ اور خدا کے دین اور اس کی کتاب اور اس کے پاک رسول محمد مصطفےٰ کو انکار اور تکذیب کی نگاہ سے دیکھتے ہیں،

ایک کھلی نشانی ملے، اور مجرموں کی راہ ظاہر ہو جائے۔"

یہ آٹھ عظیم الشان امور ہیں۔ جنکی بناء پر اس پیشگوئی کا ظہور میں لانا ضروری قرار دیا گیا۔ ان عظیم الشان امور کے ظہور میں لانے کے لئے جس انسان کا پیدا کیا جانا مقدر تھا۔ وہ کون تھا؟ وہ وہی شخص تھا، جس کے لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:۔

یَتَزَوَّجُ وَیُوْلَدُ لَہٗ۔

مسیح موعودؑ کی سچائی کی دلیل قدیم پیشگوئیوں کے مطابق ایک موعود لڑکے کا عالم وجود میں آنا بھی تھا۔ جو لازم اور ملزوم کی طرح سے تھے۔ اس امر کی طرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اس وحی میں اشارہ تھا:۔

"اور تا انہیں جو خدا کے وجود پر ایمان لاتے ہیں، اور خدا کے دین اور اس کی کتاب اور اس کے پاک رسول محمد مصطفٰےؐ کو انکار اور تکذیب کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، ایک کھلی نشانی ہے۔ اور مجرموں کی راہ ظاہر ہو جائے۔"

یعنی ایک وہ لوگ ہیں۔ جو راستبازی کے ساتھ ان تمام پیشگوئیوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ جو اللہ تعالےٰ کی طرف سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعے مسلمانوں کو عطا کی گئیں۔ ان پیشگوئیوں کے پورا ہونے سے خدا تعالےٰ کے وجود پر ایک کامل ایمان پیدا ہو۔ اور اس کے دین اور اس کی کتاب اور اسکے رسول پر بھی کامل ایمان پیدا ہو۔ تا جب وہ اس پیشگوئی کو پورا ہوتے دیکھیں گے، تو ان کا دل خود بخود ایمانِ کامل سے لبریز ہو جائیگا۔

دوسرے وہ لوگ ہیں، جو منکرین ہیں۔ اُن کے نزدیک نہ کوئی مسیح موعود آنیوالا تھا۔ اور نہ اس کے ہاں کوئی موعود لڑکا پیدا ہونے والا تھا۔ ان کے نزدیک یہ ساری باتیں یونہی خیالی اور وہمی ہیں۔

پس

خدا تعالےٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بتلایا، کہ اس موعود لڑکے کی پیدائیش سے صدیوں کے پُرانے نوشتے پورے ہو جائیں گے منکروں اور مکذبوں پر اتمام حُجت ہو جائیگی۔ خدا تعالےٰ کے قادر ہونے پر ایک عظیم الشان حُجت مل سکے گی۔ اور یہ بھی واضح ہو جائیگا۔ کہ میں اِنِّیْ مَعَكَ کہنے والا خدا تیرے ساتھ ہوں۔

اس لحاظ سے واضح ہو جاتا ہے۔ کہ یہ پیشگوئی کتنی شان اور کتنی عظمت کی تھی۔

اگر خدانخواستہ یہ پوری نہ ہوتی۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت تو ایک طرف رہی۔ اسلام اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی حقانیت اور خدا تعالےٰ کی قدرت سب مشکوک ٹھیر جاتی۔ اس لئے اس کا ٹلنا ناممکن تھا۔ کیونکہ یہی وہ چیز تھی، جسے حاصل کر کے خدا کا برگزیدہ نبی مظفر و منصور ٹھیرا۔ یہی وہ چیز تھی۔ جو مانگی گئی تھی۔ اور خدا تعالےٰ نے دیدی تھی۔ پھر کیسے ہو سکتا تھا، کہ وہ دی ہوئی عطاء جس پر خدا تعالےٰ کی اپنی سچائی۔ اور اس کے دین، کتاب اور سیّد الانبیاء اور مسیح موعود کی سچائی کا انحصار ہو، وہ ہی ٹل جائے۔ اور یہ دیکھکر کئی کمزور دماغ انسان اپنے آپکو ان عظیم الشان پیشگوئیوں کا مصداق سمجھنے لگ جائیں۔ ان لوگوں کی مثال بالکل ایسی ہی ہے، جیسے کئی دیوانے مٹی اور پتھر کے کنکر لیکر بیٹھ جاتے

ہیں۔ اور وہ ان کو جواہرات کا ڈھیر سمجھ لیتے ہیں۔

کیا حقیقت میں وہ جواہرات کا ڈھیر ہوتے ہیں؟ یا اُن کے دماغ کا نقص ہوتا ہے۔ اور ایسے ہی ہم نے دیکھا ہے۔ کہ کبھی بسنے والے اور آباد گھر جب اُجڑ جاتے ہیں۔ تو جنگلوں سے آکر گیدڑ اور بھیڑیئے ان میں اپنا مسکن بنا لیتے ہیں۔ اور کئی ایسے اجڑے ہوئے مکانوں میں اُلو اور چمگادڑ اپنی سلطنت قایم کر لیتے ہیں۔

کیا کوئی صحیح الدماغ انسان گیدڑوں اور بھیڑیوں کیوجہ سے ان مکانوں کو آباد کہہ سکتا ہے؟ کیا اُلوؤں اور چمگادڑوں کی آمد و رفت اور آوازوں سے کوئی عقلمند یہ نتیجہ نکال سکتا ہے۔ کہ وہاں بڑی گہما گہمی ہے۔ ہرگز نہیں۔ یہ چیزیں تو ویرانی اور بربادی کی ایک کھلی اور بیّن دلیل ہیں۔

پس وہ لوگ جو آج یہ کہتے ہیں۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے گھر میں وہ لڑکا پیدا نہیں ہوا۔ اور وہ جو کہتے ہیں۔ کہ وہ اس مادرِ مہربان کے بطن سے پیدا ہو ہی نہیں سکتا۔ وہ سب در پردہ اس خدائی سلسلہ کے دشمن ہیں۔

اگرچہ ان کی زبانیں اور مُنہ اس امر کو تسلیم نہ کریں۔ لیکن ان کے اعمال ان کی قلمیں، ان کے اخبار اور ان کی ساری کوششیں اس امر پر مبنی ہیں۔ کہ وہ یہ ثابت کریں، کہ یہ سارا سلسلہ خدا تعالےٰ کی طرف سے ہی نہیں۔

انہی کی ان کوششوں سے تاریکی کے پردے اسلام کے اس قصر کو خالی سمجھکر اپنا گھونسلا بنانیکی
فکر میں ہیں۔

مگر

خدا تعالیٰ کا سورج آج پوری شان کے ساتھ چمک رہا ہے۔ اور کوئی تیرہ پرست اس جگہ اپنا سر چھپانے کے لیے جگہ نہیں پا سکتا۔

یاد رہے! کہ خدا تعالیٰ کے مسیح کی سچائی کے لئے یہ ضروری ہے۔ کہ وہ لڑکا جسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی میں ظاہر کیا گیا تھا جسے صلحاءِ امت اپنی پیشگوئیوں میں ہمیشہ ظاہر کرتے رہے۔ اور جسکے لئے خدا تعالیٰ نے خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اِن الفاظ میں فرمایا:۔

"سو تجھے بشارت ہو۔ کہ ایک وجیہہ اور پاک لڑکا تجھے دیا جائے گا۔ ایک زکی غلام (لڑکا) تجھے ملیگا۔ وہ لڑکا تیرے ہی تخم سے۔ تیری ہی ذرّیت سے ہوگا۔" (تذکرہ صـ۱۴۰)

اِس پیشگوئی میں لفظ تیرے ہی تخم اور تیری ہی ذرّیت نے ایسی حدبندی کر دی ہے۔ کہ کسی مدعی کے لئے کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی۔

اس پیشگوئی میں ایک اور پیشگوئی بھی تھی۔ جو پیشگوئی میں بالکل اس طرح مل کر آئی تھی، کہ عام طور پر اس کی طرف توجہ نہ گئی۔ اور یہی خیال کیا گیا کہ یہ پہلی پیشگوئی کی ہی جزو ہے۔ اور وہ پیشگوئی یہ تھی:۔

"خوبصورت پاک لڑکا تمہارا مہمان آتا ہے۔ اس کا نام عنموائیل اور بشیر بھی ہے۔ اس کو مقدس روح دی گئی ہے۔ اور وہ رِجس سے پاک ہے۔ وہ نور اللہ ہے۔ مبارک وہ جو آسمان سے آتا ہے۔" (تذکرہ صـ۱۴۰)

اس پیشگوئی کو پہلی پیشگوئی کا حصہ ہی سمجھا گیا۔ حالانکہ یہ پیشگوئی اس

پیشگوئی کا حصہ تھی، جو ۱۸۸۱ء میں ان الفاظ میں کی گئی تھی۔ اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلَامٍ حَسِیْنٍ۔ ہم تجھے ایک حسین لڑکے کی خوشخبری دیتے ہیں۔

الغرض

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس عظیم الشان لڑکے کی پیشگوئی بذریعہ اشتہار شایع فرمادی۔

اور اسی اشتہار میں ایک اور لڑکے کی بھی پیشگوئی تھی۔ جس کو مہمان کے نام سے ظاہر کیا گیا۔ مگر سب کی توجہ اس عظیم الشان لڑکے کی طرف تو گئی۔ مگر مہمان کیطرف نہ گئی۔

صاحبزادی عصمت کی پیدائش

جن ایام میں یہ پیشگوئی شایع ہوئی۔ اُن ایام میں حضرت ام المومنین کے مشکوئے معلّے میں امیدواری تھی۔ چنانچہ مئی ۱۸۸۶ء میں اس امیدواری سے ایک صاحبزادی پیدا ہوئی۔ یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اس بیوی سے پہلی اولاد تھی۔ چونکہ ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کو آپ نے اس عظیم الشان لڑکے کی پیشگوئی شایع فرمائی تھی۔ اس لئے جب مئی ۱۸۸۶ء یعنی اشتہار کے تیسرے مہینے میں لڑکی پیدا ہوئی۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف ایک مخالفت کا طوفان بے تمیزی کھڑا ہو گیا۔

ابھی تک حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دعویٰ نہیں کیا تھا۔ مگر عقیدت مندوں کی ایک جماعت موجود تھی۔

اِس لڑکی کی پیدائیش پر جو ہوا، اسے حضرت میرزا بشیر احمد صاحب ایم۔ اے نے سیرۃ المہدی حصہ اوّل صفحہ ۸۶ روایت نمبر ۱۱۳ میں

یوں لکھا ہے :-

"جب شروع ۱۸۸۶ء میں حضرت مسیح موعودؑ نے خدائی حکم کے ماتحت ہوشیارپور جاکر وہاں چالیس دن خلوت کی اور ذکر خدا میں مشغول رہے۔ تو اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل سے آپ کو ایک عظیم الشان بیٹے کی بشارت دی۔ جس نے اپنے مسیحی نفس سے مصلح عالم بنکر دُنیا کے چاروں کونوں میں شہرت پانی تھی۔ یہ الہام اس قدر جلالی اور شان و شوکت کے ساتھ ہوا۔ کہ جب حضورؑ نے ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کے اشتہار میں اس کا اعلان فرمایا۔ تو اس کی وجہ سے ملک میں ایک شور برپا ہوگیا۔ اور لوگ نہایت شوق کے ساتھ اس پسر موعود کی راہ تکنے لگے۔

اور سب نے اپنے خیال کے مطابق اس پسر موعود کے متعلق امیدیں جمالیں۔ بعض نے اس پسر موعود کو مہدی معہود سمجھا۔ جس کا اسلام میں وعدہ دیا گیا تھا۔ اور جسنے دُنیا میں مبعوث ہوکر اسلام کے دشمنوں کو نابود اور مسلمانوں کو ہر میدان میں غالب کرنا تھا۔ بعض نے اور اس قسم کی امیدیں قائم کیں۔ اور بعض تماشائی کے طور پر پیشگوئی کے جلالی اور شان و شوکت کو دیکھ کر ہی حیرت میں پڑ گئے تھے۔ اور بغیر کوئی امید قائم کئے اس انتظار میں تھے۔ کہ دیکھئے پردہ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے۔

غیر مذاہب والوں کو بھی اس خبر نے چونکا دیا تھا۔ غرض

وحی الٰہی کی اشاعت رجوعِ عام کا باعث ہوئی۔
ان دنوں حضورؑ کے ہاں بچہ پیدا ہونے والا تھا۔

مگر

اللہ تعالےٰ نے بھی ایمان کے راستے میں ابتلاء رکھے ہوتے ہیں۔ سو قدرتِ خدا کہ چند ماہ کے بعد مئی ۱۸۸۶ء میں بچہ پیدا ہوا۔ تو وہ لڑکی تھی۔ اِس پر خوش اعتقادوں میں مایوسی اور بد اعتقادوں اور دشمنوں میں ہنسی اور استہزاء کی ایک لہر اُٹھی۔ کہ جس نے مُلک میں ایک زلزلہ پیدا کر دیا۔ اس وقت تک بیعت کا سلسلہ تو تھا ہی نہیں۔ کہ مریدین الگ نظر آتے۔ بس عام لوگوں میں چہ میگوئی ہو رہی تھی۔ کہ یہ کیا ہوا۔ کوئی کچھ کہتا تھا، کوئی کچھ۔ حضورؑ نے بذریعہ اشتہار اور خطوط اعلان فرمایا۔ کہ وحی الٰہی میں یہ نہیں بتایا گیا تھا۔ کہ اس وقت جس بچہ کی امیدواری ہے۔ یہی وہ پسرِ موعود ہوگا۔ اسطرح لوگوں کی تسلّی کی کوشش کی۔ چنانچہ اس پر اکثر لوگ سنبھل گئے۔"

(سیرۃ المہدیؑ حصّہ اوّل صفحہ ۸۸،۸۷)

اس طرح مئی ۱۸۸۶ء میں ایک طرف تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت ام المومنین کے گھر میں ایک بچّی کی پیدائش پر خوشیاں ہو رہی تھیں۔ اور دوسری طرف اس کی ولادت نے ملک بھر میں ایک طوفانِ بے تمیزی پیدا کر دیا۔ اور اپنوں اور غیروں نے زبانِ طعن دراز کی۔ اور اس قدر بدگوئی سے کام لیا۔ کہ دلوں کو چھلنی کر دیا۔

میں اِس چھوٹی سی کتاب میں اُن عبارتوں اور تحریروں کے کٹنگ نہیں

دے سکتا۔ مگر حضرت میرزا بشیر احمدؓ صاحب کا یہ تحریر فرمانا کہ:۔

"دشمنوں میں ہنسی اور استہزاء کی ایک ایسی لہر اُٹھی کہ جس نے مُلک میں ایک زلزلہ پیدا کر دیا" کافی ہے۔

یہ معصوم صاحبزادی ۱۸۹۱ء تک زندہ رہیں۔ گویا تقریباً ۵ سال تک زندہ رہیں۔ ان کی نسبت حضرت اقدسؑ کا الہام تھا:۔

"کَرْمُ الْجَنَّۃِ دوحۃ الجنّۃِ"

یعنی انگور کی جنّتی بیل۔ جنّت کا بڑا درخت

اس لڑکی کا وجود مومنوں کے علاوہ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت امّ المومنین کے ایمانوں کی مضبوطی۔ قوت۔ خدا تعالیٰ کی محبّت، اور خدا کی محبّت میں سب کچھ برداشت کر نیکی قوّت کا مظاہرہ کرانے کے لئے آیا تھا۔

لوگ ہنستے تھے، استہزاء کرتے تھے، ٹھٹھے اُڑاتے تھے۔ گالیاں دیتے تھے۔ مگر خدا کے یہ پاک بندے ایک مضبوط چٹان کی طرح جمے کھڑے تھے۔

۱۸۹۱ء میں حضرت اقدسؑ لودھیانہ بمع اہل و عیال کے تشریف لے گئے وہاں صاحبزادی صاحبہ بیمار ہو گئیں۔ انہیں ہیضہ ہوا۔

"حضرت اقدسؑ اس کے علاج میں اس قدر مصروف تھے۔ کہ ایک سرسری دیکھنے والا گمان کرے، کہ آپؑ سے زیادہ اولاد کی محبّت کسی کو نہ ہو گی ...... عصمت کے بیمار ہونے پر آپؑ اس کے علاج میں یوں دوا کرتے۔ کہ گویا اسکے بغیر زندگی محال ہے۔ اور ایک دُنیادار دُنیا کی عُرف و اصطلاح میں اولاد کا بھوکا اور شیفتہ اس سے زیادہ جانکاہی نہیں

کر سکتا۔ مگر جب وہ مرگئی۔ تو آپؑ یوں الگ ہوگئے۔ کہ گویا کوئی چیز تھی ہی نہیں۔ اور جب سے کبھی ذکر تک نہیں کیا۔ کہ کوئی لڑکی تھی۔

یہ مصالحت اور مسالمت خدا کی قضاء و قدر سے بجز منجانب اللہ لوگوں کے اور کسی سے ممکن نہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو صاحبزادی عصمت کی وفات سے جہاں تک بشریت کا تعلق ہے، گونہ صدمہ ہوا۔ جو اسی حد تک تھا۔ مگر خدا تعالیٰ کی مقادیر سے کامل صلح اور مسالمت تھی۔ اور آپؑ خدا کے اس فعل پر خوش و خرم تھے۔"

(سیرۃ مسیح موعودؑ حصہ دوم صـ ۲۱۵، صـ ۲۱۶ مصنفہ عرفانی کبیر)

اس کی وفات پر بھی بہت کچھ شور و شر ہوا۔ کہ لو وہ لڑکی بھی زندہ نہ رہی۔ اس طرح یہ معصوم جنتی انگور کی بیل اس دُنیا میں پانچ سال تک رہکر جنت میں جہاں سے آئی تھی۔ واپس چلی گئی۔ وہ لوگوں کے ایمان کو صیقل کرنے کے لئے۔ ان کے اندر قوتِ ایمان پیدا کرنے کیلئے آئی تھی۔ اس کا کام جلد پورا ہوگیا اور وہ جلد اپنے رب کے حضور چلی گئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

حضرت اُم المومنین نے اِس بچی کی پیدائش پر سارے شور و غوغا کو نہایت حوصلہ سے سُنا۔ اور ان کے ایمان میں ذرا جنبش پیدا نہ ہوئی۔ اور جب وہ خدا کے پاس بُلائی گئی۔ تو آپ نے نہ کوئی گھبراہٹ کا اظہار کیا اور نہ جزع فزع کیا۔ بلکہ بالکل حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرح رضا بالقضاء کا ثبوت دیا۔ جیسے میں واقعات سے ثابت کرونگا۔

جس خوشی سے اسے لیا تھا۔ اسی خوشی سے اپنے مولا کو واپس کر دی۔

پہلی اولاد

صاحبزادی . . . . عصمت
تاریخ پیدائش . . . . مئی ۱۸۸۶ء
تاریخ وفات . . . . جولائی ۱۸۹۱ء
کل عمر . . . . پانچ سال دو ماہ

اس کی شان!

کرم الجنۃ دوحۃ الجنۃ

بشیر اوّل

حضرت ام المومنین کے بطن سے دوسرا بچہ بشیر اوّل پیدا ہوا۔ بشیر اوّل کی پیدائش ۷؍اگست ۱۸۸۷ء کی رات کو ڈیڑھ بجے کے قریب ہوئی یعنی اس وقت یکشنبہ کے دن کا آغاز ہو رہا تھا۔

اس بچہ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے وہی موعود لڑکا خیال کیا چنانچہ آپ نے ۷؍اگست ۱۸۸۷ء کو ایک دو ورقہ اشتہار بعنوان خوشخبری شایع فرمایا۔ اس میں تحریر فرمایا:۔

"اے ناظرین! میں آپ کو بشارت دیتا ہوں۔ کہ وہ لڑکا جسکے تولد کے لئے میں نے اشتہار ۸؍اپریل ۱۸۸۶ء میں پیشگوئی کی تھی۔ اور خدا تعالےٰ سے اطلاع پاکر اپنے کھلے کھلے بیان میں

لکھا تھا۔ کہ اگر وہ حمل موجودہ میں پیدا نہ ہوا۔ تو دوسرے حمل میں، جو اس کے قریب ہے۔ ضرور پیدا ہو جائے گا۔

آج ۱۶ ذیقعدہ ۱۳۰۴ھ ہجری مطابق ۱۸۸۷ء میں ۱۲ بجے رات کے بعد ڈیڑھ بجے کے قریب وہ مولود مسعود پیدا ہوا۔ الحمد للّٰہ علیٰ ذلک"

اس لڑکے کی نسبت پیشگوئی تھی۔ "خوبصورت پاک لڑکا تمہارا مہمان آتا ہے"۔ اس کا نام عنموائیل اور بشیر بھی ہے۔ اس کو مقدس روح دی گئی ہے۔ وہ رجس سے پاک ہے۔ اور نور اللہ ہے۔ مبارک وہ جو آسمان سے آوے"۔

اس لڑکے کا اصل نام بشیر احمد تھا۔ اس کے متعلق اللہ تعالےٰ نے اپنے الہامات میں اور بھی نام رکھے تھے۔ جیسے۔ بشّر اور بشیر اور نور اللہ۔ صَیّب اور چراغ دین وغیرہ۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت خلیفۃ المسیح اوّل کو ایک مکتوب گرامی میں تحریر فرمایا۔ کہ:۔

(ب) "خدا تعالےٰ نے پسر متوفّٰی کے اپنے الہام میں کئی نام رکھے ان میں سے ایک بشیر اور ایک عنموائیل اور ایک خدا با ماست اور رحمت حق با ماست اور ایک یدُ اللہ بجلالٍ وجمالٍ ہے۔" (تذکرہ صہ ۱۶۵)

ایک الہام اس کے متعلق یہ ہوا تھا:۔

"جَاءَكَ النُّوْرُ وَهُوَ اَفْضَلُ مِنْكَ۔" (تذکرہ صہ ۱۶۵)

اس بچے کی پیدائش پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بڑی خوشی کا اظہار فرمایا۔ حضرت اقدس نے اس کے عقیقہ کی تقریب پر بہت سے دوستوں کو

اس خوشی میں مدعو بھی کیا تھا - یہ خوشی کی تقریب عام دُنیا داروں کی طرح نہ تھی - جو بچوں کے پیدا ہونے پر خوشیاں مناتے ہیں - بلکہ آپؑ کی غرض یہ تھی - کہ آپؑ اس بچے کی پیدائیش پر جسکی روحانی استعداد کا علم قبل از وقت دیا گیا تھا - جس کا وجود اسلام کی سچائی کے لئے ایک چمکتے ہوئے نشان کی طرح تھا - خدا تعالےٰ کی حمد اور شکر کریں

پس یہ خوشی دراصل اللہ تعالےٰ کی نعمتوں کے اظہار کے لئے تھی - آپؑ نے اپنے دوستوں کو خط لکھکر اس تقریب پر بلایا - چنانچہ حضرت منشی رستم علی صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آپؑ نے ایک مکتوب تحریر فرمایا جو حسب ذیل ہے:-

" بسم اللہ الرحمٰن الرحیمؕ نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریمؕ

مخدومی مکرمی اخویم منشی رستم علی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج سولہویں ذیقعدہ ۱۳۰۴ھ بفضلہٖ تعالےٰ وکرمہٖ اس عاجز کے گھر لڑکا پیدا ہوا ہے - ۲۲ ذیقعدہ مطابق ۱۳ اگست روزِ عقیقہ ہے - اگر کچھ موجبِ تکلیف وحرج نہ ہو - تو آپ بھی تشریف لاکر ممنونِ احسان فرماویں - فقط - ۱۷ اگست ۱۸۸۷ء

خاکسار میرزا غلام احمدؐ

از قادیان ضلع گورداسپور

(مکتوباتِ احمدؐیہ جلد پنجم نمبر سوم)

پھر ۱۰ اگست کو ایک کارڈ تحریر فرمایا - کہ دو شطرنجی کلاں بھی روزِ عقیقہ کے لئے ساتھ لائیں -

پھر ایک دوسرا کارڈ اسی روز اور تحریر فرمایا - کہ ایک سائیبان بھی درکار ہے -

جو خیمہ کی طرز کا ہو۔ کیونکہ مکان کی تنگی ہے۔

پھر ایک مکتوب ملفوف تحریر فرمایا۔ جس پر تاریخ نہیں۔ مگر اغلباً وہ بھی اسی روز کا لکھا ہوا ہے۔ اس میں تحریر فرمایا۔ کہ تین روز کی رخصت لیکر حسب ذیل اشیاء عقیقہ کے لئے ساتھ لائیں۔

روغن زرد عمدہ ڈیڑھ من خام۔ ؎۳ نقد۔ تین بوتل عمدہ چٹنی۔ بیس ثار آلو پختہ۔ چار ثار اربی پختہ۔ کسی قدر میتھی یا لک وغیرہ ترکاری۔ پان بھی طلب فرمائے تھے۔

پھر ایک اور ملفوف تحریر فرمایا۔ جس میں پھر خیمہ سائیبان کی ضرورت پر تحریر فرمایا:۔

> "مہمان عقیقہ کے روز اس قدر آئیں گے۔ کہ مکان میں گنجائش نہیں ہوگی۔ یہ آپ کے لئے ثواب حاصل کرنے کا نہایت عمدہ موقع ہے۔"

ان خطوط سے اس انہماک کا پتہ لگ سکتا ہے، جو حضورؑ کو صاحبزادہ بشیر احمدؒ اوّل کی پیدائش پر عقیقہ کے متعلق تھا۔ الغرض سب سامان ہو گئے۔ بکثرت احباب قادیان میں جمع ہوئے۔ اور خدا تعالیٰ کے اس فضل کا شکر ادا کرتے رہے۔

اس طرح حضرت ام المومنین کے بطن مبارک سے جو لڑکی پیدا ہوئی تھی، وہ اپنی ذات میں مومنوں کے ایمان میں ایک نئی قوت پیدا کرنے کے لئے آئی تھی۔ اور یہ مبارک لڑکا جو بہت بڑی استعدادوں کے ساتھ اس دنیا میں آیا تھا۔ والدین کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنا ہوا تھا۔ کیسی مبارک ہے وہ ماں جس کی بچی کی یہ شان تھی۔ کہ خدا نے اسے

کَرَمُ الجَنَّۃِ وَرَوحَۃُ الجَنَّۃِ

کہا۔ اور جس کے بیٹے کی یہ شان۔ کہ خدا تعالےٰ اسے اپنے عرش سے مبشّر۔ بشیر۔ نور اللہ۔ چراغ دین وغیرہ اسماء سے یاد فرما رہا تھا۔

یہ کھلی کھلی دلیل تھی۔ کہ یہی وہ خاتون تھی۔ کہ جس میں اس قدر پاکیزہ استعداد تھی، کہ وہ مسیحی صفت بچے پیدا کر سکے۔ ایسی ماں کی عظمت میں کیا شک ہو سکتا ہے۔

الغرض بشیر احمدؐ اوّل اپنے مقدس اور بزرگ باپؑ اور عظیم الشان ماں کی آغوشِ شفقت میں کیساتھ بڑھنے لگا۔ حضرت اقدسؑ اور حضرت امّ المومنین کو اس کے آرام کا بہت بڑا خیال تھا۔ چنانچہ خاص اس بچہ کی خدمت کے لئے ایک نوکر کی تلاش ہوئی۔

حضرت اقدسؑ نے ۱۲ اگست ۸۷ء کو چوہدری رستم علی صاحبؓ کی خدمت میں لکھا۔ کہ :۔

"ہمارا منشاء ہے۔ کہ کوئی باہر سے خادم آوے۔ جو طفل نوزاد کی خدمت میں مشغول رہے۔ آپ اس میں نہایت درجہ سعی فرماویں۔ کہ کوئی نیک طبیعت اور دیندار خادم جو کسی قدر جوان ہو مل جائے"

پھر ایک پوسٹ کارڈ ۶ ستمبر کو تحریر فرمایا۔ جس میں خادمہ کی ضرورت کے متعلق لکھا :۔

"صرف نیک بخت اور ہوشیار۔ بچہ رکھنے کے لائق ہو . . .
. . . گھر میں تین عورتیں خدمت کرنے والی تو اس جگہ موجود ہیں"

پھر ۱۲؍ستمبر کو تحریر فرمایا:۔

"اب ایک خادمہ محنت کش۔ ہوشیار۔ دانا۔
دیانتدار کی اشد ضرورت ہے۔ اور اس کا کام یہی ہوگا
کہ لڑکا اور لڑکی دونو کی خدمت میں مشغول رہے"

اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ باوجود اس کے کہ گھر میں تین خادمائیں موجود تھیں۔ مگر اس بچے اور پہلی بچی کی خدمت کے لئے ایک الگ خادمہ کی تلاش کی جارہی تھی۔ تاکہ ان بچوں کو زیادہ سے زیادہ آرام مل سکے۔ اور سب سے اہم بات یہ تھی۔ کہ آپ نوکرانی بھی ایسی چاہتے تھے، جو نیک اور دیانتدار اور تمام اچھی صفات سے متصف ہو۔

اس سے معلوم ہو سکتا ہے

کہ ان بچوں کے متعلق کس قدر اہتمام تھا۔ اور یہ بچے کیسے بابرکت تھے، جو ایسے والدین کے زیر سایہ پرورش پا رہے تھے۔

بشیر احمدؐ کی علالت

جب بشیر احمدؐ کی عمر ایک سال کے قریب ہوئی۔ تو وہ سخت بیمار ہوگیا۔ حضرت حکیم الامت مولوی نور الدین صاحب رضی اللہ تعالےٰ عنہ جو بعد میں خلیفۃ المسیح اول ہوئے، کو جموں میں مکتوب گرامی تحریر فرمایا:۔

"بشیر احمدؐ عرصہ تین ماہ تک برابر بیمار رہا۔ تین چار دفعہ ایسی نازک حالت تک پہنچ گیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا تھا۔ کہ شاید دو چار دم باقی ہیں۔ مگر عجیب قدرت قادر ہے کہ ان سخت خطرناک حالتوں تک پہنچا کر پھر ان سے رہائی بخشتا

رہا۔ اب بھی کسی قدر علالت باقی ہے۔ مگر بفضلہٖ تعالےٰ آثار خطرناک نہیں ہیں۔ اور ایسے وقتوں کی دُعا بھی عجیب قسم کی دُعا ہوتی ہے۔ سو الحمد للہ و المنتہ کہ آپ ایسے وقتوں میں یاد آجاتے ہیں۔"

اس کے بعد پھر ایک خط تحریر فرمایا۔ جس میں تحریر فرمایا:۔

"ایک خط روانہ خدمت کر چکا ہوں۔ اب باعثِ تکلیف دہی یہ ہے۔ کہ بشیر احمد میرا لڑکا جس کی عمر قریب برس کے ہو چکی ہے۔ نہایت ہی لاغر اندام ہو رہا ہے۔ پہلے سخت تپ محرقہ کی قسم کا چڑھا تھا۔ اس سے خدا تعالےٰ نے شفا بخشی۔ پھر بعد کسی قدر خفت تپ کی یہ حالت ہو گئی۔ کہ لڑکا اسقدر لاغر ہو گیا ہے۔ کہ استخواں ہی استخواں رہ گیا۔

سقوطِ قوت اس قدر ہے۔ کہ ہاتھ پیر بیکار کیطرح معلوم ہوتے ہیں۔ یا تو وہ جسم قوی ہیکل معلوم ہوتا تھا۔ اور یا اب ایک تنکے کی طرح ہے۔ پیاس بشدّت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ بقیہ حرارت کا موجود ہے۔ آپ براہِ مہربانی غور کر کے کوئی ایسی تجویز لکھ بھیجیں۔ جس سے اگر خدا چاہے بدن میں قوت ہو۔ اور بدن تازہ ہو۔ اس قدر لاغری اور سقوطِ قوت ہو گیا ہے رکہ وجود میں کچھ باقی نہیں رہا۔ آواز بھی نہایت ضعیف ہو گئی ہے۔ یہ بھی واضح کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔ کہ دانت بھی اس کے نکل رہے ہیں۔ چار دانت نکل چکے تھے۔ کہ یہ بیماری شیر کی طرح حملہ آور ہوئی۔ اب بباعث غایت درجہ

ضعفِ قوت اور لاغری اور خشکی بدن کے دانت نکلنے موقوف ہو گئے ہیں۔ اور یہ حالت ہے، جو مَیں نے بیان کی ہے۔ براہِ مہربانی جلد جواب سے مسرور فرماویں۔ والسلام

اس سے اس توجہ اور شفقت اور محبت کا پتہ چل سکتا ہے۔ کہ جو حضرت اقدسؑ کو بشیر کی بیماری کے متعلق تھی۔ نیز اس حالت میں آپؑ کس قدر دُعائیں فرما رہے تھے۔

حضرت اماں جان کی جو حالت ہوگی، وہ خود بخود ہی واضح ہو جاتی ہے وہ ماں جس کا پہلا بچہ ہو۔ اور جو خوبصورت بھی ہو۔ اسکی ذات کے متعلق بڑی بڑی امیدیں وابستہ ہوں۔ وہ ایسا سخت بیمار ہو۔ تو اس ماں کے قلب کی کیا کیفیت ہوگی۔ یہ کسی تشریح کی محتاج نہیں۔

صاحبزادہ بشیر احمدؑ اوّل اس شدید بیماری سے بالکل اچھا ہو گیا۔ چنانچہ ۸ اگست ۱۸۸۸ء کو ایک خط میں حضرت مولوی صاحبؓ کو لکھا۔ کہ آپ کے آنے کی اب ضرورت نہیں۔ اب بشیر احمدؑ خدا کے فضل سے اچھا ہے۔

اس طرح خدا تعالےٰ نے ان دُعاؤں کو جو کی گئیں۔ شرفِ قبولیت بخشا۔ اور صاحبزادہ بشیر اوّل اچھا ہو گیا۔ مگر اصل تقدیر جو "مہمان" کے الہام میں پوشیدہ تھی، ابھی پوری ہونیوالی تھی۔ چنانچہ بشیر اول پھر بیمار ہوا۔ اور

وفات

۴ر نومبر ۱۸۸۸ء کو تیئس ۲۳ دن بیمار رہکر فوت ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۝

آپؑ نے حضرت مولوی صاحبؓ کو جموں خط لکھا۔ اور اس میں بشیر اول کی وفات کی اطلاع دی۔ چنانچہ آپؑ نے تحریر فرمایا:۔

"میرا لڑکا بشیر احمد تئیس ۲۳ روز بیمار رہکر آج بقضائے الٰہی رب عزوجل انتقال کر گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔
اس واقعہ سے جسقدر مخالفین کی زبانیں دراز ہونگی اور موافقین کے دلوں میں شبہات پیدا ہوں گے، اس کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ وانا راضون برضائہٖ وصابرون علٰی بلائہٖ یرضٰی عنّا مولٰینا فی الدّنیا والاٰخرۃ وھو ارحم الرّاحمین

والسلام ۴؍ نومبر ۱۸۸۸ء"

حضرت حکیم الامتؓ کو آپؑ نے جو مختصر خط لکھا۔ اس میں دو امور کی طرف اشارہ فرمایا:۔

۱۔ اب مخالفوں کی زبانیں دراز ہونگی۔

۲۔ موافقین کے دلوں میں شبہات پیدا ہوں گے۔

سو ایسا ہی ہؤا۔ ایک بڑا زلزلہ آیا۔ مخالفت کا طوفانِ بے تمیزی اُٹھا سیرۃ المہدی حصہ اول مصنفہ حضرت میرزا بشیر احمدؓ صاحب کے ص۸۸ پر لکھا ہے:۔

"مگر قدرت خدا کی، کہ ایک سال بعد یہ لڑکا اچانک فوت ہو گیا۔ بس پھر کیا تھا۔ مُلک میں طوفانِ عظیم برپا ہؤا۔ اور سخت زلزلہ آیا۔ حتّٰے کہ میاں عبداللہ صاحبؓ سنوری کا خیال کہ ایسا زلزلہ عامۃ الناس کے لئے نہ اس سے قبل کبھی آیا تھا نہ

اس کے بعد آیا۔

گویا وہ دعویٰ مسیحیت پر جو زلزلہ آیا تھا۔ اسے بھی عامۃ الناس کے لئے اس سے کم قرار دیتے ہیں۔ مگر بہر حال یہ یقینی بات ہے۔ کہ اس واقعہ پر ملک میں ایک سخت شور اٹھا۔ اور کئی خوش اعتقادوں کو ایسا دھکہ لگا۔ کہ وہ پھر نہ سنبھل سکے۔ . . . .

حضرت صاحبؑ نے لوگوں کو سنبھالنے کے لئے اشتہاروں اور خطوط کی بھرمار کر دی۔ اور لوگوں کو سمجھایا۔ کہ میں نے کبھی یہ یقین ظاہر نہیں کیا تھا۔ کہ یہی وہ لڑکا ہے۔ ہاں میں نے کہا تھا کہ چونکہ خاص اس لڑکے کے متعلق بھی مجھے بہت الہام ہوئے ہیں۔ جن میں اس کی بڑی ذاتی فضیلت بتائی گئی تھی۔ اس لئے میرا خیال تھا۔ کہ شاید یہی وہ موعود لڑکا ہو۔ مگر خدا کی وحی میں جو اس معاملہ میں اصل اتباع کے قابل ہے، ہرگز کوئی تعیین نہیں کی گئی تھی۔ غرض لوگوں کو بہت سنبھالا گیا۔ چنانچہ بعض لوگ سنبھل گئے۔ لیکن اکثروں پر مایوسی کا عالم تھا۔ مخالفین میں پرلے درجہ کے استہزاء کا جوش تھا۔"

یہ ایسا وقت تھا۔ کہ دشمن تو دشمن اپنے بھی بہت خطرے میں پڑ گئے تھے۔

حضرت ام المومنین نے جو اس وقت رضا بالقضاء کا نمونہ دکھایا اسکی یہ حالت تھی، کہ آپ نے جب دیکھا، کہ بچے کے اب بچنے کی کوئی صورت نہیں تو آپ نے فرمایا۔ کہ میں پھر اپنی نماز کیوں قضاء کروں۔ چنانچہ آپ نے وضو کر کے نماز شروع کر دی۔ اور نہایت اطمینان کے ساتھ نماز ادا کر کے دریافت فرمایا۔ کہ بچے کا کیا حال ہے۔ تو اس کے جواب میں بتلایا گیا۔ کہ بچہ

فوت ہوگیا ہے۔ تو آپ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ پڑھکر خاموش ہو گئیں۔

یہ واقعہ الحکم میں شائع شدہ موجود ہے۔ اس وقت جبکہ چاروں طرف شورِ بے تمیزی مچ رہا تھا۔ ایک زلزلہ آیا ہوا تھا۔ ایک ماں کے ایمان کی پختگی کی ایسی مثال کم ملے گی۔ کہ اپنے لختِ جگر کو بسترِ مرگ پر چھوڑ کر خدا تعالےٰ کی عبادت کے لئے سکونِ قلب کیساتھ کھڑی ہو جائے۔ جاؤ ڈھونڈو! دیکھو کہ اس کی مثال کہیں نظر آتی ہے؟ ان کی زبان سے کوئی شکوہ، کوئی کلمہ قابلِ اعتراض نہیں نکلا۔ انہوں نے اپنے خاوند سے یہ نہیں پوچھا۔ کہ آپ تو اس لڑکے کے متعلق ایسا خیال کرتے تھے، اب یہ کیا ہوا۔

پورا اطمینان، پورا سکون، قلب میں موجود تھا۔ اور اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ پڑھکر خاموش ہوگئیں۔ یہ شان ہے حضرت ام المومنین کے ایمان کی پختگی کی اور رضا بالقضاء کی۔ اور یہی ایک مسلمان عورت کی شان ہے۔

حضرت اقدسؑ نے اپنے مخلص مریدوں کو اس پیشگوئی کی وضاحت پر مفصل خط لکھے۔ جو سلسلہ کے لٹریچر میں موجود ہیں۔

الغرض صاحبزادہ بشیر اوّل خدا کے ان الہاموں کے ماتحت فوت ہوگیا۔ آپؑ نے ایک اشتہار لکھا، جس پر یہ شعر لکھا ؎

ہم نے اُلفت میں تری بار اٹھایا کیا کیا
تجھکو دِکھلا کے فلک نے ہے دکھایا کیا کیا

اور تحریر فرمایا:۔

"غرض جو اس کی نگاہ میں راستباز اور صادق ہیں وہ ہمیشہ جاہلوں کی زبان اور ہاتھ سے تکلیفیں اُٹھاتے چلے آئے ہیں۔

سو چونکہ سنت اللہ قدیم سے یہی ہے۔ اس لئے اگر ہم خویش و بیگانہ سے کچھ آزار اٹھائیں۔ تو ہمیں شکر بجالانا چاہئے اور خوش ہونا چاہیئے۔ کہ ہم اس محبوب حقیقی کی نظر میں اس لائق ٹھہرے، کہ اس کی راہ میں دُکھ دیئے جائیں۔ اور ستائے جائیں۔" (تبلیغ رسالت صـ۸۳)

پھر آپؑ نے ایک مفصل اشتہار بنام "حقانی تقریر بر واقعہ وفات بشیر" شائع کیا۔ اس میں آپؑ نے بتلایا۔ کہ یہ الہامی طور پر تصفیہ نہیں ہوا تھا۔ کہ یہی وہ مصلح موعود لڑکا ہے۔

اصل بات یہی ہے،

کہ اگرچہ بشیر اوّل اپنی ذاتی استعدادوں کے لحاظ سے بڑی عظمت اور شان والا لڑکا تھا۔ اور یہ استعدادیں اس کے اندر اسی طرح موجود تھیں، جیسے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے ابراہیم کے اندر نبوّت کی استعداد موجود تھی۔ چنانچہ آپؐ نے فرمایا "لو عاش ابراھیم لکان صدیقا نبیا"۔ ایسی ہی استعدادوں کے ساتھ یہ بشیر بھی آیا۔

وہ کیوں فوت ہوا؟

اس کی وفات کی یہی وجہ تھی۔ کہ وہ خود مصلح موعود نہ تھا بلکہ جیسے حضرت اقدس ؑ نے سبز اشتہار کے حاشیہ صـ۲۱ پر لکھا ہے:۔

"بشیر اوّل جو فوت ہو گیا ہے۔ بشیر ثانی کے لئے بطور ارہاص تھا۔"

وہ مصلح موعود کی پیشگوئی کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے آیا تھا۔ اگر بشیر اوّل

زندہ رہتا۔ تو لوگوں کی توجہ اس کی طرف ہوتی۔ اور یہ قدرتی بات تھی۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں وہ مصلح موعود نہ تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کی مشیتِ خاص نے اسے مصلح موعود کے لئے راستہ صاف کرنے کے لئے بھیجا تھا۔

یہ مختصر حالات ہیں بشیر اوّل کے۔ اس طرح وہ ۱۷ ؍ اگست ۱۸۸۷ء کو رات کے ڈیڑھ بجے کے قریب پیدا ہوا۔ اور ۴ ؍ نومبر ۱۸۸۸ء، بروز یکشنبہ اپنی عمر کے سولہویں مہینہ میں فوت ہوگیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

بشیر اوّل !

تاریخ پیدائش . . . . ۱۷ ؍ اگست ۱۸۸۷ء

تاریخ وفات . . . . ۴ ؍ نومبر ۱۸۸۸ء

کل عمر . . . . ۱۶ ماہ

اس کی شان !

مبشر۔ بشیر۔ نور اللہ۔ صیّب۔ چراغ دین۔ عمنوائیل وغیرہ وغیرہ

حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح ثانی

جب بشیر اول اللہ تعالیٰ کی منشاء کے ماتحت واپس بلا لیا گیا۔ تو جیسے کہ میں لکھ چکا ہوں۔ بہت بڑا زلزلہ نمودار ہوا۔ خود حضرت اقدس نے "حقانی تقریر" میں لکھا۔ کہ:۔

"عجیب طور کا شور و غوغا خام خیال لوگوں میں اُٹھا۔ اور رنگا رنگ کی باتیں خویشوں وغیرہ نے کیں۔ اور طرح طرح کی نافہمی اور کج دلی کی رائیں ظاہر کی گئیں۔ مخالفین مذہب جن کا شیوہ بات بات میں خیانت و افتراء ہے۔ انہوں نے اس بچے کی وفات پر انواع و اقسام کے افتراء گھڑنے شروع کئے۔"

(تبلیغ رسالت صـ ۱۲۱ جلد اول)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مثال دیگر انبیاء کیساتھ

یہ واقعہ ایسا تھا۔ کہ جس نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دیگر انبیاء سے ایک بڑی مماثلث قائم کر دی۔ چنانچہ آپ "حقانی تقریر" میں فرماتے ہیں:۔

"ابتلاء جو اوائل حال میں انبیاء اور اولیاء پر نازل ہوتا ہے۔ اور باوجود عزیز ہونے کے ذلت کی صورت میں

زندہ رہتا۔ تو لوگوں کی توجہ اس کی طرف ہوتی۔ اور یہ قدرتی بات تھی۔ حالانکہ اللہ تعالےٰ کے علم میں وہ مصلح موعود نہ تھا۔ اس لئے اللہ تعالےٰ کی مشیتِ خاص نے اسے مصلح موعود کے لئے راستہ صاف کرنے کے لئے بھیجا تھا۔

یہ مختصر حالات ہیں بشیر اوّل کے۔ اس طرح وہ ۷؍اگست ۱۸۸۷ء کو رات کے ڈیڑھ بجے کے قریب پیدا ہوا۔ اور ۴؍نومبر ۱۸۸۸ء، بروز یکشنبہ اپنی عمر کے سولہویں مہینہ میں فوت ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

بشیر اوّل!

تاریخ پیدائش .... ۷؍اگست ۱۸۸۷ء

تاریخ وفات .... ۴؍نومبر ۱۸۸۸ء

کل عمر .... ۱۶ ماہ

اس کی شان!

مبشر۔ بشیر۔ نور اللہ۔ صیب۔ چراغ دین۔ عمنوائیل وغیرہ وغیرہ

حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح ثانی

جب بشیر اوّل اللہ تعالیٰ کی منشاء کے ماتحت واپس بُلا لیا گیا۔ تو جیسے کہ میں لکھ چکا ہوں۔ بہت بڑا زلزلہ نمودار ہوا۔ خود حضرت اقدس نے "حقانی تقریر" میں لکھا۔ کہ:۔

"عجیب طور کا شور و غوغا خام خیال لوگوں میں اُٹھا۔ اور رنگا رنگ کی باتیں خویشوں وغیرہ نے کیں۔ اور طرح طرح کی نافہمی اور کج دلی کی رائیں ظاہر کی گئیں۔ مخالفین مذہب جن کا شیوہ بات بات میں خیانت و افتراء ہے۔ انہوں نے اس بچے کی وفات پر انواع و اقسام کے افتراء گھڑنے شروع کئے۔"

(تبلیغ رسالت صفحہ ۱۲۱ جلد اوّل)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مثال دیگر انبیاء کیساتھ

یہ واقعہ ایسا تھا۔ کہ جس نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دیگر انبیاء سے ایک بڑی مماثلت قائم کر دی۔ چنانچہ آپ "حقانی تقریر" میں فرماتے ہیں:۔

"ابتلاء جو اوائل حال میں انبیاء اور اولیاء پر نازل ہوتا ہے۔ اور باوجود عزیز ہونے کے ذلت کی صورت میں

اُن کو ظاہر کرتا ہے۔ اور باوجود مقبول ہونیکے کچھ مردُود سے
کرکے اُن کو دکھاتا ہے۔ یہ ابتلاء اسلئے نازل نہیں ہوتا کہ
انکو ذلیل اور خوار اور تباہ کرے۔ یا صفحۂ عالم سے ان کا نام و
ونشان مٹا دیوے۔ کیونکہ یہ ہرگز ممکن ہی نہیں۔ کہ خداوند
عزّوجل اپنے پیار کرنیوالوں سے دشمنی کرنے لگے۔ اور اپنے سچّے
عاشقوں کو ذلّت کیساتھ وہ ہلاک کر ڈالے۔ بلکہ حقیقت میں
وہ ابتلاء کہ جو شیر ببر کیطرح اور سخت تاریکی کی مانند
نازل ہوتا ہے۔ اس لئے نازل ہوتا ہے۔ کہ تا اس برگزیدہ
قوم کو قبولیّت کے بلند مینار تک پہنچا دے۔ اور الٰہی
معارف کے باریک دقیقے ان کو سکھا دے یہی سنّت
اللہ ہے۔ جو قدیم سے خدا تعالےٰ اپنے پیارے بندوں کیساتھ
استعمال کرتا چلا آیا ہے۔

زبور میں حضرت داؤد کی ابتلائی حالت میں عاجزانہ
نوحے اس سنّت کو ظاہر کرتے ہیں۔ اور انجیل میں آزمائش
کے وقت میں حضرت مسیحؑ کی غریبانہ تضرّعات اس عادت اللہ
پر دال ہیں۔ اور قرآن شریف اور احادیث نبویّہ میں جناب
فخر الرسلؐ کی عبودیت سے ملی ہوئی ابتہالات اس قانونِ
قدرت کی تصریح کرتے ہیں۔ اگر یہ ابتلاء درمیان میں نہ ہوتا
تو انبیاءؑ اور اولیاء ان مدارجِ عالیہ کو ہرگز نہ پا سکتے۔ کہ جو
ابتلاء کی برکت سے انہوں نے پالئے۔ ابتلاء نے انکی کامل
وفاداری اور مستقل ارادے کی عادت پر مہر لگا دی۔

اور ثابت کر دکھایا۔ کہ وہ آزمایش کے زلازل کے وقت
کس اعلیٰ درجہ کا استقلال رکھتے ہیں۔ اور کیسے سچے وفادار
اور عاشق صادق ہیں۔ کہ ان پر آندھیاں چلیں۔ اور
سخت سخت تاریکیاں آئیں۔ اور بڑے بڑے زلزلے ان
پر وارد ہوئے۔ اور وہ ذلیل کیے گئے۔ اور جھوٹوں اور
مکاروں اور بے عزتوں میں شمار کیے گئے۔ اور تنہا چھوڑے
گئے۔ یہاں تک کہ ربانی مددوں نے بھی جن کا ان کو بڑا بھروسہ
تھا، کچھ مدت تک منہ چھپا لیا۔ اور خداتعالےٰ نے اپنی مربیانہ
عادت کو یکبارگی کچھ ایسا بدل دیا۔ کہ جیسے کوئی سخت ناراض
ہوتا ہے۔ اور ایسا انہیں تنگی و تکلیف میں چھوڑ دیا۔ کہ گویا
وہ سخت موردِ غضب ہیں۔ اور اپنے تئیں ایسا خشک سا
دکھلایا۔ کہ گویا وہ ان پر ذرہ مہربان نہیں۔ بلکہ اُن کے دشمنوں
پر مہربان ہے۔ اور ان کے ابتلاؤں کا سلسلہ بہت طول
کھینچ گیا۔ ایک کے ختم ہونے پر دوسرا۔ اور دوسرے کے ختم
ہونے پر تیسرا ابتلاء نازل ہوا۔ غرض جیسے بارش سخت سخت
تاریک رات میں نہایت شِدّت و سختی سے نازل ہوتی
ہے۔ ایسا ہی آزمایشوں کی بارشیں اُن پر ہوئیں۔ پر وہ
اپنے پکے اور مضبوط ارادہ سے باز نہ آئے اور سُست
اور دل شکستہ نہ ہوئے۔ بلکہ جتنا مصایب و شدایِد
کا بار ان پر پڑتا گیا۔ اتنا ہی انہوں نے آگے قدم بڑھایا۔
اور جس قدر توڑے گئے۔ اسی قدر وہ مضبوط ہوتے گئے اور

جس قدر انہیں مشکلات کا خوف دلایا گیا، اسی قدر انکی ہمت بلند ان کی شجاعت ذاتی جوش میں آتی گئی۔ بالآخر وہ ان تمام امتحانات سے اوّل درجہ کے پاس یافتہ ہو کر نکلے۔ اور اپنے کامل صدق کی برکت سے پورے طور پر کامیاب ہو گئے۔ اور عزّت و حرمت کا تاج ان کے سر پر رکھا گیا۔"

(تبلیغ رسالت جلد اوّل صفحہ ۱۳۳، ۱۳۴)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے یہ جو کچھ حکایتِ دیگران کی صورت میں تحریر فرمایا ہے۔ وہ دراصل ان کی اپنی سیرت۔ ان کی اپنی وفاشعاری ان کے اپنے عشق و محبّت۔ ان کی اپنی مشکلات اور مصائب کی داستان ہے۔ میری اس کتاب کو پڑھنے والے ان الفاظ کو پڑھیں اور پھر پڑھیں۔ اور وہاں وہ غائب کی ضمیروں کو حاضر کی ضمیروں میں تبدیل کریں۔ اور اپنی آنکھوں کے سامنے حضرت مسیح موعودؑ کو دیکھیں۔ کہ وہ خدا کا فرستادہ اپنی اس حالت کو کن الفاظ میں بیان فرما رہا ہے۔ آپؑ فرماتے ہیں:۔

۱۔ یہ ابتلاء شیر ببر کی طرح تھا۔

۲۔ یہ ابتلاء سخت تاریکی کی مانند تھا۔

۳۔ ان ابتلاؤں نے طول کھینچ لیا تھا۔

۴۔ اس کی مثال ایسی تھی، جیسے سخت تاریک رات میں شدّت کی

بارش ہوتی ہے۔

۵۔ یہ ابتلاء آندھی کی طرح تھا۔ سخت تاریکی کے مانند تھا۔ بڑے بڑے زلزلوں کی مانند تھا۔

۶۔ اس چیز نے انکو بظاہر ذلیل کیا۔ اور دشمنوں نے ان کو جھوٹوں مکاروں۔ بے عزتوں میں شمار کر لیا۔

۷۔ بظاہر ایسا معلوم ہونے لگا۔ کہ وہ تنہا چھوڑ دیئے گئے ہیں! ور خدا تعالیٰ کی نصرت ان سے جاتی رہی۔

تصور کرو! ہاں اچھی طرح تصور کرو!! کہ اس نبی یا مامور و مرسل کے قلب کی کیا حالت ہو سکتی ہے۔ جس کے متعلق ایسی حالت پیدا کر دی گئی ہو۔ آپ نے حضرت داؤد، اور حضرت عیسیٰؑ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مماثلت کا اس میں ذکر فرمایا۔ تاکہ ہم ان کی مشکلات سے بھری ہوئی زندگی پر نظر ڈال سکیں۔ اور پھر یہ جان سکیں۔ کہ یہ مشکلات تو سنتِ انبیاء ہیں۔ مگر اس کیفیت کو بیان کرنے کے لئے آپ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی عبارت سے واضح کر کے اور بھی اس حقیقت کو۔ بے نقاب کر دیا۔ حضرت داؤدؑ فرماتے ہیں:۔

"اے خدا! تو مجھکو بچا لے۔ کہ پانی میری جان تک پہنچے ہیں۔ میں گہری کیچ میں دھس چلا۔ جہاں کھڑے ہونیکی جگہ نہیں۔ یعنی چلاتے چلاتے میری آنکھیں دھند ہو گئیں۔ وہ جو بے سبب میرا کینہ

رکھتے ہیں شمار میں میرے سر کے بالوں سے زیادہ
ہیں۔ اے خداوند ربّ الافواج! وہ جو تیرا انتظار
کرتے ہیں، وہ میرے لئے شرمندہ نہ ہوں۔ وہ جو
تجھ کو ڈھونڈتے ہیں، وہ میرے لئے ندامت نہ
اُٹھاویں۔ وے پھاٹک پر بیٹھے ہوئے میری
بابت بکتے ہیں۔ اور نشے باز میرے حق میں گاتے
ہیں۔ تو میری ملامت کشی، اور میری رسوائی اور
میری بے حُرمتی سے آگاہ ہے۔ مَیں نے تاکا کہ
کیا کوئی میرا ہمدرد ہے، کوئی نہیں۔"

(زبور ۶۹)

یہ کلام جو پہلے داؤدؑ نے کہا تھا۔ اسی حالت کا نقشہ کھینچ رہا ہے جو اس زمانہ میں ان ابتلاؤں کی وجہ سے ہوئی۔ اور یہ دُعا جو اس قلبی کیفیت کی آئینہ دار ہے۔ اس زمانہ کے داودؑ نے دوبارہ درج کر کے یہ ثابت کر دیا۔ کہ میری حالت پہلے داودؑ سے ذرّہ بھی کم نہیں۔

یہ سب کچھ کیوں ہوا؟ اور کیوں ہوتا ہے! اسلئے، کہ خدا تعالیٰ اپنے راستباز بندوں کی اس لاانتہا قوت کو دُنیا پر ظاہر کرے۔ جو وہ خدا تعالیٰ کی محبت اور اسکی رضاء اور اس کی تبلیغ کے پہنچانے کے لئے اپنے اندر رکھتے ہیں۔ یہ چیز انبیاءؑ کی سیرت کا ایک باب ہے۔ یہ وہ مقام ہے،

جس پر اُن کے سوا کوئی پہنچ نہیں سکتا۔

اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے

کہ وہ بالآخر تمام امتحانات سے اوّل درجہ کے پاس یافتہ ہو کر نکلتے ہیں۔ اور اپنے کامل صدق کی برکت سے پورے طور پر کامیاب ہو جاتے ہیں۔ اور عزت و حرمت کا تاج ان کے سر پر رکھا جاتا ہے۔

بالکل

اسی اصل کے مطابق خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سر پر وہ تاج عزت و حرمت رکھدیا۔ ان آزمائشوں کی تمام تاریکیوں کو تار تار کر دیا۔

ایک سوال یہاں پیدا ہو سکتا ہے۔ کہ تم سیرت تو امّ المومنین لکھ رہے ہو، اور یہاں یہ ساری بحث حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سیرت کے متعلق کیجا رہی ہے؟ اس کے جواب میں اس قدر کہنا کافی ہو گا۔ کہ بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں، جو میاں بیوی میں مشترک ہوتی ہیں۔ کوئی مصیبت اور کوئی تکلیف ایسی نہیں ہوتی، جو میاں کو آئے، اور بیوی اس سے متاثر نہ ہو۔ یا بیوی کو تکلیف ہو، اور میاں اس سے حصہ نہ لے۔ میدان جنگ میں ایک گھرانا جو توپوں، گولوں، بموں کا ہدف بن رہا ہے، اسکے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا، کہ اس گھر کا مالک اس مصیبت کا شکار ہے، اصل تو یہی ہے۔ کہ وہ سارا خاندان، وہ سارا کنبہ، وہ سارے افراد جو ایک سلک میں منسلک ہوتے ہیں، شکار ہوتے ہیں۔ بالکل اسی طرح جب ایک نبی کسی ابتلاء میں ڈالا جاتا ہے۔ جب اس کی رُوح خدا

کے حضور عاجزی کر رہی ہوتی ہے۔ جب وہ پانی کی طرح اسکے آستانہ پر بہہ رہا ہوتا ہے۔ تو اس کے بیوی، بچے بشرطیکہ وہ اس سے راستبازی کا تعلق رکھتے ہوں، برابر کے شریک ہوتے ہیں۔ وہی نہیں، بلکہ وہ لوگ جو اس پر ایمان رکھتے ہیں، وہ بھی برابر کے دُکھ اور سُکھ میں شریک ہوتے ہیں۔ جیسے حضرت داؤدؑ کہتے ہیں:۔

"اے خدا ربّ الافواج وہ جو تیرا انتظار کرتے ہیں۔
وہ میرے لئے شرمندہ نہ ہوں۔ وہ جو تجھکو ڈھونڈتے
ہیں۔ وہ میرے لئے ندامت نہ اُٹھائیں۔"

پس یہ ایک اصل الاصول ہے۔ کہ جب کسی ایسی تکلیف کا اظہار کیا جائے جسمیں حضرت اقدسؑ تکلیف میں مبتلا ہوں۔ تو جان لینا چاہیئے۔ کہ انکی وفاشعار بیوی جو خدا نے خود بطور ایک نعمت کے دی تھی۔ جس کی وفاشعاری خدیجہؓ کی طرح تھی۔ جس کے بطن سے موعود اور مبشّر اولاد دیئے جانیکے وعدے دیئے گئے تھے۔ جس کے بطن سے ایسا عظیم الشان بچہ پیدا ہُوا۔ جیسے بشیر اوّل تھا۔ پھر اس کی وفات ہو گئی ہو۔ اور بظاہر یہ معلوم ہوا کہ خدا کے وعدے ٹل گئے۔ اندر اور باہر لوگ بیٹھے ہوئے پھبتیاں اڑاتے ہوں۔ اور اس کے پیارے، اور نہایت ہی پیارے خاوند کے قلب پر غم واندوہ کے پہاڑ لوگوں کی تباہی کے خوف سے ٹوٹ پڑے ہوں۔ اس وفاشعار بزرگ خاتون کے قلب اور رنج کی کیا حالت ہو سکتی ہے۔ ظاہر ہے۔

پس حضرت امّ المومنین کا دُکھ بالکل وہی صورت لئے ہوئے تھا،

جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا دُکھ حالت لئے ہوئے تھا۔ اس لئے یہ سارا واقعہ جہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ثبات، استقلال، بے پناہ عشق الٰہی، وفاداری کا ثبوت ہے۔ وہاں حضرت ام المومنین کی مومنانہ شان اور عسر و یسر کی گھڑیوں میں خاوند کا مکمل ساتھ اور رضاء بالقضاء کے علاوہ خدا تعالیٰ سے سچی وفاداری کا ثبوت ہے۔

اس استقلال، اس نیکی، اس تقویٰ کا نتیجہ یہ تھا، کہ خدا تعالیٰ نے اپنا اٹل فیصلہ صادر فرمایا۔ کہ ایسی بہادر ماں کے بطن سے اور ایسے عظیم الشان باپ کے صلب سے وہ عظیم الشان بیٹا پیدا ہو،

جو مصلح موعود ہو،

اور اسکے سوا اور بھی بیٹے پیدا کئے جائیں، جوان نوروں کی تخم ریزی کریں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دیا گیا۔

اس لئے

بشیر اول کا جیسے آنا بابرکت تھا، اسی طرح اس کا جانا بھی دُنیا کے لئے بڑا ضروری تھا۔ یہ سب کچھ جو ملا وہ اسی لئے ملا، کہ مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت ام المومنین اور مومنوں کے صبر کا اجر ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ابتداء سے ہی قرآن کریم میں یہ اصول درج فرما دیا تھا۔ کہ:۔

وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ اُولٰٓئِكَ عَلَیْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ○

یہ قانونِ الٰہی ہے۔ کہ مصیبت پر صبر کرنیوالوں پر رحمت، اور فضل

کے دروازے کھولے جاتے ہیں۔ چنانچہ حضرت اقدس نے تقریر حقانی میں لکھا:-

"خدا تعالیٰ کی انزالِ رحمت اور روحانی برکت کے بخشنے کیلئے بڑے عظیم الشان دو طریقے ہیں:-

۱۔ اوّل۔ یہ کہ کوئی مصیبت اور غم واندوہ نازل کرکے صبر کرنیوالوں پر بخشش اور رحمت کے دروازے کھولے۔

۲۔ دوسرا طریق انزالِ رحمت کا ارسالِ مرسلین ونبییّن و ائمہ و اولیاء و خلفاء ہے۔ تا ان کی اقتداء و ہدایت سے لوگ راہِ راست پر آجائیں۔ اور ان کے نمونے پر اپنے تئیں بنا کر نجات پا جائیں۔ سو خدا تعالیٰ نے چاہا کہ اس عاجز کی اولاد کے ذریعے سے یہ دونوں شق ظہور میں آجائیں۔

آپؑ نے تحریر فرمایا۔ کہ:-

قسم اوّل کے انزالِ رحمت کے لئے بشیر اول بھیجا تا بَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ کا سامان مومنوں کے لئے تیار کر کے اپنی بشیریت کا مفہوم پیدا کرے۔

اور دوسری قسم رحمت کی جو ابھی ہم نے بیان کی ہے اس کی تکمیل کے لئے خدا تعالےٰ دوسرا بشیر بھیجیگا . . .

. . . . اور خدا تعالےٰ نے اس عاجز پر ظاہر کیا ہے۔ کہ ایک دوسرا بشیر تمہیں دیا جائیگا۔ جس کا نام محمود بھی ہے وہ اپنے کاموں میں اولوالعزم ہوگا یخلق اللہ مایشاء" (تقریر حقانی)

اس طرح

ایسے بیٹے کی نسبت جو اس قدر ابتلاؤں کے بعد آنیوالا تھا۔ اس کے متعلق اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔ کہ :۔

"سو تجھے بشارت ہو کہ ایک وجیہہ اور پاک لڑکا تجھے دیا جائیگا ایک زکی غلام (لڑکا) تجھے ملیگا سو وہ لڑکا تیرے ہی تخم سے تیری ہی ذرّیت سے ہوگا۔

اس کیساتھ فضل ہے۔ جو اسکے آنے کیساتھ آئیگا۔ وہ صاحب شکوہ اور عظمت اور دولت ہوگا۔ وہ دُنیا میں آئیگا۔ اور اپنے مسیحی نفس اور رُوح الحق کی برکت سے بہتوں کو بیماریوں سے صاف کریگا۔ وہ کلمۃ اللہ ہے کیونکہ خدا کی رحمت و غیوری نے اسے کلمہ تمجید سے بھیجا ہے۔ وہ سخت ذہین اور فہیم ہوگا۔ اور دل کا حلیم۔ اور علوم ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائیگا۔ اور وہ تین کو چار کرنیوالا ہوگا۔ دوشنبہ ہے مبارک دوشنبہ۔ فرزند دلبند گرامی ارجمند۔ مظہر الاوّل و الآخر۔ مظہر الحق والعلاء کان اللہ نزل من السّمآء۔ جسکا نزول بہت مبارک اور جلال الٰہی کے ظہور کا موجب ہوگا۔ نور آتا ہے نور۔ جس کو خدا تعالےٰ نے اپنی رضا مندی کے عطر سے ممسوح کیا۔ ہم اس میں اپنی رُوح ڈالیں گے۔ اور خدا کا سایہ اسکے سر پر ہوگا۔ وہ جلد جلد بڑھے گا، اور اسیروں کی رُستگاری کا موجب ہوگا۔ اور زمین کے کناروں تک شہرت پائیگا اور

قومیں اس سے عظمت پائیں گی۔" (تذکرہ ص ۱۴۱، ۱۴۲)

پھر دوسری جگہ فرمایا :-

"ہمیں اس رشتہ کی درخواست کی کچھ ضرورت نہ تھی سب ضرورتوں کو خدا تعالیٰ نے پورا کر دیا تھا۔ اولاد بھی عطاء کی۔ اور ان میں سے وہ لڑکا بھی جو دین کا چراغ ہو گا۔ بلکہ ایک اور لڑکے کا قریب مدت تک وعدہ دیا جس کا نام محمود احمد ہو گا۔ اور اپنے کاموں میں اولوالعزم ہو گا۔"

(اشتہار ۱۰ ر جولائی ۱۸۸۸ء)

پھر تحریر فرمایا :-

"میرا پہلا لڑکا زندہ موجود ہے۔ جس کا نام محمود ہے۔ ابھی وہ پیدا نہیں ہوا تھا۔ جو مجھے کشفی طور پر اسکے پیدا ہونے کی خبر دی گئی۔ اور میں نے مسجد کی دیوار پر اس کا نام لکھا ہوا پایا۔

محمود

(تذکرہ ص ۱۶۴)

پھر تحریر فرمایا :-

"دوسرا لڑکا جسکی نسبت الہام نے بیان کیا، کہ دوسرا بشیر دیا جائیگا، جس کا دوسرا نام محمود ہے۔ وہ اگرچہ ابتک جو یکم دسمبر ۱۸۸۸ء ہے، پیدا نہیں ہوا۔ مگر خدا تعالیٰ کے وعدے کے موافق اپنی میعاد کے اندر ضرور پیدا ہو گا۔

زمین و آسمان ٹل سکتے ہیں۔ پر اس کے وعدوں کا ٹلنا ممکن نہیں۔ نادان اسکے الہامات پر ہنستا ہے۔

احمق اس کی پاک بشارتوں پر ٹھٹھا کرتا ہے۔ کیونکہ آخری دن اس کی نظر سے پوشیدہ ہے۔ اور انجام کار اس کی آنکھوں سے پوشیدہ ہے۔

(سبز اشتہار ص حاشیہ)

پھر تحریر فرمایا :۔

"جب وہ روشنی آئیگی، تو ظلمت کے خیالات کو بالکل سینوں اور دلوں سے مٹا دے گی" پھر فرمایا :۔

"اے وے لوگو جنہوں نے ظلمت کو دیکھ لیا، حیرانی میں مت پڑو۔ بلکہ خوش ہو۔ اور خوشی سے اچھلو۔ اس کے بعد اب روشنی آئے گی" (سبز اشتہار ص۱۷)

پھر تحریر فرمایا :۔

"اور یہ دھوکہ نہیں کھانا چاہیئے کہ جس پیشگوئی کا ذکر ہوا ہے وہ مصلح موعود کے حق میں ہے۔ کیونکہ بذریعہ الہام صاف طور پر کھل گیا ہے۔ کہ یہ سب عبارتیں پسر متوفی کے حق میں ہیں۔ اور مصلح موعود کے حق میں جو پیشگوئی ہے۔ وہ اس عبارت سے شروع ہوتی ہے۔ کہ اس کیساتھ فضل ہے، جو اسکے آنے کے ساتھ آئیگا۔ پس مصلح موعود کا نام نامی الہامی عبارت میں فضل رکھا گیا۔ نیز دوسرا نام اس کا محمود اور تیسرا نام بشیر ثانی۔ اور ایک الہام میں اس کا نام فضل عمر ظاہر کیا گیا ہے۔ اور ضرور تھا، کہ اس کا آنا معرض التوا میں رہتا جبتک یہ بشیر جو فوت ہو گیا ہے پیدا ہو کر پھر واپس نہ

اٹھایا جاتا۔ کیونکہ یہ سب امور حکمتِ الٰہیہ نے اس کے قدموں کے نیچے رکھے تھے۔ اور بشیر اول جو فوت ہو گیا ہے۔ بشیر ثانی کے لئے بطور ارہاص تھا۔ اس لئے دونو کا ایک ہی پیشگوئی میں ذکر کرا گیا۔" (سبز اشتہار مٹ حاشیہ)

پھر تحریر فرمایا۔ ایک الہام میں اس دوسرے فرزند کا نام بھی بشیر رکھا۔ چنانچہ فرمایا:-

"ایک دوسرا بشیر تمہیں دیا جائے گا۔

یہ وہی بشیر ہے۔ جس کا دوسرا نام محمود ہے۔ جس کی نسبت فرمایا کہ وہ اولو العزم ہوگا اور حسن و احسان میں تیرا نظیر ہوگا یخلق اللہ ما یشاء۔" (مکتوب ۴ر دسمبر بنام حضرت خلیفۃ المسیح اول)

پھر تحریر فرمایا:-

"وہ اولوالعزم ہوگا۔ اور حسن و احسان میں تیرا نظیر ہوگا وہ قادر ہے۔ جس طور سے چاہتا ہے۔ پیدا کرتا ہے۔"

(اشتہار تکمیل تبلیغ ۱۲ر جنوری ۱۸۸۹ء)

پھر تحریر فرمایا:-

"مجھے ایک خواب میں اس مصلح موعود کی نسبت زبان پر یہ شعر جاری ہوا تھا۔

اے فخرِ رسل قربِ تو معلومم شد ٭ دیر آمدہ ز رہِ دور آمدہ

یہ تمام حوالہ جات جو میں نے ایک جگہ جمع کر دیئے ہیں۔ اس بیٹے کی عظمت کو واضح کرتے ہیں۔ جو بشیر اول کے بعد آنیوالا تھا۔ چنانچہ ۱۲ر جنوری ۱۸۸۹ء مطابق ۹ر جمادی الاول ۱۳۰۶ھ ہجری بروز شنبہ وہ عظیم الشان موعود بیٹا، جو اصلاحِ خلق کے لئے مصلح موعود بنا کر بھیجا جانا مقصود تھا، پیدا ہو گیا۔ یہ وہ شخص تھا، جو

فضل تھا، عمر تھا، محمود تھا، بشیر تھا، حُسن و احسان میں مسیح موعودؑ کی نظیر تھا۔ یہ وہی انسان تھا جس کا نام روشنی رکھا گیا۔ اس کی آمد پر خوشی سے اچھلنے کے لئے کہا گیا۔ یہ ہی وہ شخص تھا، جس کے آنے سے پہلے شدید زلزلے آئے۔ اور دُنیا ہلائی گئی۔ یہی وہ شخص تھا، جو فخرِ رسل کہلایا۔ اور اس کی آمد پر کہا گیا ؎

دیر آمدہ زِ رہِ دور آمدہ

یہ وہی شخص تھا، جو مسیح موعود علیہ السلام کی سچائی کی ایک دلیل تھا۔ اور آپؑ کے تخم اور آپؑ کی ذریت سے تھا۔

یہی وہ شخص تھا جس کی خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی۔ اور یہی وہ شخص تھا، جس کی آمد کی خبر صلحاءِ امت دیتے چلے آئے تھے۔ یہی وہ شخص تھا جس کی آمد ایسی اٹل تھی، کہ زمین و آسمان ٹل سکتے تھے، مگر اس کی آمد ٹل نہیں سکتی تھی۔ اتنی شان، اتنی عظمت، اتنی خوبیوں کا انسان ۱۲؍جنوری ۱۸۸۹ء کو پیدا ہو گیا۔ یہ سب اس لئے ہوا "تا اسلام کا شرف اور کلام اللہ کا مرتبہ ظاہر ہو۔ تا حق اپنی تمام برکتوں کے ساتھ آجائے۔ اور باطل اپنی تمام نحوستوں کے ساتھ بھاگ جائے۔ تا لوگ سمجھیں۔ کہ مَیں قادر ہوں۔ جو چاہتا ہوں کرتا ہوں۔ اور تا وہ یقین لائیں۔ کہ مَیں تیرے ساتھ ہوں"

پس

یہ اسلام کی صداقت کے لئے، رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی صداقت، قرآن کریم کی صداقت اور خود خدا تعالےٰ کی صداقت کے لئے ضروری تھا۔

مصلح موعود کی جس قدر علامتیں اللہ تعالےٰ نے بیان فرمائی تھیں وہ سب حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح ثانی میں پائی گئیں۔ ان کی تفصیل مَیں اسجگہ نہیں دے سکتا۔ یہ تفصیلی بحث خود سیرۃ امیر المومنین میں آجائیگی۔

مگر یہاں ایک شک کا ازالہ کر دینا ضروری ہے۔ حضرت اقدسؑ نے ایک مکتوب گرامی میں تحریر فرمایا:۔

"کہ اس عاجز پر ظاہر کیا گیا تھا۔ کہ ایک فرزند قوی الطاقتین کامل الظاہر والباطن تمکو عطا کیا جائے گا۔"

یہاں تک تو پیشگوئی کے الفاظ ہیں۔ اس کے آگے حضرت اقدسؑ تحریر فرماتے ہیں۔ کہ:۔

"اب تک میرا قیاسی طور پر یہی خیال تھا۔ کہ شائد وہ فرزندِ مبارک اسی اہلیہ سے ہوگا۔ اب زیادہ تر الہام اس بات میں ہو رہے ہیں۔ کہ عنقریب ایک اور نکاح تمہیں کرنا پڑیگا اور جناب الٰہی میں یہ بات قرار پا چکی ہے۔ کہ ایک پارسا طبع اور نیک سیرت اہلیہ تمہیں عطا ہوگی وہ صاحب اولاد ہوگی۔"

(مکتوب مورخہ ۸ جون ۱۸۸۶ء بنام حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ)

اس خط سے جو حضرت اقدسؑ نے ایک اور نکاح کا ذکر فرمایا۔ تو یہ بات کمزور ایمان لوگوں کے لئے ٹھوکر کا پتھر بن گئی۔ ان کی طبیعت میں جو کجی تھی، وہ سامنے پہاڑ بنکر کھڑی ہوگئی۔ اور ان لوگوں نے شور مچانا شروع کیا۔ کہ دیکھئے واضح ہوگیا کہ اس بی بی کے بطن سے تو وہ مصلح موعود پیدا ہی نہیں ہو سکتا۔

یہ شیطانی وسوسہ تھا۔ خدا تعالےٰ نے جس چیز کو اٹل قرار دیا تھا وہ کیسے ٹل سکتی ہے۔ خدا تعالےٰ نے تو ایک نور بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ اور یہ لوگ اپنی اپنی بولیاں بول کر اس نور کے راستے میں روک بننا چاہتے ہیں۔ یہ ایسی ہی بات ہے۔ کہ مہ نور مے فشاند و سگاں بانگ مے زنند۔

حالانکہ

انہوں نے کہا۔ کہ دیکھئے! اس بیوی کے متعلق حضرت لکھتے ہیں :۔

"کہ اب تک میرا قیاسی طور پر یہی خیال تھا۔ کہ شاید وہ فرزند مبارک اسی اہلیہ سے ہوگا۔"

مگر جب قدرت الہٰی نے وہ دوسری بیوی جس کے متعلق ان لوگوں نے امیدیں لگائی ہوئی تھیں حضورؑ کے نکاح میں لانی پسند نہ کی، خواہ اس کے اسباب کچھ ہی ہوں، تو کیا اسکے معنے یہ ہوں گے، کہ اب مصلح موعود کا ظہور میں آنا ہی جاتا رہا، اور وہ ساری پیشگوئیاں منسوخ ہوگئیں۔

اگر ایسا تسلیم کر لیا جائے۔ تو پھر بتلاؤ، کہ وہ تحدیاں کہاں جائیں گی۔ اور پھر خدا تعالےٰ کا روشن چہرہ لوگوں کو نظر آنیکی بجائے لوگوں کی آنکھوں سے پوشیدہ نہ ہو جائیگا؟

جس طرح بشیر اول جسکے متعلق خیال کیا گیا تھا۔ کہ وہ مصلح موعود ہوگا؛ مصلح موعود نہ تھا۔ اسی طرح کسی اور بیوی کا جب وجود ہی ظہور میں نہیں آیا، تو اب کونسی بات حجاب کی رہی۔ یہ چمکدار نشان خود بخود پوری آب و تاب کیساتھ نظر آنے لگتا۔ خدا نے سب روکوں کو خود دُور کر دیا۔ بشیر اول کے متعلق شبہ تھا۔ مگر خدا تعالےٰ نے اس شبہ کو دور کرنے کے لئے اُسے واپس بلا لیا۔ پھر صاحبزادہ میرزا مبارک احمدؐ صاحبؓ کے متعلق بھی ایسا ہی خیال پیدا ہوا۔ مگر خدا تعالےٰ نے صاحبزادہ مبارک احمدؐ کو بھی واپس بلا لیا پھر ایک شبہ یہ پیدا ہوا کہ شائد کسی اور بیوی سے پیدا ہوگا۔ وہ بیوی ہی حضورؑ کے گھر میں نہ آئی۔ اب اس کے سوا کیا چارہ ہے۔ کہ اسی بیوی کے بطن سے اس کے زندہ رہنے والے بچوں میں اس مصلح موعود کو تلاش کریں۔ یہ

بالکل ایسی بات ہے۔ کہ جیسے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے لیلۃ القدر کی نسبت فرمایا۔ کہ اسے رمضان میں تلاش کرو۔ پھر فرمایا آخری عشرہ میں تلاش کرو۔ پھر فرمایا۔ آخری تین دنوں میں تلاش کرو۔ بالکل اسی طرح مصلح موعود کے ساتھ جو مشتبہات لگے ہوئے ہیں۔ وہ اس لئے کہ مومنوں کے ایمان کی پرکھ ہو سکے۔ ورنہ بشیر اول کے بعد دیا جانیوالا لڑکا جس کا نام محمود رکھا گیا۔ جو مقام خلافت پر فائز ہوا۔ جیسے آپ نے دوسرے طریق انزال رحمت میں تحریر فرمایا تھا۔ جو حسن و احسان میں آپ کی نظیر ہے۔ جو روشنی ہے۔ جس کیوجہ سے ظلمتیں دُور ہو گئیں۔ حجاب پھٹ گیا۔ اور اسلام کا نیر اعظم چمکتا ہوا ہمارے سروں پر آگیا۔ جو آپ کی نسل، آپ کی ذریت اور آپ کے تخم سے ہے۔ اس کے بعد جسقدر تاویلیں کی جا رہی ہیں، سب غلط، جھوٹی اور بودی ہیں۔ اب دُنیا میں کوئی محمدی بیگم نہیں، مگر نصرت جہان بیگم۔ اب دُنیا میں کوئی ایسی عورت نہیں، جو مصلح موعود کی ماں کہلائے، مگر ام المومنین۔ اب کسی عورت کو یہ فخر حاصل نہ ہوگا۔ کہ وہ مسیح موعودؑ کے لئے نوروں کی تخم ریزی کرنیوالی اولاد پیدا کرے۔ سوائے حضرت ام المومنین کے۔ اب کوئی عورت خدیجہ ثانیہ نہیں کہلائیگی، مگر یہی مومنوں کی ماں۔

پس کون ہے، اسکی شان کی مزاحمت کرنیوالا! یہی وہ خاتون تھی، جو اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کیلئے بطور ایک نعمت کے بھیجی تھی۔ اور اس نعمت کا شکر کرنے کا حکم دیا تھا۔

اس طرح میرے نزدیک مصلح موعود کا مسئلہ بالکل صاف ہو جاتا ہے۔

الغرض

آپ ان تمام صفات کیساتھ ۱۲ جنوری ۱۸۸۹ء کو پیدا ہوئے۔ اور ماں اور

باپ کی آنکھوں کا نور بنکر پروان چڑھتے رہے۔ اور بالآخر آپ تمام خوبیوں کے ساتھ ۱۴ مارچ ۱۹۱۴ء کو جماعت احمدیہ کے امام منتخب ہوئے۔ اور خلیفۃ المسیح ثانی مقرر ہوئے۔ اللہ تعالیٰ حضور کی زندگی میں بڑی برکت عطا فرمائے۔ اور سلسلہ کو آپ کے ہاتھ پر تمام برکتوں کا وارث بنائے۔ آمین۔

آپ کی ولادت ہفتہ سے پہلی رات کو دس بارہ بجے ہوئی۔
(سیرۃ المہدی حصہ دوم صفحہ ۵)

صاحبزادی شوکت

(۴)

حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح ثانی کی پیدائش کے بعد ۱۸۹۱ء میں صاحبزادی شوکت پیدا ہوئی۔

اس صاحبزادی کی پیدائش بروز پیر ۴ بجے شام کے وقت ہوئی۔ اور ۱۸۹۲ء میں فوت ہو گئی۔ یہ معصوم صاحبزادی اس پیشگوئی کے مطابق کہ "بعض ان میں سے کم عمری میں فوت ہوں گے" (تذکرہ صفحہ ...) کم عمری میں فوت ہو گئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۝

حضرت صاحبزادہ میرزا بشیر احمد صاحب ایم۔ اے

(۵)

حضرت امّ المومنین کی پانچویں اولاد حضرت صاحبزادہ میرزا

بشیر احمدؐ صاحب ایم - اے ہیں - آپ کی ولادت باسعادت ۱۲ ر اپریل ۱۸۹۳ء جمعرات کی صبح کو بعد طلوع آفتاب ہوئی - آپ کی پیدائش اس پیشگوئی کے ماتحت ہوئی - کہ :-

"اور اس سے وہ اولاد پیدا کرے جو ان نوروں کو جن کی میرے ہاتھ سے تخمریزی ہوئی ہے ، دُنیا میں زیادہ سے زیادہ پھیلائے"

(تذکرہ صـ۳۷ـ)

حضرت صاحبزادہ میرزا بشیر احمدؐ صاحب کی پیدائش سے قبل آپؑ نے کتاب آئینہ کمالات اسلام میں ایک پیشگوئی شایع کی تھی - جو یوں ہے :-

"يَوْمَ يَجِيْءُ الْحَقُّ وَ يُكْشَفُ الصِّدْقُ وَ يُخْسَرُ الْخَاسِرُوْنَ - اَنْتَ مَعِيْ وَ اَنَا مَعَكَ وَلَا يَعْلَمُهَا اِلَّا الْمُسْتَرْشِدُوْنَ - نَرُدُّ اِلَيْكَ الْكَرَّةَ الثَّانِيَةَ وَ نُبَدِّلَنَّكَ مِنْ بَعْدِ خَوْفِكَ اَمْنًا - يَاْتِيْ قَمَرُ الْاَنْبِيَاءِ وَ اَمْرُكَ يَتَاَتّٰى - يَسُرُّ اللّٰهُ وَجْهَكَ وَ يُنِيْرُ بُرْهَانَكَ سَيُوْلَدُ لَكَ الْوَلَدُ وَ يُدْنٰى مِنْكَ الْفَضْلُ - اِنَّ نُوْرِيْ قَرِيْبٌ - وَ قَالُوْا اَنّٰى لَكَ هٰذَا - قُلْ هُوَ اللّٰهُ عَجِيْبٌ - وَلَا تَيْئَسْ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ - اُنْظُرْ اِلٰى يُوْسُفَ وَ اِقْبَالِهٖ - قَدْ جَآءَ وَقْتُ الْفَتْحِ وَ الْفَتْحُ اَقْرَبُ - يَخِرُّوْنَ عَلَى الْمَسَاجِدِ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا اِنَّا كُنَّا خَاطِئِيْنَ - لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ

اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ۔ اَرَدْتُ اَنْ اَسْتَخْلِفَ فَخَلَقْتُ اٰدَمَ۔ نَجِيَّ الْاَسْرَارِ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ يَوْمٍ مَّوْعُوْدٍ

یعنی اس دن حق آئے گا اور صدق کھل جائیگا۔ اور جو لوگ خسارہ میں ہیں، وہ خسارہ میں پڑیں گے۔ تو میرے ساتھ اور میں تیرے ساتھ ہوں۔ اور اس حقیقت کو کوئی نہیں جانتا مگر وہی جو رُشد رکھتے ہیں۔ ہم پھر تجھ کو غالب کریں گے۔ اور خوف کے بعد امن کی حالت عطا کر دیں گے زنبیوں کا چاند آئیگا۔ اور تیرا کام تجھے حاصل ہو جائیگا خدا تیرے منہ کو بشاش کریگا۔ اور تیرے بُرہان کو روشن کر دے گا۔ اور تجھے ایک بیٹا عطا ہو گا۔ اور فضل تجھ سے قریب کیا جائے گا۔ اور میرا نور نزدیک ہے۔ اور کہتے ہیں، کہ یہ مراتب تجھ کو کہاں؟ انکو کہہ کہ وہ خدا عجیب خدا ہے۔ اس کے ایسے ہی کام ہیں۔ جس کو چاہتا ہے، اپنے مقربوں میں جگہ دیتا ہے۔ اور میرے فضل سے نومید مت ہو۔ یوسفؑ کو دیکھ اور اس کے اقبال کو۔ فتح کا وقت آرہا ہے۔ اور فتح قریب ہے۔ مخالف یعنی جن کیلئے توبہ مقدر ہے، اپنی سجدہ گاہوں میں گریں گے۔ کہ ہمارے خدا! ہمیں بخش، کہ ہم خطا پر تھے۔ آج تم پر کوئی سرزنش نہیں، خدا تمہیں بخش دیگا۔ اور وہ ارحم الراحمین ہے۔ میں نے ارادہ کیا، کہ ایک اپنا خلیفہ زمین پر مقرر کروں، تو میں نے آدمؑ کو پیدا کیا۔ جو نجی الاسرار ہے۔ ہم نے ایسے دن اس کو پیدا کیا، جو وعدہ کا دن تھا" (تذکرہ صفحہ ۱۰۲۱)

مذکورہ بالا وحی الٰہی دسمبر ۱۸۹۲ء کی ہے۔ اس کے بعد جب ۲۰ اپریل ۱۸۹۳ء کو حضرت میرزا بشیر احمد صاحب پیدا ہوئے، تو اسی تاریخ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک اشتہار میں مندرجہ بالا پیشگوئی کے پورا ہونیکا اعلان فرمایا چنانچہ حضور تحریر فرماتے ہیں :۔

(۲)

"۲۰ اپریل ۱۸۹۳ء سے چار مہینے پہلے صفحہ ۲۶۶ آئینہ کمالات اسلام میں بقید تاریخ شایع ہو چکا ہے۔ کہ خدا تعالیٰ نے ایک اور بیٹے کا اس عاجز سے وعدہ کیا ہے۔ جو عنقریب پیدا ہوگا ....

.... سو آج ۲۰ اپریل ۱۸۹۳ء کو وہ پیشگوئی پوری ہوگئی"۔

(اشتہار ۲۰ اپریل ۱۸۹۳ء)

اس پیش گوئی میں قمر الانبیاء سے مراد حضرت میرزا بشیر احمد صاحب ہیں۔ علاوہ اس پیشگوئی کے قمر الانبیاء کے متعلق ۱۰ دسمبر ۱۸۹۲ء کو دوسری مرتبہ پیشگوئی فرمائی، جو تذکرہ صفحہ ۲۱۴ پر موجود ہے۔ اور تیسری مرتبہ تذکرہ صفحہ ۲۶۵ پر درج ہے۔

حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۱۷ پر اس پیشگوئی کے پورا ہونیکو حضرت اقدس نے اپنا پینتیسواں نشان قرار دیا ہے۔ چنانچہ حضور تحریر فرماتے ہیں :۔

(۳)

"پینتیسواں نشان یہ ہے۔ کہ پہلا لڑکا محمود احمد پیدا ہونیکے بعد میرے گھر میں ایک اور لڑکا پیدا ہونیکی خدا نے مجھے بشارت دی، اور اس کا اشتہار بھی لوگوں میں شایع کیا گیا چنانچہ دوسرا لڑکا پیدا ہوا۔ اور اس کا نام بشیر احمد رکھا گیا"۔

علاوہ ازیں مندرجہ ذیل رؤیا اور الہام میں بھی آپ کا ذکر ہے۔ حضورؑ نے ایک رؤیا میں دیکھا۔ کہ :۔

(۴)

"بشیر احمدؓ کھڑا ہے۔ اور وہ ہاتھ سے شمال مشرق کیطرف اشارہ کر کے کہتا ہے۔ کہ زلزلہ اس طرف چلا گیا۔" (تذکرہ صـ۶۶۲)

اس رؤیا کے مطابق جنوری ۱۹۳۴ء میں ایک زبردست زلزلہ علاقہ بہار (ہندوستان) میں آیا۔ اور اس نشان کے ظہور کی اشاعت کا شرف بھی حضرت میرزا بشیر احمد صاحب کو ہی حاصل ہوا۔ چنانچہ آپ نے ایک رسالہ "ایک اور تازہ نشان" کے عنوان سے تصنیف کر کے شائع فرمایا۔

(۵)

حضرت میاں بشیر احمد صاحب کی بچپن میں آنکھیں دُکھتی رہتی تھیں۔ پلکیں گر گئی تھیں، اور پانی بہتا رہتا تھا۔ حضرت اقدسؑ کے آپ کے لیے دُعا کی تو الہام ہوا :۔

"بَرَّقَ طِفْلِی بَشِیْر"

یعنی میرے لڑکے بشیر احمد کی آنکھیں اچھی ہو گئیں۔ اس سے قبل کئی سال انگریزی اور یونانی علاج کئے گئے تھے۔ مگر فایدہ نہ ہوتا تھا۔" (تذکرہ صـ۳۱۵)

ان الہامات سے آپ کی عظمت اور آپ کے مقام کا بآسانی پتہ چل سکتا ہے۔ آپ کا وجود سلسلہ کے لئے بڑا بابرکت ہے۔ سلسلہ کی اہم ترین نظارت تعلیم و تربیت کی نگرانی کا کام آپ کے سپرد سالہا سال رہا۔ آپ نے متعدد اہم ترین کتابیں تصنیف فرمائیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کی خلافت کے بعد

اخبار الفضل کی ایڈیٹری کے فرائض بھی سر انجام دیتے رہے۔ مدرسہ تعلیم الاسلام میں ابتدائی زمانہ میں بچوں کی اعلیٰ تعلیم، اعلیٰ ورزش اور اعلیٰ اخلاقی تربیت کے لئے جانفشانی سے کام کرتے رہے۔ مدرسہ احمدیہ کی ہیڈ ماسٹری، سالانہ جلسہ کی افسری اور اس طرح کی بے شمار خدمات آپ کے ذریعہ سے سر انجام ہوئیں۔ انگریزی ریویو کی ایڈیٹری کی خدمت بھی ایک عرصہ تک آپ کے سپرد رہی۔ الغرض آپ کا ایک ایک لمحہ، ایک ایک منٹ خدمتِ سلسلہ کے لئے نہایت سرشاری سے لگا ہوا ہے۔ آپ نہایت معاملہ فہم، مدبّر اور حکیم انسان ہیں۔ اللہ تعالےٰ آپ کی زندگی میں برکت پر برکت ڈالے۔ آمین۔

حضرت میرزا شریف احمدؐ صاحب

(۶)

آپ کی پیدائش کی خبر آپؑ نے بذریعہ وحی الٰہی قبل از وقت دی۔ اس پیشگوئی کے موافق آپ ۲۴ ؍ مئی ۱۸۹۵ء مطابق ۲۷ ؍ ذیقعدہ ۱۳۱۲ھ ہجری کو پیدا ہوئے۔ آپ کی پیدائش کا دن جمعرات تھا، اور آپ بعد طلوعِ آفتاب پیدا ہوئے۔

(جنتری کی رُو سے یہ تاریخ ۲۴ ؍ نہیں ملتی، بلکہ ۲۳ ؍ بنتی ہے۔ کیونکہ جمعرات اور ۲۷ ؍ ذیقعدہ ۲۳ ؍ تاریخ کو ہی واقع ہوا تھا۔ محمود احمد عرفانی)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تیسرے لختِ جگر حضرت میرزا شریف احمد صاحب ہیں۔ ان کی نسبت حضرت اقدسؑ نے حقیقۃ الوحی میں یوں تحریر فرمایا:۔

"چھتیسواں نشان یہ ہے، کہ بشیر احمدؐ کے بعد ایک اور لڑکا
پیدا ہونیکی خدا نے مجھے بشارت دی۔ چنانچہ وہ بشارت
بھی بذریعہ اشتہار لوگوں میں شائع کی گئی۔ بعد اس کے
تیسرا لڑکا پیدا ہوا، اور اس کا نام شریف احمدؐ رکھا گیا۔"

حضرت میرزا شریف احمدؐ صاحب کی نسبت بھی متعدد الہامات حضور نے شائع فرما چکے ہیں۔ جن میں سے بعض الہامات درج کرتا ہوں۔

(۱)

"اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ

یعنی ہم تجھے ایک لڑکے کی خوشخبری دیتے ہیں۔" (انوار الاسلام صفحہ ۳۲ حاشیہ)

پھر دوسری جگہ تحریر فرمایا:—

"ہمیں خدا تعالیٰ نے عبد الحق کی یاوہ گوئی کے جواب میں بشارت دی تھی، کہ تجھے ایک لڑکا دیا جائے گا۔ جیسا کہ ہم اس انوار الاسلام میں اس بشارت کو شائع بھی کر چکے ہیں۔ سو الحمد للہ والمنۃ کہ اس الہام کے مطابق ۲۷ ذیقعدہ ۱۳۱۲ھ ہجری مطابق ۲۴ مئی ۱۸۹۵ء میں میرے گھر میں لڑکا پیدا ہوا جس کا نام شریف احمدؐ رکھا گیا۔" (ٹائٹیل ضیاء الحق صفحہ آخر)

(۲)

"جب یہ پیدا ہوا تھا، اس وقت عالم کشف میں ایک ستارہ دیکھا تھا، جس پر لکھا تھا،

مُعَمَّرُ اللهِ

(۳)

حضرت اقدسؑ فرماتے ہیں کہ:۔

"شریف احمدؐ کو خواب میں دیکھا۔ اس نے پگڑی باندھی ہوئی ہے، اور دو آدمی پاس کھڑے ہیں۔ ایک نے شریف احمد کی طرف اشارہ کر کے کہا،

وہ بادشاہ آیا

دوسرے نے کہا، ابھی تو اس نے قاضی بننا ہے۔" (تذکرہ صفحہ ۶۷۱)

فرمایا:۔

"قاضی کو حَکَم بھی کہتے ہیں۔ قاضی وہ ہے جو تائیدِ حق کرے اور باطل کو رد کرے۔"

(۴)

ایک کشف

فرمایا:۔ "چند سال ہوئے، ایک دفعہ عالمِ کشف میں اسی لڑکے شریف احمدؐ کے متعلق کہا تھا، کہ

اب تو ہماری جگہ بیٹھ اور ہم چلتے ہیں۔" (تذکرہ صفحہ ۶۷۱)

(۵)

ایک دفعہ صاحبزادہ میرزا شریف احمد کی بیماری کی حالت میں حضرت اقدسؑ کو حسبِ ذیل الہام ہوئے

(۱) عُمَّرَہُ اللّٰہُ خِلَافَ التَّوَقُّعِ

(۲) اَمَّرَہُ اللّٰہُ خِلَافَ التَّوَقُّعِ

(۳) مُرَادُکَ حَاصِلٌ

(۴) اَللّٰهُ خَیْرٌ حَافِظًا وَّھُوَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْن

(تذکرہ صفحہ ۶۶۶)

ان الہامات سے حضرت میاں شریف احمدؐ صاحب کے متعلق پوری روشنی پڑتی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کتنا بڑا مقام عزت دیا ہوا ہے۔

نوّاب مُبارکہ بیگم صاحبہ

(۷)

حضرت ام المومنین کی ساتویں اولاد حضرتہ علیا صاحبزادی نواب مبارکہ بیگم وام اقبالہا ہیں۔ آپ کی پیدائش ۱۸۹۷ء میں ہوئی۔ آپ منگل سے پہلی رات کے نصف اوّل میں پیدا ہوئی تھیں۔

حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کی شادی حضرت نواب محمد علی خانصاحب رئیس آف مالیر کوٹلہ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خود فرمائی تھی۔ نواب صاحب موصوف کی اس قربانی کیوجہ سے، جو انہوں نے احمدیت کے قبول کرنے میں پیش کی، اللہ تعالیٰ نے ان کو حُجّۃ اللہ کا معزز خطاب عطا فرمایا۔

نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حسب ذیل الہامات ہیں:-

(۱)

"سینتیسواں نشان یہ ہے، کہ بعد اس کے حمل کے ایام میں ایک لڑکی کی بشارت دی، اور اس کی نسبت فرمایا۔

تُنَشَّاءُ فِی الْحِلْیَۃِ

یعنی زیور میں نشوونما پائے گی، نہ خورد سالی میں فوت ہوگی اور

نہ تنگی دیکھیگی، چنانچہ بعد اس کے لڑکی پیدا ہوئی، جس کا نام مبارکہ بیگم رکھا گیا۔ اس کی پیدائش سے جب سات روز گذرے۔ تو عین عقیقہ کے دن یہ خبر آئی، کہ پنڈت لیکھرام پیشگوئی کے مطابق کسی کے ہاتھ سے مارا گیا۔ تب ایک ہی وقت میں دو نشان پورے ہوئے"

(حقیقۃ الوحی صـ۲۲۱)

(۲)

فرمایا:۔ "میں نے خواب میں دیکھا، کہ مبارکہ پنجابی میں بول رہی ہے کہ مینوں کوئی نہیں کہہ سکتا۔ کہ ایسی آئی جس نے ایہہ مصیبت پائی۔"

(الحکم ۱۰ر جون ۱۹۰۳ء)

حضرت مبارکہ بیگم کے متعلق الہام ہوا:۔

"نواب مبارکہ بیگم"

صاحبزادہ مبارک احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۸)

آپؓ آٹھویں بچے تھے، جو حضرت ام المومنین کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔ آپؓ کی پیدائش ۱۸۹۹ء میں ہوئی۔ اور آپؓ ۱۹۰۷ء میں فوت ہو گئے۔

آپؓ کے متعلق بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا خیال تھا۔ کہ ممکن ہو کہ یہی وہ خاص لڑکا ہو، کیونکہ ان کی پیدائش سے تین چار ہو گئے۔

آپؓ بدھ کے دن سہ پہر کو پیدا ہوئے۔ صاحبزادہ مبارک احمدؓ کے متعلق ایک الہام یہ بھی تھا:۔

اِنِّیْ اَسْقَطُ مِنَ اللّٰہِ وَ اُصِیْبُہٗ

اس کا مطلب یہی تھا۔ کہ وہ خدا کی طرف سے آیا ہے۔ اور جلد خدا کی طرف چلا جائیگا۔ پھر یہ بھی الہام ہوا تھا اِنِّیْ مَعَ اللّٰہِ فِیْ کُلِّ حَالٍ۔

صاحبزادہ مبارک احمدؓ کی بیماری میں حضرت اقدسؑ کی ساری توجہ اس کے علاج اور اس کی تیمارداری کی طرف لگی ہوئی تھی۔

مگر

اسکی وفات پر حضرت اقدسؑ نے اور حضرت اُمّ المومنین نے جو نمونہ صبر اور رضاء بالقضاء کا دکھایا اس کی مثال نہیں ملتی۔

ایک الہام تھا:۔

"ہے تو بھاری مگر خدائی امتحان کو قبول کر۔" (تذکرہ ۶۲۹)

پھر کئی دفعہ الہام ہوا:۔

"اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَہْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَہِّرَکُمْ تَطْہِیْرًا (تذکرہ ۲۷)

پھر اہل بیت کو مخاطب کرکے الہام ہوا:۔

"یَا اَیُّہَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ (تذکرہ صفحہ ۶۸)

یہ الہامات جو صاحبزادہ مبارک احمد کی وفات سے قبل ہو رہے تھے انکی دو غرضیں تھیں:۔

اوّل۔ اہل بیت کو اس حادثہ فاجعہ کے لئے تیار کرنا تھا۔ اور ان سے ایک قسم کی ہمدردی اور تعزیت کرنا مقصود تھا۔

دوسرے۔ اس واقعہ سے اہل بیت کے مدارج بلند کرنا مقصود تھا۔

یہ ایسی بات تھی، کہ جیسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے والد ماجد کی وفات سے قبل الطارق و ما الطارق کا الہام نازل ہوا۔ اور اس میں اس حادثہ کی طرف اشارہ کرکے آپ سے تعزیت کی گئی تھی۔

انما یرید عنکم الرجس اہل البیت و یطھرکم تطھیرا کا الہام چار مرتبہ ہوا۔ حضرت اقدس نے جو اسوقت تقریر فرمائی اس میں اس الہام کا ذکر فرمایا۔ اور فرمایا:۔

"کہ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ عورتوں کے لئے یہ بڑا تطہیر کا موقعہ ہے۔ ان کو بڑے بڑے تعلقات ہوتے ہیں۔ اور ان کے ٹوٹنے سے رنج بہت ہوتا ہے۔"

بعض ایسے لوگوں نے جن کی طبائع میں میل اور کجی تھی، انہوں نے اس الہام کے یہ معنے کئے۔ کہ خدا تعالیٰ تو تم کو رجس سے پاک کرنا چاہتا ہے۔ مگر تم نے اپنے عمل سے یہ ثابت کردیا۔ کہ تم اس کے اہل نہیں۔ کسقدر ظلم ہے کسقدر بددیانتی ہے۔ کسقدر بے حیائی ہے۔ کہ خدا تعالےٰ کے کلام کے وہ معنے کئے جائیں، جو محض خدا کی مخلوق کو دھوکہ دینے کا باعث ہوں اور دینِ الٰہی سے دُور لیجانے کا باعث ہوں۔ خدا کا رسولؑ تو یہ معنے کرے کہ ماں کے قلب میں جو بچوں کی محبت ہوتی ہے، وہ اس مقام کے لحاظ سے جو خدا تعالیٰ سے صفائی، عشق، طہارت، پاکیزگی کیوجہ سے انبیاءؑ اور ان کے اہلبیت کو حاصل ہوتا ہے، کہ اس میں اولاد کی محبت کا غلبہ بھی رجس ٹھہر جاتا ہے۔ اس لئے خدا تعالےٰ نے چاہا، کہ وہ حضرت ام المومنین کو اپنے اس مقامِ رضاؑ پر دیکھے، جس مقام پر حضرت مسیح موعودؑ خود کھڑے تھے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مقام تو یہ تھا، کہ مبارک احمدؑ فوت

ہوتا ہے، لوگ روتے ہیں، غمگین ہوتے ہیں، آپ ہنس ہنس کر باتیں کرتے ہیں، اور فرماتے ہیں:-

"میں اس سے بڑا خوش ہوں، کہ خدا کی بات پوری ہوئی۔"

یہ تھا اس زمانے کا راستباز نبی، جو بیٹے کے مرنے پر اپنی خوشی، اور مسرت کا اظہار کرتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ

میں بڑا خوش ہوں، کہ خدا کی بات پوری ہوئی۔

حضرت ام المومنین اس امتحان میں پوری اتریں!

مبارک احمد کی بیماری میں ماں کا دل تھا، کہ گھبرا اٹھا کرتا تھا، تو حضرت اقدس فرمایا کرتے تھے کہ "آخر نتیجہ موت ہی ہونا ہے" یا کچھ اور۔ اور فرماتے، کہ دیکھو خدا تعالے نے یہ بھی فرمایا ہے، کہ وَلَنَبْلُوَنَّكُم بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ امتحان بھی آیا کرتے ہیں۔

جب مبارک احمد کی وفات ہوئی، تو حضرت ام المومنین کی زبان سے پہلا کلمہ یہ نکلا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ کوئی نعرہ نہیں مارا۔ کوئی چیخیں نہیں ماریں۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔ کہ:-

"اس بات کی مجھے بڑی خوشی ہوئی۔"

یہ رضاء بالقضاء کا مقام تھا۔ جس پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کی خدیجہ فائز تھے۔ حضرت ام المومنین نے اس وقت فرمایا:-

"میں خدا کی تقدیر پر راضی ہوں"

جب اس طرح آپ نے اس امتحان کو قبول کر لیا۔ تو آسمان پر حضرت ام المومنین کے اس امتحان کا رزلٹ بذریعہ وحی الٰہی نازل ہوا :-

"خدا خوش ہو گیا!"

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ الہام جب حضرت ام المومنین کو سنایا۔ تو آپ نے فرمایا :-

"مجھے اس الہام سے اس قدر خوشی ہوئی ہے۔ کہ دو ہزار مبارک احمد بھی مر جاتا۔ تو میں پرواہ نہ کرتی"

لوگو! اٹھو اپنے ہاتھوں میں چراغ لے لو۔ بجلی کی بیٹریاں پکڑ لو۔ اور اگر ممکن ہو۔ تو بجلی کا کوئی سورج چڑھا دو۔ اور دنیا کا کونہ کونہ چھان مارو اور ڈھونڈو تو ماں کو جو اپنے دو ہزار فرزند کی موت کو خدا کی رضا کے مقابل بالکل ہیچ سمجھنے والی ہو۔ کیا ہر گھر میں عورتیں نہیں؟ اور کیا ہر گھر میں مائیں نہیں ہیں؟ کیا ہم میں سے ہر شخص عورت کی اس فطرت کو جو امومت اور شفقت مادری کے پیچھے چھپی ہوئی ہے، نہیں جانتے؟

کیا ہم نے بارہا نہیں دیکھا۔ کہ ایک عورت اپنے بچے کو جو بالکل لنگور یا بندر سے ملتا جلتا ہوتا ہے، اور جسے سوکے یعنی سوکھ جانے کی بیماری ہو، جس پر مکھیاں بھنبھناتی ہوں لئے پھرتی ہے۔ اور اس کی شفقت اور محبت میں ذرا فرق نہیں آتا۔

کیا اپنے بچوں کے غم میں عورتیں صدہا قسم کے دکھوں اور مرضوں میں مبتلا نہیں ہو جاتیں؟ کیا بعض ان میں سے پاگل نہیں ہو جاتیں؟ یہ سب

محبتِ مادری کے کرشمے ہیں۔

مگر

امّ المومنین نصرت جہان کے قلب میں تو ہر جگہ، ہر کونہ اور ہر گوشہ میں خدا ہی خدا بستا تھا۔ اس لئے خدا کی رضا کو ہر چیز پر قبول کر لیا۔

یہ تھی وہ حسینی رُوح جو آپ کے اندر موجود تھی، اور یہ تھی وہ صفائیِ قلب جو آپ کو حاصل تھی۔ اس لحاظ سے امّ المومنین نصرت جہان بیگم

عصرِ حاضر کی سب سے بڑی باخدا خاتون ہیں!

اور یہی وہ خاتون ہیں جن کے قلب سے ہر قسم کے غیر اللہ کی محبت سلب کر لی گئی تھی۔ اور خدا تعالےٰ نے ان کو خاص طور پر مطہر کر دیا تھا۔

اور یہی تھیں وہ خدیجہ عصرِ حاضر جسے خدا نے فرمایا

کہ میں خوش ہو گیا!

اب بتلاؤ، ان ظالموں کے لئے کوئی جگہ باقی رہ جاتی ہے جو حضرت امّ المومنین کی ان فطری استعدادوں پر اعتراض کرتے ہیں، جو آپ کے اندر موجود اولاد کے لئے ودیعت کی گئی تھیں؟

یہ خدا تعالیٰ کا قولی جواب ہے۔ اور آپ کی اولاد کا ان تمام برکات کا وارث ہو جانا، جو خدا نے اپنی پاک وحی کے ذریعے دیئے جانیکا وعدہ کیا تھا، خدا تعالےٰ کا فعلی جواب ہے۔

اس کے باوجود جو شخص کسی قسم کی جرأت و جسارت کرتا ہے یا کریگا وہ اپنے انجام کا خود ذمہ دار ہے۔

حضرت اقدس نے مبارک احمد کی وفات پر یہ تین شعر لکھے تھے، جو اب تک لوحِ مزار بنے ہوئے ہیں۔

جگر کا ٹکڑا مبارک احمد جو پاک شکل اور پاک خو تھا
وہ آج ہم سے جُدا ہُوا ہے ہمارے دل کو حزیں بنا کر
کہا کہ آئی ہے نیند مجھ کو۔ یہی تھا آخر کا قول لیکن
کچھ ایسے سوئے کہ پھر نہ جاگے تھکے بھی ہم پھر جگا جگا کر
برس تھے آٹھ اور کچھ مہینے کہ جب خدا نے اسے بُلایا
بلانیوالا ہے سب سے پیارا اسی پہ اے دل تو جاں فدا کر

صاحبزادی امۃ النصیر

(۹)

صاحبزادی امۃ النصیر آپ کی نویں اولاد تھیں۔ آپ ۱۹۰۳ء میں پیدا ہوئی تھیں۔ ان کی پیدائش پر آپؑ کو الہام ہُوا تھا:۔

"غاسق اللہِ"

چنانچہ حضرت مولوی شیر علی صاحب کی روایت ہے کہ:۔

"جس رات امۃ النصیر پیدا ہوئی ہے، حضرت صاحبؑ خود مولوی محمدؐ احسن صاحبؓ کے کمرے کے دروازے پر آئے، اور دستک دی۔ مولوی محمدؐ احسن صاحبؓ نے پوچھا کون ہے؟ حضرت صاحبؑ نے فرمایا "غلام احمد" (علیہ السلام) مولوی صاحب نے جھٹ اُٹھکر دروازہ کھولا، تو حضرتؑ

نے جواب دیا، کہ میرے ہاں لڑکی پیدا ہوئی ہے۔ اور اس کے متعلق مجھے الہام ہوا ہے، کہ غاسق اللہ۔ غاسق اللہ سے مراد یہ تھی، کہ جلد فوت ہو جانیوالی"

(سیرۃ المہدی حصہ اول صفحہ ۲۳۴ مصنفہ صاحبزادہ میاں بشیر احمد صاحب)

چنانچہ چند ماہ بعد یہ صاحبزادی فوت ہو گئی۔

صاحبزادی امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ

(۱۰)

صاحبزادی امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ ۱۹۰۴ء میں پیدا ہوئیں۔ آپ کی پیدائش پیر سے پہلی رات کو عشاء کے بعد ہوئی۔ آپ کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا الہام تھا

دخت کرام

یہ الہام الحکم اور بدر میں چھپا ہوا موجود ہے۔ حقیقۃ الوحی میں آپ نے اس نشان کو چالیسواں نشان قرار دیا ہے (صفحہ ۲۱۸)

صاحبزادی صاحبہ کی شادی خان محمد عبداللہ خان صاحب آف مالیر کوٹلہ سے ہوئی۔ اور آپ اللہ تعالیٰ کے فضل سے صاحب اولاد ہیں۔ اور ہر طرح سے فارغ البال ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان کی زندگی اور عمر میں برکت دے۔ آمین

اس طرح سے کل دس اولادیں ہوئیں، جن میں سے پانچ اللہ تعالیٰ نے چھوٹی عمر میں حسب پیشگوئی واپس بلالیں۔ جن کے نام حسب ذیل ہیں:-

عصمتؓ۔ بشیر اوّلؓ۔ شوکتؓ۔ مبارک احمدؓ۔ امۃ النصیر۔ اور جن پانچ کو خدا تعالیٰ نے ان نوروں کی تخم ریزی کے لئے لمبی عمریں عطا فرمائیں ان کے اسماء حسب ذیل ہیں :۔

حضرتؓ میرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح ثانی۔ حضرتؓ میرزا بشیر احمد صاحب۔ حضرت میرزا شریف احمد صاحب۔ حضرت نوابؓ سیدہ مبارکہ بیگم صاحبہ۔ حضرت سیدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ۔ ان کی نسبت حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے ؎

یہ پانچوں جو کہ نسل سیدہ ہیں
یہی ہیں پنج تن جن پر بنا ہے

عام طور پر لوگوں میں اس شعر کے متعلق یہی مشہور ہے۔ کہ اس شعر کی مصداق موجودہ پانچوں اولادیں ہیں۔ مگر حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب سول سرجن جنہوں نے ازراہِ شفقت وکرم بڑی توجہ سے میری اس کتاب کو دیکھا۔ اور مناسب اصلاح فرمائی ہے۔ نے اس تاریخی غلطی کی اصلاح فرمائی ہے۔ آپ نے تحریر فرمایا۔ کہ یہ شعر صاحبزادی امۃ الحفیظ کی پیدائش سے پہلے کا ہے۔ یعنی ۱۹۰۲ء کا ہے۔ اس میں پانچویں ممبر صاحبزادہ مبارک احمد صاحب ہیں۔

چنانچہ میں اس تاریخی غلطی کی اصلاح کرتا ہوں۔ کہ چونکہ صاحبزادہ مبارک احمد صاحب کی وفات ہو گئی۔ اور اس کے بعد بھی پانچ اولادیں رہیں اس لئے اس تاریخی حقیقت کے باوجود بھی اگر اس شعر کو آج بھی استعمال کر لیا جائے۔ تو کوئی حرج نہ ہوگا۔ جبتک صاحبزادہ مبارک احمد زندہ رہے وہ اس پنج تن میں شامل رہے۔ اور ان کی وفات کے بعد بھی اللہ تعالیٰ

نے پانچ کا وجود قائم رکھا۔ اس لئے ہم اس مفہوم کے لئے اس شعر کو استعمال کر سکتے ہیں۔

یہ سب کے سب خدا کے وعدوں کے مطابق حضرت مسیح موعودؑ کے مشن کی خدمت اور تائید کے لئے پیدا کئے گئے، اور یہ سب اور انکی اولادیں اس کام میں ہمہ تن مصروف ہیں۔

حضرت اُمّ المومنین اور تربیّت اولاد

یہ ایک نہایت اہم مضمون ہے، کہ حضرت امّ المومنین تربیت کس طرح فرماتی تھیں۔ ہر شخص کو اپنے گھر میں تربیت اولاد کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اور وہ اس کتاب میں اس موضوع کی ضرور تلاش کریگا۔ اس سلسلہ میں سب سے اہم بیان حضرت سیّدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کا ہے، جو آپ نے اس کتاب کے لئے لکھکر مجھے مرحمت فرمایا۔ آپ تحریر فرماتی ہیں:۔

"اصولی تربیت میں میں نے اس عمر تک بہت مطالعہ عام و خاص لوگوں کا کر کے بھی حضرت والدہ صاحبہ سے بہتر کسی کو نہیں پایا۔ آپ نے دنیوی تعلیم نہیں پائی (بجز معمولی اردو خواندگی کے)، مگر جو آپ کے اصولِ اخلاق و تربیت ہیں ان کو دیکھ کر میں نے یہی سمجھا ہے۔ کہ خاص خدا کا فضل اور خدا کے مسیح کی تربیت کے سوا اور کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ کہ یہ سب کہاں سے سیکھا؟

۱۔ بچے پر ہمیشہ اعتبار اور بہت پختہ اعتبار ظاہر کرکے اس کو والدین کے اعتبار کی شرم اور لاج ڈالدینا یہ آپ کا بڑا اصولِ تربیت ہے۔

۲۔ جھوٹ سے نفرت اور غیرت وغنا آپ کا اوّل سبق ہوتا تھا۔ ہم لوگوں سے بھی آپ ہمیشہ یہی فرماتی رہیں کہ بچہ میں یہ عادت ڈالو، کہ وہ کہنا مان لے۔ پھر بے شک بچپن کی شرارت بھی آئے، تو کوئی ڈر نہیں۔ جس وقت بھی روکا جائیگا باز آجائیگا۔ اور اصلاح ہوجائے گی۔ فرماتیں، کہ اگر ایک بار تم نے کہنا ماننے کی پختہ عادت ڈالدی، تو پھر ہمیشہ اصلاح کی امید ہے۔ یہی آپ نے ہم لوگوں کو سکھا رکھا تھا۔ اور کبھی ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتا تھا، کہ ہم والدین کی عدم موجودگی کی حالت میں بھی انکے منشاء کے خلاف کرسکتے ہیں۔

حضرت ام المومنین ہمیشہ فرماتی تھیں۔ کہ "میرے بچے جھوٹ نہیں بولتے"۔ اور یہی اعتبار تھا، جو ہمکو جھوٹ سے بچاتا، بلکہ زیادہ متنفر کرتا تھا۔

مجھے آپ کا سختی کرنا کبھی یاد نہیں۔ پھر بھی آپکا ایک خاص رعب تھا۔ اور ہم بہ نسبت آپ کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے دُنیا کے عام قاعدہ کے خلاف بہت زیادہ بے تکلف تھے۔

اور مجھے یاد ہے۔ کہ حضور اقدسؑ سے حضرت والدہ صاحبہ

کی بیحد محبت و قدر کرنیکی وجہ سے آپ کی قدر میرے دل میں اور بھی بڑھا کرتی تھی۔

بچوں کی تربیت کے متعلق ایک اصول آپ یہ بھی بیان فرمایا کرتی تھیں۔کہ:۔

"پہلے بچے کی تربیت پر اپنا پورا زور لگاؤ
دوسرے ان کا نمونہ دیکھکر خود ہی ٹھیک ہوجائینگے"۔

یہ کیسے زریں اصول ہیں۔جن پر عمل کرنے سے واقعی بچوں کی کایا پلٹ سکتی ہے۔اب گنجائش نہیں کہ ان زریں اصولوں کی کوئی مزید تشریح کیجائے۔احباب خود اپنی اپنی جگہ فائدہ اُٹھالیں۔

استانی سکینۃ النساء بیگم تحریر فرماتی ہیں:۔

"تربیت اولاد کا حضرت ام المومنین کو خاص ملکہ ہے۔ آپ کی اولاد میں سے ایک تو روشن چاند خلیفہ ثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز ہیں۔مجھ ایسی ناچیز کو کچھ لکھنے کی ضرورت ہی نہیں۔دُنیا جہان پر روشن ہے۔حضرت میرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اے۔حضرت میرزا شریف احمد صاحب نہایت صالح نہایت نیک اخلاق۔سارے جہان پر ان کے علم و فضل اور حسن و احسان کا شہرہ ہے۔ماشاء اللہ نواب مبارکہ بیگم اور صاحبزادی امۃ الحفیظ بیگم دونوں باوقار۔صالحہ۔بیحد متقی۔عالمہ۔فاضلہ۔باعزت۔باعصمت۔خوش اخلاق۔سچائی پسند۔برائیوں سے دُور۔لوگوں سے بھلائی کرنیوالی ہیں۔یعنی اگر مجموعہ حسن و خوبی دیکھنا ہو، تو

امّاں جان کی اولاد کو دیکھو۔

حضرت ام المومنین نے نرمی اور سختی سے بھی بارہا یہ بات بیان فرمائی ہے۔ کہ جھوٹ بولنا اور مبالغہ آمیز بات کرنا کبیرہ گناہ ہے۔

تربیت اولاد کے سلسلہ میں چودھری غلام قادر صاحب نمبردار اوکاڑہ نے ایک روایت لکھی ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وصال کے بعد غالباً ۱۹۰۹ء میں حضرت امّ المومنین سارے کنبہ سمیت دہلی تشریف لے گئی تھیں۔ اس سال حضرت خلیفۃ المسیح ثانی جو اس وقت ابھی صاحبزادہ صاحب ہی کہلاتے تھے، کا لیکچر بھی دہلی میں جامع مسجد کے پاس ہوا تھا، جسکی صدارت خواجہ حسن نظامی صاحب نے کی تھی۔

اس وقت چودھری صاحب محکمہ بندوبست کے انگریزی دفتر میں سیکنڈ کلرک تھے۔ اور حضرت میر قاسم علی صاحب مرحوم بھی نائب ناظر تھے۔ اور یہ دونو صاحب دریا گنج کے مکان میں اکٹھے رہا کرتے تھے۔ وہیں خاندان مسیح موعود علیہ السلام ان ایام میں قیام پذیر ہوا۔ تو حضرت میر صاحب رضی کی زبانی یہ امر معلوم ہوا۔ کہ :-

"حضرت ام المومنین اپنے بچوں۔ بہو بیٹیوں کی عبادات وغیرہ کے متعلق پوری توجہ سے نگرانی فرماتی ہیں۔ نماز تہجد کا خاص اہتمام فرماتی ہیں۔ اور ہمیشہ خاندان کے افراد کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نقش قدم پر چلنے کی تاکید فرماتی رہتی ہیں"

حضرت امّ المومنینؓ کی شفقت اپنے خدام سے

یہاں میں چند روایات بطور نمونہ درج کرتا ہوں۔ یہ روایات میری درخواست پر سلسلہ کے مردوں، عورتوں کی طرف سے موصول ہوئی ہیں۔ ان روایات کو میں نمبر وار درج کرتا ہوں۔ تاکہ ان بہت سی روایات کا اندازہ لگایا جا سکے۔ جو میرے پاس درج کرنے کے لئے موصول ہو چکی ہیں۔

(۱)

بیگم صاحبہ حضرت سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب نے حضرت ام المومنین کی شفقت کے متعلق لکھا کہ:۔

"۱۹۱۷ء کے جلسہ میں میں سیٹھ صاحب کے ہمراہ قادیان گئی۔ اسوقت میری پیاری بچی کو زینب گود میں تھی۔ ہمکو وہاں اماں جان کی زیارت نصیب ہوئی۔ حضرت اماں جان نے ہمارے ساتھ نہایت شفقت کا سلوک فرمایا جسے میں کبھی بھول نہیں سکتی۔ آپ نے ہمارے لئے حضرت مریم صدیقہ صاحبہ کے کمرے کے ساتھ جنوبی جانب کا کمرہ خالی کرا دیا۔ میری بچی کی آیا بیمار ہو گئی تھی۔ اماں جان کو جب یہ معلوم ہوا۔ تو فوراً دو لڑکیوں کو میرے پاس کام کے لئے بھیجدیا۔ اماں جان ہمارا ہمارے زمانہ قیام میں ہر طرح خیال رکھتی رہیں۔ اور ہماری ہر طرح دلداری فرماتی رہیں۔ ہم اپنی مخدومہ کے ان اخلاق کو بڑے حیران ہو رہے تھے"

(۲)

محترمہ ہاجرہ بیگم صاحبہ بنت سیٹھ عبداللہ بھائی صاحب لکھتی ہیں:۔

"۱۹۴۲ء کے سالانہ جلسہ پر میں بھی اپنے والدین کے ساتھ قادیان گئی۔ ہم اماں جان کے مہمان ہوئے۔ آپ ان ایام میں بہت مصروف الوقت ہوتی ہیں، ہزارہا عورتیں آپ کی زیارت کے لئے آتی ہیں۔ اس مصروفیت کے علاوہ اماں جان کی اپنی طبیعت بھی ناساز تھی۔ مگر ان دونوں باتوں کے باوجود اماں جان ہمارا پورا پورا خیال رکھتی تھیں۔

میری والدہ صاحبہ تھکان سے بیمار ہوگئیں، تو اماں جان نے اُنکے لئے دوا، کا انتظام فرمایا۔ اور بار بار اُن کی صحت کا حال دریافت فرماتیں۔

کھانے کے وقت اماں جان ہمکو اپنے پاس بلا بھیجتیں۔ ہمکو کھانے میں شریک فرماتیں۔ اور ساتھ ساتھ اپنے بچپن کے زمانے کی باتیں سُناتیں۔

آپ کے اندر بڑا جذب اور بڑی کشش ہے۔ آپ جب بلاتیں، تو مجھے "پیاری بٹیا" کہہ کر بلاتیں۔ آپ کی محبت اور شفقت تو ایسی ہے، کہ مَیں نے کہیں دیکھی ہی نہیں۔ اپنے پیارے اور متبرک ہاتھوں سے کھانا ڈال کر دیتیں۔ گرم گرم روٹی میں گھی اور گڑ ڈال کر اس کو مَل کر نوالہ بنا کر دیتیں۔ سبحان اللہ! یہ اخلاق تو سوائے اماں جان کے اور کسی کے ہونگے۔ اماں جان خود بہت ہی کم خوراک تناول فرماتی ہیں۔

اِس سفر میں ہمارا سامان ریل میں دہلی کے سٹیشن پر رہ گیا۔ اسلئے ہمکو بڑی تکلیف ہوگئی۔ کپڑے بہت میلے کچیلے ہوگئے۔ اس لئے میں شرم کے مارے ہر وقت بُرقع پہنے رہتی۔ تو اماں جان نے وجہ دریافت فرمائی جب انکو سامان پیچھے رہ جانے کا عِلم ہوا، تو بہت رنج ہوا۔ اور سامان ملنے کے لئے دُعا فرمانے لگیں۔

دو دن بعد سامان آگیا، اور ہم نے کپڑے بدلے۔ تو اماں جان نے ہمکو مبارکباد دی۔ میری پیٹھ پر تھپکی دیکر فرمایا۔" میں اپنی پیاری بیٹی کے لئے اُٹھتی بیٹھتی دعا کرتی تھی"۔

جلسہ کے دوسرے دن اماں جان کے سر درد ہو رہی تھی ہم کچھ عورتیں حلقہ بنا کر اماں جان کے گرد بیٹھی ہوئی تھیں، کہ ایک خادمہ نے آکو کہا۔ کہ اماں جان! باہر صحن میں بہت سی بیبیاں زیارت کے لئے بیٹھی ہیں۔ آپ اسی وقت ان کو ملنے کے لئے باہر تشریف لے گئیں۔ ہر ایک سے بات کی اس کی حالت دریافت کی۔ شرفِ مصافحہ بخشا۔

اماں جان نے ہمارے ساتھ اس قدر شفقت کا برتاؤ کیا۔ کہ واپسی پر ہمارے لئے اپنے ہاتھ سے توشہ تیار کر کے دیا۔ ہمارے سامان کی گنتی فرمائی۔ اور اپنی دعاؤں کے ساتھ ہمکو رخصت کیا۔ ہم یہ تبرک سکندر آباد تک ساتھ لائے۔

(۳)

سیٹھ یوسف الہ دین صاحب لکھتے ہیں:۔

"کہ جب میں قادیان میں تعلیم حاصل کر رہا تھا، تو میں بچہ ہی تھا حضرت اماں جان کے پاس میں زیارت کے لئے جایا کرتا تھا۔ حضرت اماں جان مجھ سے اس طرح سلوک فرماتیں، جس طرح ایک حقیقی ماں اپنے بچے سے سلوک کرتی ہے۔ آپ گھنٹوں مجھے اپنے پاس بٹھائے رکھتیں، کھانے کا وقت ہوتا، تو کھانا کھلاتیں۔ آپ ایسے طرز اور شفقت سے باتیں فرماتیں کہ جس سے میری گھر اور والدین سے دُوری کیوجہ سے گھبراہٹ اور بے چینی دُور ہو جاتی۔ اور گھر اور والدین کی یاد بھول جاتی۔ میرے ساتھ

ایک اور لڑکا محمدؐ اسحاق جو منٹگمری کا تھا، جایا کرتا تھا۔ اماں جان کا اس سے بھی یہی سلوک تھا۔

﴿۴﴾

محترمہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ اہلیہ چوہدری خلیل احمدؐ صاحب ناصر بی۔ اے واقفِ تحریکِ جدید و بنت حضرت سیٹھ محمدؐ غوث صاحب حیدر آباد تحریر فرماتی ہیں :۔

۱۔ "دو سال قبل میں سخت بیمار ہوگئی تھی مگر حضرت امیر المومنین اور خاندانِ نبوت کی دعاؤں سے اللہ تعالےٰ نے مجھے صحت دیدی۔ صحت کے بعد میں جب سالانہ جلسہ پر آئی، اور حضرت اماں جان سے ملنے گئی، تو اسوقت حضرت اماں جان پلنگ پر آرام فرما رہی تھیں مجھے دیکھ کر بہ شفقت اماں (اٹھکر بیٹھ گئیں) مسرت سے آپ کا چہرہ مبارک چمک اٹھا۔ اور فرمانے لگیں کہ :۔

"خدایا شکر ہے، میں نے حفیظ کو زندہ دیکھ لیا"

یہ ہے اس شفقت کا ایک ادنیٰ کرشمہ جو آپ ہے خدام سے ہمیشہ روا رکھتی ہیں"

۲۔ "میں نے ایک دفعہ حضرت اماں جان سے عرض کی۔ کہ اماں جان میری انگوٹھی پر دعا کر دیں۔ آپ نے میری اس درخواست پر نہایت شفقت سے اس انگوٹھی کو لے لیا، اور فرمایا۔ کہ میں رات کو اچھی طرح اس پر دعا کروں گی۔ یہ کہکر انگوٹھی اپنی انگلی مبارک میں پہن لی، اور رات کو دعا فرما کر صبح کو ملازمہ کے ہاتھ میرے مکان پر بھیجدی۔

﴿۵﴾

والدہ صاحبہ ڈاکٹر محمدؐ احمدؐ صاحب قادیان جو جناب ڈاکٹر حشمت اللہ

صاحب کی حرم محترم ہیں، نے تحریر فرمایا :-

"حضرت ام المومنین مدظلہا العالی کے مبارک قدموں میں رہتے ہوئے اس عاجزہ کو ۲۵ سال کا عرصہ ہو گیا ہے۔ اس عرصہ میں میں نے ہمیشہ ہی انکو ماؤں کی طرح شفقت کرتے ہوئے پایا۔ شروع شروع میں وطن چھوڑنے کی وجہ سے میری طبیعت بہت اُداس رہتی تھی۔ پریشانی کی حالت میں حضرت ام المومنین کی خدمت میں حاضر ہو جایا کرتی۔ اور جب میں وہاں جاتی، تو مجھے ایسا معلوم ہوتا، کہ میں نئی دُنیا میں آ گئی ہوں۔ اور مجھے وہ نعمت حاصل ہو گئی جس کے آگے تمام نعمتیں ہیچ ہیں۔ کچھ عرصہ بیٹھ کر گھر واپس آ جاتی۔ اور دلی سکون و اطمینان حاصل ہو جانے کی وجہ سے اپنے کام میں مشغول ہو جاتی۔ کبھی میرا چہرہ دیکھکر اماں جان پہچان لیتیں، اور فرماتیں، کیوں پریشان کیوں ہو"

(۶)

محترمہ امۃ الحی صاحبہ بنت جناب سیٹھ محمد غوث صاحب حیدرآباد دکن لکھتی ہیں :-

"میں پہلی مرتبہ ۱۹۳۳ء کے سالانہ جلسہ پر قادیان آئی۔ اور یہی میرا پہلا قادیان کا سفر تھا۔ اور اس موقع پر میں نے حضرت اماں جان کی پہلی مرتبہ زیارت کی۔ اس سال ہم اپنی والدہ مرحومہ کا جنازہ بھی لے کر گئے تھے۔

دوسرے دن ہم حضرت اماں جان سے ملنے گئیں۔ شام کا وقت تھا، سردی کافی تھی۔ حیدرآباد دکن میں سردی کم پڑتی ہے۔ اس لئے عام طور پر ٹھنڈے کپڑے استعمال ہوتے ہیں۔ اماں جان نے مجھے جالی کا کُرتہ پہنے ہوئے دیکھ کر فرمایا :-

"نزنی، تم کم از کم انگیٹھی کے پاس ہی بیٹھ جاؤ۔ اِن دنوں نمونیہ ہونے کا بہت خطرہ ہوتا ہے، خوب گرم رہا کرو۔"

۱۹۳۹ء کے جلسہ سالانہ پر ہم پھر قادیان گئے۔ ان ایام میں صاحبزادی امۃ القیوم کی شادی کی تقریب ہونیوالی تھی۔ اس لئے میں اور میری باجی امۃ الحفیظ بیگم وہاں چھ ماہ تک حضرت ام طاہر احمد صاحب کے مکان میں مقیم رہیں۔ اس لئے ہمکو خاندانِ نبوت کے ہر فرد کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔

وہ دن ہمارے لئے بڑے ہی ایمان پرور اور رُوح افزا تھے۔ ہم ہر روز حضرت اماں جان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ آپ ہم سے حیدرآباد کے تمدن، وہاں کے لوگوں کے اخلاق، عادات، دینی حالات، رسم و رواج کے متعلق پوچھا کرتی تھیں۔ آپ اکثر مغرب کے وقت تشریف لایا کرتیں گرمیوں کے دن تھے۔ پھولوں کے ہار گلے میں ہوتے، اور ایک دو اپنے ہاتھ میں، وہ ہار آپ باجی قیوم کو پہناتیں۔

ایکدن حضرت آپا جان (ام طاہر) نے اماں جان سے آپکے گلے کا ہار تبرکاً مانگا۔ اس وقت میں بھی وہاں کھڑی تھی۔ آپ نے مجھے دیکھکر ازراہِ شفقت ایک ہار مجھے بھی مرحمت فرمادیا۔ وہ ہار! وہ انمول ہار!! جس کی قیمت کا اندازہ نہیں، وہ آجتک میرے پاس محفوظ ہے۔ یہ ہے، اماں جان کی شفقت اپنے خدام کے ساتھ۔

آپ کی شفقت کی باتیں تو گنی نہیں جا سکتیں۔ جب میں قادیان سے آنے لگی، تو میں آپ سے ملنے گئی۔ آپ نے دُعا دی، فرمایا:-

"اچھا جاؤ۔ خدا تمہارا حافظ و ناصر ہو۔ خدا تمہیں خیریت سے

اپنے گھر پہنچائیے۔ اپنے ابّا کو میرا سلام کہنا۔"

پھر جب مَیں چلنے لگی، تو فرمایا۔ کہ "کیا گلے نہیں ملوگی"۔ آپ اس وقت چارپائی پر تشریف فرما تھیں۔ آپ کے اس فقرے نے میرے اندر رقت بھر دی۔ اور مَیں چشم پُرآب ہوکر آپ کے گلے سے لپٹ گئی۔ آپ نے بڑی دیر تک مجھے اپنے سینے سے لگائے رکھا۔ میں اُس وقت دُنیا کی تمام راحتوں سے ہم آغوش تھی۔ مجھے سارے دُکھ اور درد بھول گئے۔ اور بارہ سال کے بعد مجھے پھر ایک بار اپنی ماں کی کھوئی ہوئی محبت اور شفقت آپ کے سینے سے لگ کر محسوس ہو رہی تھی۔"

---

(۷)

مولوی محمدالدین صاحب امیر جماعت احمدیہ تہال گجرات لکھتے ہیں :۔

"میری پہلی بیوی جو ڈاکٹر محمد احمد و سلطان احمد سلمہما اللہ تعالیٰ آف عدن کی والدہ تھیں، بڑی ہی نیک خاتون تھیں۔ ان کے بطن سے میرے دو بچے جن میں سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی تھے، ایک ہی دن میں بخار اور خسرہ سے فوت ہوگئے۔ اس نیک بی بی نے نہایت ہی قابلِ تقلید نمونہ دکھلایا، اور قطعاً جزع فزع نہ کی۔ بلکہ تسبیح و تحمید میں لگی رہی۔ ایک طرف تو اس کی یہ حالت تھی، دوسری طرف وہ بیعت بھی نہ کرتی تھیں۔

بالآخر مَیں نے آخری علاج یہ سوچا، کہ اسے قادیان لے آیا۔ دار المسیح میں ٹھہرایا۔ حضرت ام المومنین نے جب میری بیوی کے دو عزیز بچوں کے ایک وقت انتقال کا سُنا، تو آپ نے اس قدر شفقت اور محبت کا برتاؤ کیا اور اس قدر تسلی دی۔ کہ جس سے اس کو بہت اطمینان حاصل ہوا۔ اور وہ

اپنے گھر جاکر بھی حضرت امّ المومنین کے محبت بھرے کلمات اور پُر از محبت ملفوظات کا ذکر کرتی تھیں۔

انہوں نے بارہا کہا۔ کہ حضرت اماں جان توسگی والدہ سے بھی بڑھکر سلوک کرتی ہیں۔ آپ کی اس محبت نے اور اس احسان اور شفقت نے ان کی طبیعت کو بدل دیا۔ اور انہوں نے احمدیت کو قبول کرلیا۔ یہ اماں جان کی شفقت اور ہمدردی کا ہی نتیجہ تھا۔

(۸)

حضرت امّ المومنین کی قیدیوں پر شفقت

محترم جناب ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

ا۔ غالباً ۱۹۱۶ء کا واقعہ ہے۔ کہ حضرت ممدوحہ پٹیالہ تشریف لے گئیں۔ حضور کی آمد سے ہر احمدی فرد مرد ہو یا عورت دلی مسرت سے پُر ہوگیا اور اکثر مرد و زن حضور کی خدمت کے لئے کمربستہ نظر آتے تھے۔ حضور کے چند روزہ قیام سے جماعت کو بیحد خوشی حاصل ہوئی۔

انہی دنوں میں حضرت ممدوحہ نے خاکسار سے دریافت فرمایا۔ کہ کیا یہاں کی جیل کے قیدیوں کو ہماری طرف سے عمدہ قسم کا کھانا کھلانیکی اجازت مل سکتی ہے؟ خاکسار نے سول سرجن صاحب کے ذریعہ جو میرے افسر تھے۔ اور جیل کے بھی بڑے ڈاکٹر تھے، کوشش کی اور کھانا کھلانیکی اجازت حاصل کرکے عرض کی۔ کہ مل سکتی ہے۔ تب حضور نے پچاس روپے کی رقم مجھے دی۔ اس طرح پر قیدیوں کو عمدہ قسم کا کھانا کھلوایا گیا۔

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے، کہ حضرت ممدوحہ کا قلب مخلوقِ خدا کی محبت اور ہمدردی سے پُر ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ جماعت کا ہر چھوٹا بڑا حضور کی آمد سے خوش ہوا۔ اور حضرت ممدوحہ نے ہمدردیٔ خلق کے جذبہ کو پورا کرنے کے موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک معقول رقم قیدیوں کو کھانا کھلانے کے لئے عطا کی۔ اور یُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّہٖ مِسْکِیْنًا وَّ یَتِیْمًا وَّ اَسِیْرًا پر عمل کرتے ہوئے محبتِ الٰہی کا ثبوت بھی بہم پہنچایا۔"

۲۔ "حضور کے قرب میں رہتے ہوئے ۲۵ سال کا عرصہ خاکسار کو گذر گیا ہے۔ حضور کو ہمیشہ خدا ترس، خدا پرست اور خدا سے حضور دعائیں کرنیوالا پایا۔"

۳۔ "حضور کی یہ صفت خاص دیکھنے میں آئی کہ اگر کبھی کوئی کھانے کی چیز خواہ کتنی ہی چھوٹی سے چھوٹی ہو، حضور کی خدمت میں پیش کی گئی، تو نہایت خندہ پیشانی اور تشکر کے رنگ میں اُسے قبول کیا۔ اور بسا اوقات اُسی برتن میں اپنی طرف سے کوئی دوسری چیز بطور تحفہ ڈال دی۔ برتن کو بحفاظت واپس بھجوانے کی خاص صفت حضور کے اندر پائی گئی۔"

۴۔ "میری معرفت کئی بار حضرت ممدوحہ نے دوائیں یا اور چیزیں قیمتاً منگوائیں، مَیں نے ہمیشہ دیکھا، کہ ان کی قیمت بلا توقف حضور نے ادا فرما دی۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا، کہ گویا قیمت ادا کرنے کی تاک میں بیٹھی ہیں۔"

۵۔ "بطور خادم قُرب میں رہتے کئی دفعہ ایسے مواقع آئے، کہ بعض چھوٹی چھوٹی غلطیوں سے مجھے خیال پیدا ہوا۔ کہ حضرت ممدوحہ مجھ سے ناراض

نہ ہو گئی ہوں۔ اور دل فکر مند ہوا۔ لیکن میرا یہ خیال ہمیشہ ہی غلط نکلا، اور حضور کو ہمیشہ ہی مشفق اور محسن پایا۔

اللہ تعالیٰ حضور کو ہمیشہ خوش و خورم رکھے، اور دین اور دُنیا کے بہترین حسنات نصیب کرے، اور حضور کی اولاد اور در اولاد اور در در اولاد کو بھی دین اور دُنیا کے حسنات نصیب فرمائے۔ اور ہم عاجزوں کو بھی حضور کا ایسا قرب میسر رکھے، کہ کوئی جدائی اس میں نہ ہو۔ جس طرح وہ پیارے محمود کی پیاری والدہ ہیں، ہماری بھی پیاری والدہ بنی رہیں۔"

(۹)

محترمہ سلیمہ بیگم صاحبہ بنت جناب سیٹھ محمد غوث صاحب حیدر آباد (دکن) سے اماں جان کی شفقت کے متعلق روایت بیان کرتی ہیں۔ کہ یہ عاجزہ راقمہ اپنے بچپن سے حضرت ام المومنین مدظلہا العالی کو حضرت اماں جان کے نام سے موسوم سُنا کرتی تھی۔

۱۹۱۸ء کے جلسہ سالانہ پر حضرت اماں جان سے مجھے شرفِ نیاز حاصل ہوا۔ میں نے فی الحقیقت حضرت اماں جان کو کیا بلحاظ شفقت و محبت اور کیا بلحاظ ہمدردی، خلوصِ دل و عنایات و احسان سے اسم بامسمّٰی پایا۔ آپ کو ہر نیک سے نیک، اور پیاری سے پیاری صفت سے متصف پایا۔

میری والدہ مرحومہ کو فوت ہوئے بارہ سال کا عرصہ گذر چکا ہے۔ مگر اس دوران میں ہر دو تین سال کے بعد اماں جان کی شفقتِ مادرانہ نے میرے غمگین دل کو ماں جیسی خوشیوں اور راحتوں سے بھر دیا۔ جب کبھی بھی اماں جان سے شرفِ ملاقات نصیب ہوا۔ آپ نے

ہر بڑے چھوٹے کا حال دریافت فرمایا۔ اور معمولی سے معمولی باتیں اس طرح دریافت فرمائیں۔ گویا ایک شفیق ماں مدتوں کی بچھڑی ہوئی بیٹی سے حال پوچھتی ہے۔ یہ آپ کی شفقت کا ایک ادنیٰ کرشمہ ہے۔

(۱) ۱۹۳۶ء یا ۱۹۳۷ء میں جلسہ سالانہ پر ایک دفعہ حاضر ہوئی۔ اس وقت اماں جان کی خدمت میں خاندانِ نبوت کی بیگمات کے سوا، دوسری عورتیں بھی موجود تھیں۔ میرا پہلا لڑکا پیدائشی طور پر بصارت اور سماعت اور چلنے پھرنے سے معذور تھا۔ اس کے بعد متواتر پانچ لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ جب حضرت اماں جان کو اس بات کا علم ہوا، تو آپ کے دل میں میرے لئے شفقت پیدا ہوئی۔ آپ نے اُس بچے کا حال دریافت فرمایا۔ اور پھر فرمایا:۔

"اللہ تعالیٰ تم کو اب کی دفعہ خادمِ دین لڑکا عطا فرمائے۔"

پھر جو خواتین موجود تھیں، ان سے فرمایا:۔

"اس بیچاری کے لئے دُعا کریں۔ کہ اللہ اس کو لڑکا دے۔"

چنانچہ آپ کی دُعاؤں کے طفیل چھ ماہ کے بعد ہی میرے گھر میں لڑکا پیدا ہوا۔ حضرت خلیفۃ المسیح ثانی نے اس کا نام منور احمد تجویز فرمایا۔

یہ تھی حضرت ام المومنین کی شفقت، اور یہ تھا حضرت ام المومنین کی دُعا کا اثر۔ جس نے میرے دل کو روشن اور منور کر دیا۔"

(۲) "۱۹۴۲ء میں میری بڑی لڑکی امۃ الرشید اجارضیہ ؓ بیگم سخت بیمار ہو گئی۔ حالت خطرناک تھی۔ یہ بیماری مسلسل چار ماہ تک رہی

حضرت ام المومنین کی اپنی طبیعت بھی ان دنوں ناساز رہتی تھی لیکن باوجود اپنی ناسازیٔ طبیعت کے آپ ہفتہ دو ہفتہ بعد برابر میری لڑکی کی عیادت کو تشریف لایا کرتی تھیں۔ بچی کے نزدیک بیٹھ کر بہت تسلی دیتیں۔ تیمارداری کی ہدایات فرمائیں۔ ہر آنے والی بہن سے دعا کی تحریک کرتے ہوئے فرمائیں:۔

"اللہ تعالےٰ پردیسی جوان لڑکی کو صحت و عمر عطاء فرمائے۔ محض دوبارہ جلسہ سالانہ اور نماز عید کی خاطر دس ماہ ماں باپ سے جدا رہی"۔

اللہ نے ام المومنین کی دعاؤں کو سنا۔ اور میری لڑکی کو دوبارہ زندگی عطاء فرمادی"۔

اس واقعہ سے نہ صرف آپ کی عیادت اور تیمارداری کی صفت کا پتہ چلتا ہے، بلکہ ہر احمدی کے ساتھ جو قادیان میں آتا ہے۔ آپ کو جو لگاؤ، جو محبت، جو انس اور جو شفقت ہے۔ اس کا بھی پتہ چلتا ہے۔

(۳) حضرت اماں جان کی شفقت کا ایک اور واقعہ:۔

"میں ایک دفعہ حضرت اماں جان کے ہاں گئی ہوئی تھی۔ آپ بیماری کیوجہ سے پلنگ پر لیٹی ہوئی تھیں۔ اُس وقت ایک دوسری خاتون بھی موجود تھیں۔ اماں جان نے بیماری کی وجہ سے مجھ خادمہ کو پان بنانے کے لئے کہا۔ اس پر اُس خاتون نے کہا۔ کہ اماں جان! میں تو آپکے ہاتھ کا پان کھانے آئی تھی۔ آپ اسی تکلیف کی حالت میں اُٹھ کر بیٹھ گئیں۔ اور اپنے ہاتھ سے اُس خاتون کو پان بنا کر دے دیا۔ اور خود میرے ہاتھ کا لگا ہوا پان لے لیا"۔

یہ واقعہ اماں جان کی اس اندرونی کیفیت کا پتہ دیتا ہے کہ باوجود شدید سے شدید تکلیف کے دوسروں کے لئے ہر قربانی کے لئے تیار رہتی ہیں۔

(۱۰)

محترمہ سیدہ فضیلت بیگم صاحبہ سیالکوٹ سے لکھتی ہیں کہ:۔

"سنہ ۱۹۴۰ء یا ۱۹۴۱ء کا واقعہ ہے۔ کہ حضرت ام المومنین مدظلہا العالی کی طبیعت بہت علیل تھی۔ اسلیئے ہجوم خلائق کی متحمل نہیں ہو سکتی تھیں۔ ادہر ہر جلسے پر جانیوالی خاتون مادرِ مہربان کی ملاقات سے محرومی کو ناقابلِ برداشت خیال کرتی ہے۔ چنانچہ لجنہ اماء اللہ نے یہ فیصلہ کیا۔ کہ حضرت اماں جان کی ملاقات کا ایک وقت مقرر کر دیا جائے۔ اور احتیاط سے ملاقات کروادی جائے۔ تا عورتوں کا ہجوم نہ ہو۔ اور اماں جان کو تکلیف نہ ہو۔

یہ ڈیوٹی مجھے دی گئی۔ وقت مقررہ پر عورتوں کا تانتا لگ جاتا تھا اس لئے میری یہ کوشش ہوتی تھی کہ عورتیں صرف مصافحہ پر اکتفا کریں۔ تا اماں جان کو تکلیف نہ ہو۔ مگر اماں جان کی شفقت و محبت کے کیا کہنے اماں جان باوجود ضعف و نقاہت کے ہر ملنے والی کی خیریت خود دریافت فرماتیں۔ بلکہ اکثر ان کے متعلقین کی خیریت بھی دریافت فرماتیں۔ مثلاً تمہاری والدہ یا بہن یا بچے کیسے ہیں؟ اتنا عرصہ ہوا نہیں آئے۔ کسی سے فرماتیں۔ کہ تم گذشتہ سال نہیں آئیں۔ یا دیر بعد آئی ہو۔

اِن اخلاقِ کریمانہ کو دیکھ کر میری حیرت کی کوئی حد نہ رہی۔ ہزاروں عورتوں میں سے شائد ہی آپ نے کسی سے تعارف چاہا ہو۔ ہر ایک کو

آپ اچھی طرح جانتی پہچانتی تھیں۔ اپنی تکلیف کے باوجود آپ کے ان اخلاق کا جو آپ نے ہر عورت سے ظاہر کئے مجھ پر ایک گہرا اثر ہوا۔ نہ صرف یہ بلکہ آپ کا حافظہ بھی میرے لئے حیرت کا باعث بنا ہوا تھا۔

(۱۱)

حضرت مولوی شیر علی صاحب قبلہ اپنی ایک روایت میں تحریر فرماتے ہیں، کہ:۔

(۱) "ایک احمدی دوست جو کچھ عرصہ کے لئے اپنے روزگار کے سلسلہ میں ولایت گئے ہوئے تھے۔ میں نے ان کی واپسی پر حضرت ام المومنین کو اُن سے یہ فرماتے ہوئے سُنا۔ کہ:۔

"کوئی نماز ایسی نہ تھی جس میں میں نے تمہارے لیے دُعا نہ کی ہو۔"

اُس احمدی سے حضرت ام المومنین کا کوئی رشتہ داری کا تعلق نہ تھا۔ اور نہ وہ کوئی مال و دولت رکھتا تھا۔ صرف اُس کے دل میں حضرت مسیح موعودؑ کے خاندان کے لئے اخلاص و محبت تھا۔ جس کی وجہ سے آپ کے دل میں اس کے لئے اس قدر شفقت تھی۔ کہ اس کی غیر حاضری میں تین ماہ کے لمبے عرصے تک بالالتزام ہر نماز میں اس کے لئے دُعا فرماتی رہیں۔ اس احمدی دوست کا نام شیخ احمد اللہ صاحب ہے۔"

(۲) "اپنے خدام سے آپ کی محبت و شفقت کا یہ تقاضا ہے۔ کہ اپنے خدام کی خوشی اور غمی کے موقعوں پر اب تک شرکت فرماتی رہتی ہیں۔ چنانچہ جب بندے کی اہلیہ فوت ہوئیں۔ تو آپ بذات خود معہ دیگر خواتینِ خاندان تشریف لائیں۔ اور نہایت شفقت سے میری اہلیہ مرحومہ کے

سر پر دستِ شفقت پھیرتی رہیں ۔ جزاہا اللہ احسن الجزاء۔

(۳) اسی طرح جب عزیزم عبدالرحیم کا لڑکا فضل الرحیم یعنی میرا پوتا پیدا ہوا ۔ تو آپ بندے کے غریب خانے پر تشریف لے گئیں ۔ اور بڑی دیر بچے کو مادرِ مہربان کی طرح اپنے ہاتھوں میں اٹھائے رکھا ۔ یہ آپ کی خدام سے شفقت اور مہربانیوں کا ادنےٰ کرشمہ ہے ۔ یہ شفقت کسی خاص طبقہ سے مخصوص نہیں ۔ بلکہ غرباء بھی اس سے اسی طرح مستفیض ہوتے رہتے ہیں ، جس طرح کہ دوسرے ۔"

—(۱۲)—

آپ کی جانوروں پر شفقت !!

خانصاحب حکیم عبدالعزیز صاحب مالک طبیہ عجائب گھر نے اپنی روایات میں ایک عجیب واقعہ لکھا ہے ۔ وہ لکھتے ہیں :۔

" مجھے بندوق کے شکار کا بہت شوق تھا ۔ صاحبزادہ میاں شریف احمد صاحب کے ساتھ میں شکار کو نکل جایا کرتا تھا ۔ ایک دفعہ جب کہ ماہ مئی کا مہینہ تھا ۔ میں نے صاحبزادہ میاں شریف احمد صاحب کو کہا ۔ کہ میاں ! بندوق لاؤ ۔ شکار کو چلیں ۔ ان دنوں میاں صاحب چھٹی جماعت میں پڑھا کرتے تھے ۔

میاں صاحب شوق سے بندوق لینے چلے گئے ۔ اور جلد واپس آ گئے ۔ اور کہنے لگے ۔ کہ اماں جان بندوق نہیں دیتیں ۔ اس پر میں نے خود کہلا بھیجا ۔ کہ تھوڑی دیر کے لئے بندوق بھیجدیں ۔ فرمایا :۔

"آجکل پرندے انڈوں پر ہوتے ہیں۔ مَیں بھی بچوں والی ہوں۔ مَیں آجکل بندوق ہرگز نہیں دوں گی۔"

یہ واقعہ اپنی شان کا ایک عجیب واقعہ ہے۔ جس سے حضرت ام المومنین کی اس شفقت کا پتہ چلتا ہے۔ جو انسانوں سے اتر کر پرندوں کے لئے پائی جاتی ہے۔

—— ۱۳ ——

محترمہ امۃ الرحمٰن صاحبہ بنت حضرت قاضی ضیاء الدین صاحب مرحوم نے حضرت ام المومنین کے اخلاق کریمانہ کے متعلق ایک عجیب روایت قلمبند کی ہے۔ وہ لکھتی ہیں۔ کہ:۔

(۱) "میں حضرت ام المومنین کے پاس ابتدائی زمانہ میں پانچ سال رہی۔ ایک دفعہ حضرت ام المومنین موسم گرما میں بیت الدعاء میں نماز پڑھ رہی تھیں۔ اور امۃ الرحمٰن صاحبہ حضرت ام المومنین کو حالتِ نماز میں پنکھا کرتی رہیں۔

جب حضرت ام المومنین نماز سے فارغ ہوگئیں تو امۃ الرحمٰن صاحبہ نے وہیں نماز پڑھنی شروع کر دی۔ ان کو نماز پڑھتے دیکھکر حضرت اماں جان نے پنکھا ہاتھ میں لے لیا۔ اور پنکھا کرنے لگیں۔ وہ بیان کرتی ہیں۔ کہ میں نے گھبرا کر جلدی سے نماز ختم کر دی۔ تاکہ کہیں بے ادبی نہ ہو۔ اور میں توبہ توبہ کرنے لگی۔ حضرت اماں جان نے سُنکر فرمایا۔ کہ:۔

"کیا مَیں ثواب حاصِل نہ کروں؟"

جاؤ پیر خانوں میں ڈھونڈو! کہیں تم کو ان اخلاقِ کریمانہ کا نظارہ نظر نہ آئے گا۔"

یہ واقعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس واقعہ سے ملتا جُلتا ہے۔ جو مفتی فضل الرحمٰن صاحب کی روایات میں چھپا ہوا موجود ہے۔ کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کسی کام سے گورداسپور سے ہو کر آئے۔ گرمی کا موسم تھا۔ گول کمرے میں حضرت اقدسؑ کو اس کام کے نتیجہ سے اطلاع دی۔ حضورؑ نے فرمایا کہ مفتی صاحب آپ ذرا ٹھہریں میں آپ کیلئے شربت بنا کر لاتا ہوں۔ مفتی صاحب تھکے ہوئے تھے، چارپائی پر لیٹ گئے۔ اور لیٹتے ہی سو گئے۔ کچھ دیر کے بعد جب آنکھ کھلی۔ تو دیکھا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کھڑے پنکھا کر رہے ہیں مفتی صاحب اسی طرح سے گھبرا کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور توبہ توبہ کرنے لگے۔

حضرت ام المومنین کی سیرت پر جس قدر گہری نظر ڈالی جائے گی، ہم کو یہی نظر آئے گا۔ کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہر رنگ میں رنگین ہیں۔

(۲) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں لوگ باہر سے بکثرت تحفے اور پھل لایا کرتے تھے۔ حضرت ام المومنین سب خادماؤں کو حصہ رسدی ان میں سے دیا کرتی تھیں۔ آپ جب اس طرح پھل دینے لگتیں۔ تو میں اکثر بیچ میں سے چلی جایا کرتی۔ اور میرا حصہ جہاں میں ہوتی وہیں روانہ کر دیتیں۔

ایک دفعہ میں نے ایسا ہی کیا۔ اور چلی گئی۔ باقی خادمائیں اپنا اپنا حصہ لے کر چلی گئیں۔ تھوڑی دیر بعد میں واپس آئی۔ تو آپ نے فرمایا:-

"فرمایا امۃ الرحمٰن! آج ہم نے تمہارا حصہ نہیں رکھا۔ کیونکہ
تم ہمیشہ چلی جاتی ہو۔ اور بطور مزاح فرمایا" اور تیرا مقلاوہ
پیچھے روانہ کرنا پڑتا ہے۔"

میں نے کہا بیوی جی! کوئی بات نہیں۔ مگر اسی وقت میرا حصہ مجھ کو دیدیا۔
تاکہ میرے دل میں کوئی رنج نہ رہے۔ یہ آپ کی شفقت اور محبت کی
ایک ادنےٰ مثال ہے۔"

(۱۴)

حضرت اماں صغریٰ بیگم صاحبہ حرم حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ عنہ حضرت
ام المومنین کی شفقت و محبت کا تذکرہ یوں کرتی ہیں :۔

"میری شادی کے وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت
ام المومنین حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ کے ساتھ برات میں گئے تھے۔
حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کی عمر اس وقت تقریباً چھ ماہ کی ہوگی۔ شادی کے
دو تین دن کے بعد حضرت ام المومنین کی موجودگی میں میں حضرت مسیح موعود
علیہ السلام سے بیعت ہوئی۔ میری بیعت شہزادہ حیدر کے مکان میں
ہوئی تھی۔ حضرت ام المومنین نے میری بیعت پر بڑی خوشی کا اظہار فرمایا۔
اور مٹھائی بھی تقسیم کی۔

میں اپنے شوہر حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کے ساتھ جموں چلی گئی۔ اور حضرت
ام المومنین کچھ دنوں لدھیانہ میں ہی ٹھہری رہیں۔ کیونکہ حضرت میر ناصر نواب
ان دنوں لدھیانہ میں ملازم تھے۔ میں جب جموں سے واپس آئی تو قادیان
بھی آئی۔ اماں جان نے مجھے اپنے گھر اتارا۔ اپنا سارا زیور اور لباس مجھے
پہنایا۔ مجھے ان کا یہ حُسنِ اخلاق کبھی اور کسی وقت نہیں بھولتا۔

ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت ام المومنین سیالکوٹ تشریف لے گئے۔ میر حسام الدین صاحب کے مکان پر اُترے ہوئے تھے۔ اور مَیں ان دنوں مولوی صاحبؓ کے پاس جموں میں تھی۔ حضرت ام المومنین نے بھاگ بھری نائن کو میرے لئے بہت سے تحفے اور کپڑے دیکر جموں بھیجا۔ کہ مجھے وہاں سے بلا لائے۔ مگر حضرت خلیفہ اولؓ اُن ایام میں کشمیر گئے ہوئے تھے۔ اس لئے مَیں حاضر نہ ہوسکی۔

حضرت ام المومنین نے جس نگاہ سے مجھ کو پہلے دن دیکھا اسی نگاہ سے آج تک دیکھتی ہیں۔ اور ہمیشہ بڑی بہو کے لقب سے پکارا۔ نیک اور مادرانہ سلوک فرمایا۔ مجھے ہر تنگی اور خوشی میں اپنے پاس رکھا کبھی اپنے سے جُدا نہیں کیا۔ چنانچہ اب تک حضرت اماں جان میرے پاس خود تشریف لاتی ہیں۔ اور باوجود بیماری کے میرا احساس رکھتی ہیں"

(۱۵)

مولوی محمد ابراہیم صاحب بقاپوری مبلغ سلسلہ عالیہ احمدیہ نے حضرت ام المومنین کی شفقت کا ایک واقعہ یوں تحریر فرمایا ہے :-

"۱۹۱۶ء کا واقعہ ہے۔ کہ میری بیوی چند دنوں کے لئے قادیان میں حضرت ام المومنین ایدہا اللہ کے پاس ٹھہری۔ جب خاکسار اپنی بیوی کو واپس لانے کے لئے بٹالہ اسٹیشن سے اُتر کر منڈی میں آیا۔ حضرت میاں بشیر احمد صاحب منشی عبد الکریم صاحب کے مکان پر اُترے ہوئے تھے۔ مجھے دیکھ کر فرمایا۔ کہ اماں جان آپکو بُلاتی ہیں مجھے دیکھکر اماں جان نے فرمایا:-

"کہ مَیں مالیر کوٹلہ چند دن کے لئے جا رہی ہوں۔ اور اپنے مکان مَیں تمہاری بیوی امۃ الحفیظ کے پاس چھوڑ آئی ہوں

اگر تم خوشی سے رہنے دو، تو رہے گی۔ ورنہ تم مالک ہو، خوشی سے اپنی بیوی کو لے آؤ۔"

مَیں نے عرض کیا۔ حضور! خاکسار بمعہ اپنی بیوی بچوں کے آپکا غلام ہے۔ یہ تو میری خوش قسمتی ہے۔ کہ میری بیوی کو اللہ تعالےٰ نے حضور کے قدموں میں رہنے کا موقعہ عطاء فرمایا ہے۔ مَیں یہاں سے ہی چلا جاتا ہوں۔ اس پر فرمایا:۔

"ایک رات جا کر حضرت صاحب کی زیارت کرآؤ۔"

اتنے میں اسٹیشن پر سے جانے کے لیئے تانگہ آ گیا۔ حضرت ام المومنین بیٹھ گئیں۔ حضرت قبلہ میاں صاحب جو آپ کے ہمراہ جا رہے تھے۔ مجھ سے مصافحہ کرنے لگے۔ مَیں نے عرض کیا۔ کہ حضور کو گاڑی پر سوار کرا کر قادیان جاؤنگا۔ اس پر حضرت قبلہ میاں صاحب میرے ہمراہ پیدل چل پڑے یہ دیکھ کر حضرت ام المومنین نے فرمایا۔ ٹھہرو میں بھی تمہارے ساتھ پیدل چلتی ہوں۔ اور تانگے سے اُتر کر پیدل روانہ ہو پڑیں۔

جب خاکسار قادیان آیا۔ تو مجھے حضرت ممدوحہ کی ذرہ نوازی کا ایک اور واقعہ دیکھنے کا موقع ملا۔

میرے کھانے اور رات کے رہنے کا انتظام حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے گھر میں تھا۔ جس سے مَیں نے سمجھ لیا۔ کہ یہ بھی حضرت ام المومنین نے ہی کروایا ہوگا۔

یہ پندرہ واقعات جو مختلف راویوں کی زبان سے میں نے آپ کی شفقت کے متعلق تحریر کیئے ہیں۔ پڑھنے والوں کو بہت کچھ سبق دینگے۔

مَیں اِس وقت کتاب کے اِس حصّے میں ان واقعات پر کوئی توضیحی نوٹ نہیں لکھ سکتا۔

آپ کی شفقت کے اور سیرت کے دیگر سینکڑوں واقعات راویوں کی زبان سے جمع ہو کر میرے پاس پڑے ہوتے ہیں۔ جنہیں مَیں زیادہ تفصیل اور وضاحت کے ساتھ کتاب کے دوسرے حصّے میں شائع کر سکوں گا۔ وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقُ۔

یہ محض ایک مختصر سا نمونہ ہے، اُس خُلقِ عظیم کا جو آپ کو دیا گیا۔ اُس صبر و تحمل کا جو باوجود بیماری، ضعف اور نقاہت کے نہایت قوتِ برداشت کے ساتھ اپنے خدام سے آپ ملتی ہیں۔ ان کی باتوں کو سنتی ہیں ان کی ہمدردی اور غمخواری کرتی ہیں۔ ان کی درخواستوں پر توجہ دیتی ہیں آپ کی سیرت کے دیگر بیسیوں ابواب پر مجھے ابھی بہت کچھ لکھنا ہے۔ جو مَیں دوسری جلد میں لکھ سکونگا۔ مَیں یہاں اب چند صفحات کے اندر آپکی زندگی کے بعض اور واقعات پر مختصر نظر ڈالنا چاہتا ہوں۔

حضرت اُمُّ المومنین کا علمی اور ادبی ذوق

حضرت ام المومنین کے علمی اور ادبی ذوق کے متعلق میرے پاس کوئی زیادہ مواد جمع نہیں۔ لیکن اس قدر معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت ام المومنین کا علمی اور ادبی ذوق نہایت ہی ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔ آپکے بچوں میں سے حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز، حضرت میرزا بشیر احمد صاحب حضرت میرزا شریف احمد صاحب، نواب مبارکہ بیگم صاحبہ

اپنے علمی کارناموں کی وجہ سے ممتاز ترین ہستیاں ہیں۔ صاحبزادی امتہ الحفیظ بیگم صاحبہ کے متعلق سُنتا ہوں۔ کہ وہ بھی علمی وادبی ذوق سے حصۂ وافر رکھتی ہیں۔ اگرچہ میری نظر میں ان کی کوئی تحریر یا نظم نہیں آئی۔ لیکن مجھے بتلانے والوں نے بتلایا ہے۔ کہ اُن کا ذوقِ علمی بھی اپنے خاندان کے کسی فرد سے کم نہیں۔

جب آپ کی اولاد کا ذوقِ علم اس قدر بڑھا ہوُا ہو۔ تو نہایت آسانی سے یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے۔ کہ آپ کا ذوقِ علم کس بلند پائے کا ہونا چاہیئے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو جب کسی اُردو لفظ کی بابت تفتیش کرنا ہوتی تھی۔ تو سب سے پہلے حضرت ام المومنین ہی سے سوال کیا کرتے تھے۔ اور پھر اگر کچھ شبہ رہ جاتا۔ تو حضرت نانی اماں رضؓ صاحبہ یا حضرت میر صاحب سے دریافت فرمایا کرتے تھے۔ اس سے بھی آپ کے ادبی ذوق کا پتہ چلتا ہے۔

حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب قبلہ کے ذریعے مجھ کو یہ علم حاصل ہوُا ہے۔ کہ کسی زمانہ میں حضرتہ عُلیا کبھی کبھی ذوقِ شعر بھی فرمایا کرتی تھیں۔ افسوس! کہ وہ اشعار محفوظ نہ رہ سکے۔ ایک دفعہ آپ نے ایک بکری اور اسکے دو بچوں کے مرنے کا مرثیہ لکھ کر غالباً ۱۸۹۲ء یا ۱۸۹۳ء میں حضرت میر صاحبؒ کو بھیجا تھا۔ مگر افسوس کہ وہ بھی محفوظ نہ رہ سکا۔

حضرت میر صاحب قبلہ کے ذریعے سے تین شعر مجھے میسّر آئے ہیں۔ جو میں بصد مسرت شائع کرتا ہوں۔ یہ اشعار بطور عید مبارک نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کو مالیر کوٹلہ میں بطور عید کارڈ کے لکھے تھے۔ تحریر فرمایا ؎

عید مُبارک!

(حضرت ام المومنین)

تم تو اپنے گھر میں بیٹھی خُرّم و دِلشاد ہو
ہر طرح کے فکر و غم سے دُور ہو آزاد ہو
دیکھکر بچّوں کو اپنے گرد ہنستے، کھیلتے
فضلِ مولےٰ سے مناتی عید کیا، اعیاد ہو
حال کیا اُسکا بتاؤں، جس کی بچّی ہو جُدا
تم بُھلا بیٹھی ہو اُسکو، پر اُسے تم یاد ہو

(۱ جنوری ۴۳)

مُنشی عبدالعزیز صاحب اوجلوی جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پُرانے صحابہ میں سے ہیں۔ انہوں نے ایک روایت حضرت امّ المومنین کے ادبی ذوق کے متعلق میرے پاس بیان فرمائی۔ انہوں نے بیان کیا۔ کہ:-

ابتدائی زمانہ میں اس امر کا ذکر حضرت خلیفہ اولؓ کے بعض طالب علموں میں ہوا۔ کہ حضرت ام المومنین شعر لکھ سکتی ہیں۔ چنانچہ اس امر کا اندازہ لگانے کے لئے ایک طالب علم مولوی نظام الدین صاحب نے ایک کاغذ پر اُس روٹی کی شکایت لکھ کر بھیجی جو اندر سے پک کر آتی تھی۔ لکھا ؏

اگر روٹی یہی بُڑھیا پکاوے
کرو رخصت کہ پھر سب گھر کو جاویں
و اِلّا عرض کرنا ہے ضروری
کہ ہو روٹی مصفّا اور تنوری

مولوی نظام الدین صاحب نے جو رباعی لکھی، وہ تو نری تک بندی ہی تھی۔ مگر چونکہ اُن کو حضرت ام المومنین کا امتحان کرنا مقصود تھا، اسلئے وہ جو کچھ بھی لکھ سکے انہوں نے لکھدیا۔ اور ایک لڑکے کے ہاتھ اندر بھیجدیا۔

حضرت ام المومنین نے اس کاغذ کی پُشت پر اسی وقت پنسل سے حسب ذیل رباعی لکھدی۔ ع

ہمیں تو ہے یہی بُڑھیا غنیمت
جو روٹی کو پکا دیتی ہے بروقت
جسے بُڑھیا کے ہاتھوں کی نہ بھائے
تو لا دے اسکو جو اچھی پکا دے

یہ فی البدیہ رباعی جو آپ نے لکھی اپنے اندر وہی رُوح رکھتی ہے۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس واقعہ میں ہے، جو ایک نانبائی کی شکایت کے متعلق آپ کی سیرت میں موجود ہے۔

ایک نظم کے متعلق اظہارِ پسندیدگی

۱۹۳۹ء کے اوائل میں محلہ دارالرحمت میں ایک جلسہ منعقد ہُوا جس میں حضرت ام المومنین بھی تشریف فرما تھیں۔ اُس میں عزیز مکرم میاں عبدالستار صاحب قمر اجنالوی نے اپنی ایک نظم پڑھی جسکا مطلع یہ تھا ؎

کس شان سے مسلم آئے تھے اے ہند! تیرے میدانوں میں
شمشیر بکف قرآن بلب، تھا جوش عجب، دیوانوں میں

حضرت ام المومنین نے اس نظم کو بہت پسند فرمایا۔ اور ملک عبدالعزیز صاحب مولوی فاضل کے ذریعے اس نظم کو لکھوا کر منگوایا۔ اس نظم کی وجہ سے پھر بھی کبھی کبھی قمر صاحب کو اپنی نظمیں سنانے کا اتفاق ہوا۔ جنہیں سُنکر حضرتہ عُلیا پسندیدگی کا اظہار فرمایا کرتیں۔

حضرت ام المومنین کا ہمیشہ یہ معمول ہے۔ کہ آپ کوئی نہ کوئی کتاب، پڑھوا کر سُنتی رہتی ہیں۔ جس سے آپ کے علمی اور ادبی ذوق کا بآسانی پتہ لگ سکتا ہے۔

حضرت اُمُّ المومنین کا جُود و کرم

حضرت ام المومنین کے جود و کرم کی اتنی روایات موجود ہیں۔ کہ اُن کو جمع کرنے سے بذاتِ خود ایک کتاب بنجاتی ہے۔ مگر میں حضرت ام المومنین کے جود و کرم کی یہاں چند روایات بطور نمونہ درج کرتا ہوں۔ تفصیل آئندہ جلد میں دی جاسکے گی۔

عزیز مکرم ملک مبارک احمد صاحب ایمن آبادی نے دو روایتیں حضرت ام المومنین کے جُود و کرم کے متعلق لکھی ہیں۔

پہلی روایت انہوں نے جناب مولوی محمد الدین صاحب سابق مبلغ امریکہ کی زبانی لکھی ہے۔ جو انہوں نے کسی گفتگو کے دوران میں بیان کی۔

(۱) کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں حضرت ام المومنین موسم سرما کے شروع ہوتے ہی اپنے خرچ سے بہت سی نئی رضائیاں تیار کروا کر غرباء میں تقسیم فرمایا کرتی تھیں۔

(۲) دوسرا واقعہ انہوں نے اپنی ہمشیرہ کے متعلق لکھا ہے۔ جو حضرت اماں جان کے پاس رہا کرتی تھیں۔ سنہ ۱۹۲۶ء میں جب اُن کی شادی ہوئی، تو حضرت ام المومنین علیہا السلام نے مبلغ ساٹھ (۶۰) روپے کا طلائی گلوبند جو غالباً ۳ تولے خالص سونے کا تھا۔ اسے تحفۃً عطا فرمایا...

مولوی سید عبدالحلیم صاحب کٹکی کی بیوی محترمہ مسرت النساء عرف روضہ بی بی نے سونگڑا (اڑلیسہ) نے حضرت ام المومنین کی ایسی ہی عطا کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتی ہیں۔ کہ:۔

سنہ ۱۹۳۸ء میں میں پہلی بار قادیان گئی۔ اڑلیسہ میں چونکہ بُرقعے کا رواج نہیں۔ اس لئے میں مونگھیر کی ایک بہن سے ایک بُرقع مستعار لیکر آئی۔ جو غلاف کی طرح سے تھا۔ اور دامن کیطرف سے اوڑھا جاتا تھا۔ اور اسی طرف سے نکالا جاتا تھا۔ مجھے اوّل تو بُرقعے کی عادت نہ تھی۔ اور کچھ بُرقعہ غلاف کیطرح تھا۔ اسے پہن کر میں راستہ میں چل نہ سکتی تھی۔ مائی کاکو صاحبہ مجھے مہمانخانے سے اس طرح لے گئیں۔ جیسے کوئی اندھے کو لیکر جاتا ہے۔ اور اسی طرح لے جاکر مجھے اماں جان کے دربار میں کھڑا کر دیا۔ حاضرات مجلس نے قہقہہ مارا۔ بُرقعہ اتارا تو میری ساڑھی کا پلّو اور بال سب اُلٹ گئے۔ اور اُلجھ گئے۔

اماں جان نے بعد جواب سلام و پُرسش احوال پہلا سوال بُرقعے کا کیا۔ میں نے حال سُنایا۔ تو آپ نے حکم دیا۔ ہمارا وہ بُرقعہ لاؤ۔ بُرقعہ ہلکے زرد رنگ کا تھا۔ اور مصری طرز کا۔ جس کے دو حصے تھے۔ ایک کوٹ کی طرح۔ اور ایک سر پہ چادر کیطرح۔ فرمایا۔ اس کو پہن کر دیکھو۔ میں کھڑی ہوگئی اور پہنکر بے ساختہ میرے مُنہ سے نکلا۔ اماں جان! اب تو چودہ طبق

روشن ہو گئے۔ آپ ہنس پڑیں۔ اور فرمایا۔ اس کو پہنکر قادیان میں آنا جانا کیا کرو۔

واپسی پر جب مَیں حاضر ہوئی۔ تو بُرقعہ واپس دینے کو مَیں نے پوچھا فرمایا۔ تمہاری طرف تو استعمال نہیں ہوتا۔ تم لیکر کیا کرو گی۔ مَیں نے عرض کیا۔ کہ اب جبکہ آپ نے عنایت کیا ہے۔ تو ضرور استعمال کروں گی۔ اور اس عطاء کے بعد مَیں اسکو کیسے چھوڑ سکتی ہوں۔ مسکرا کر فرمایا۔ اچھا لے جاؤ۔ غالبًا یہ پہلا ہی برقعہ ہے۔ جو صرف اور صرف مجھے حاصل ہوا۔"

مکان کیلئے زمین

(۱) محترمہ استانی سکینۃ النساء بیگم لکھتی ہیں کہ:۔

"جب عزیزہ محترمہ صاحبزادی امۃ الحفیظ صاحبہ ۵۔۶ سال کی ہوئیں۔ تو اماں جان نے فرمایا۔ کہ امۃ الحفیظ کو پڑھاؤ۔ سو اس عاجزہ نے صاحبزادی صاحبہ کو اردو لکھنا۔ پڑھنا سکھانا شروع کیا۔

اس اثناء میں اماں جان نے ایسی ایسی مرحمتیں عطا فرمائیں۔ کہ مجھے کسی قسم کا فکر و اندیشہ اپنی ضروریات زندگی کا نہ تھا۔ اور جب محترمہ صاحبزادی صاحبہ کی شادی ہوئی۔ تو اپنی شفقتِ خاص سے اپنے قدموں میں زمین عطاء کی۔ کہ اس پر مکان بنا لو۔

جہاں یہ واقعہ ایک طرف علمی قدردانی کا ایک ثبوت پیش کرتا ہے۔ وہاں آپ کی فیاضیٔ طبع کا بھی۔

(۲) ایک دفعہ ایک ملتان کی فقیرنی کمبل اوڑھے۔ گلے میں لمبی تسبیح

ڈالے گھر میں آگئی۔ اور لگی اپنی غیر معمولی کرامات کی بڑیں مارنے۔ ہم سب عورتیں جماعت کے ساتھ نماز پڑھ کر بیٹھی تھیں۔ کہ وہ باہر شہ نشین پر بیٹھ گئی۔ عورتیں اسکو حیرت، تعجب اور تماشے کے طور پر دیکھ رہی تھیں اور وہ منتظر تھی۔ کہ میں ابھی ایک دو عورتوں کا ہاتھ دیکھ کر قسمت کا حال بتاؤنگی۔ اتنے میں اماں جان نماز سے فارغ ہو کر باہر نکلے۔ اور اس کی مٹھی میں ایک روپیہ دیدیا۔ اماں جان تو اندر جا کر قرآن کریم پڑھنے بیٹھ گئیں اور وہ روپیہ لے کر یوں بھاگی۔ کہ مڑ کر بھی نہ دیکھا"

(۳) آپ نے کئی یتیم لڑکیوں کو پرورش کیا۔ ان کی عمدہ اور بہترین تربیت کر کے پھر اپنی عنایت و مہربانی سے اچھے اچھے رشتے تلاش کر کے ان کو گھر والیاں بنا دیا۔ کئی یتیموں، مسکینوں اور بیواؤں کو ضروری امداد بہم پہنچائی۔ ان کو کھانا۔ پہننا۔ اور ہر طرح کا سامانِ ضروریات زندگی عطا فرمایا۔ کئی غریب عورتوں کو آپ خفیہ خفیہ فیس دیتے رہتے ہیں۔ اور یہ بارہا دیکھا گیا ہے"

آپ کی فیاضی کی ایک اور مثال

حافظ مولوی غلام رسول صاحب وزیر آبادی حضرت ام المومنین کی فیاضی کے متعلق اپنے ذاتی واقعات کو یوں تحریر کرتے ہیں :-

"۱۹۱۶ء یا ۱۹۱۷ء میں جب میں مولوی عبید اللہ صاحب مرحوم شہید ماریشس کے بال بچوں کو لانے کے لئے ماریشس جانیوالا تھا۔ تو میں بغرضِ حصولِ پاسپورٹ گورداسپور گیا۔

(۱) "ملک مولا بخش صاحب کلرک آف دی کورٹ حال پریذیڈنٹ ٹاؤن کمیٹی قادیان وہاں تھے میں جب ان کے مکان پر گیا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ حضرت ام المومنین ایدہا اللہ بھی آپ کے مکان پہ ہیں۔ آپ کو جب میرے مارشیس جانے کا علم ہوا۔ تو آپ نے مجھے دس دس روپے کے دو نوٹ مرحمت فرمائے جو آپ کی فیاضی اور دینی امور میں اعانت کا ایک ثبوت تھے۔"

(۲) "میں عرصہ بارہ سال سے ہجرت کر کے قادیان آگیا ہوں۔ اور تقریباً سات سال سے مرض فالج میں مبتلا ہوں۔ اس لمبے عرصہ میں حضرت ام المومنین ہمیشہ وقتاً فوقتاً مجھے اپنے عطیہ جات سے مستفیض فرماتی رہیں۔

ایک دن ایک عورت جو غریبانہ طرز کی تھی میرے پاس آئی اور اس نے کھڑے کھڑے یہ کہہ کر ایک لفافہ مجھے دیا۔ کہ یہ کا غذ ام المومنین نے دیا ہے۔ اس کے بعد جب میں نے اسے کھولا۔ تو اس میں پانچ پانچ روپے کے چار نوٹ تھے۔"

حضرت اُمُّ المومنین کی فیاضی کی ایک اور مثال

حکیم محبوب الرحمٰن صاحب بنارسی کی اہلیہ صاحبہ اپنی ایک روایت میں مجھے لکھتی ہیں۔ کہ:۔

"ایک سال میں اپنا چندہ تحریک جدید ادا نہ کر سکی۔ میرے پاس میرا ایک زیور تھا۔ جو میں نے گروی رکھ کر روپیہ نکلوایا اور تحریک جدید کو بھیجدیا۔ اب مجھے اس زیور کے چھڑانے کی فکر پیدا ہوئی۔ تو میں نے حضرت اماں جان کو لکھا کہ مجھے بیس روپے درکار ہیں۔ مجھے منی آرڈر کر دیں۔ حضرت اماں جان نے

بیس۲۰ روپے مجھے بذریعہ منی آرڈر فوراً بھیج دیئے۔ اور میں نے وہ زیور چھڑا لیا۔"

مَیں اِن واقعات پر بھی کوئی تشریحی یا توضیحی نوٹ نہیں لکھ رہا۔ احباب خود اندازہ لگا لیں۔

حضرت ام المومنین اور سلسلہ کے لئے آپکی مالی قربانیاں

حضرت ام المومنین نے سلسلہ کے ہر کام میں بے دریغ روپیہ صرف کیا۔ اور آپ کی ان مالی قربانیوں کے متعلق مَیں ایک نہایت تفصیلی بحث سیرت کی دوسری جلد میں لکھنے والا ہوں۔ وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقُ

سلسلہ کی کوئی تحریک حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں اور پھر آپؑ کے بعد ایسی نہیں اٹھی۔ جس میں آپ نے مالی قربانی کا حصّہ نہ لیا ہو۔ سلسلہ کی مساجد۔ سلسلہ کے تبلیغی مشن۔ لنگر خانہ۔ لجنہ اماء اللّٰہ۔ لنڈن مسجد۔ برلن مسجد۔ لنگر کے لئے دیگوں کی ضرورتوں کا مہیّا کرنا۔ اخبار الفضل کے قیام میں حصّہ لینا۔ منارۃ المسیح۔ تحریک جدید۔ الغرض سلسلہ کی کوئی تحریک پیدا نہیں ہوئی۔ جس میں حضرت ام المومنین نے نہایت فیاضی اور فراخ دلی سے حصّہ نہ لیا ہو۔ یہاں اس حصّے میں مَیں صرف آپ کی اس مالی قربانی کو جو آپ نے تحریک جدید کے دس سالہ سلسلہ میں کی ہے، کا ذکر کرونگا۔ تاکہ معلوم ہو سکے۔ کہ اس عظیم الشان تحریک میں ام المومنین اور آپ کے خاندان نے شاندار اور قابلِ تعریف قربانی کی ہے۔

حضرت امّاں جان

[از محترمہ امۃ اللہ بشیرہ بیگم صاحبہ صدر لجنہ اماء اللہ حیدر آباد (دکن) اہلیہ مولوی سیّد بشارت احمدؐ صاحب امیر جماعت حیدر آباد (دکن)]

دامانِ نگہ تنگ و گل حُسن تو بسیار
گلچین بہار تو زِ داماں گلہ دارد

ایک مدت سے مجھے خیال تھا۔ کہ حضرت ام المومنین سلمہا اللہ تعالیٰ کے شمائل پر مَیں اپنے دیرینہ ذاتی مشاہدات میں سے کچھ لکھوں۔ مگر یہ دیکھکر کہ سلسلہ کے سارے زبردست اہلِ قلم کبھی بھی آپکی سیرت پر کوئی خامہ فرسائی نہیں کرتے۔ اور مَیں نے یہ خیال کیا۔ کہ غالباً حضرتہ علیا اماں جان کی ناپسندیگی کے مدنظر کوئی نہیں لکھتا ہو گا۔ اسلئے مَیں بھی اپنی جگہ دم گھونٹ کر خاموش ہو رہی۔

مگر اب جبکہ ہمارے قابل قدر بھائی جناب شیخ محمود احمدؐ صاحب عرفانی (اللہ تعالیٰ آپکی صحت وعمر میں برکت دیوے) نے اس مبارک کام کیلئے اخباری دُنیا میں غلغلہ مچا دیا۔ تو مَیں نے بھی اپنے دیرینہ شوق کے مدنظر چند واقعات سپردِ قلم کرتی ہوئی ڈر رہی ہوں۔ کہ کہیں میرے اس مقالہ کو ناظرین و ناظرات حضرتہ عُلیا کا ایک مکمل خاکہ زندگی ہی تصور نہ فرمالیں۔ اسلئے مَیں نے ایک فارسی شعر زیبِ عنوان کیا ہے۔ جس کا مطلب ہی یہ ہے۔ کہ میری ممدوحہ کی سیرت و حسنِ اخلاق کے تذکرے بہت کثیر ہیں۔ مَیں ان کا احاطہ نہیں کرسکتی۔

مجھے خود اپنی تنگ نگاہی صاف طور پر محسوس ہوتی ہے۔ البتہ ممدوحہ کے شمائل میں سے کچھ وہ بھی اپنے ذوق و نقطہ نگاہ سے پیش کرنا چاہتی ہوں۔

یوں تو عاجزہ کو ابتک قادیان شریف میں ۸۔۱۰ مرتبہ سے زیادہ بار حاضر ہونیکی سعادت نصیب ہوئی۔ لیکن غالباً دو موا قع ایسے آئے، کہ خاندان سمیت کافی طویل عرصہ تک مجھے قادیان جنت نشان میں رہنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ ایک تو سنہ ۱۹۲۰ء میں جبکہ حیدر آباد میں میری خوشدامن سردار بیگم صاحبہ مرحومہ کے اصرار پر سید صاحب میرے شوہر سید بشارت احمد صاحب اپنے ہم تمام کو لیکر تقریباً ۴ ماہ قادیان شریف میں حضرت ام المومنین سلمہا اللہ کے قدموں میں گذارے تھے۔

پھر دوبارہ ۱۹۳۵ء یا ۱۹۳۶ء میں تقریباً ایک سال میں معہ اپنے جملہ متعلقین کے قادیان شریف میں رہی۔ ان ہر دو موقعوں پر عاجزہ کو حضرت ام المومنین سلمہا اللہ اور خاندانِ نبوت کی تمام محترم و قابل عزت ہستیوں کو دیکھنے کی عزت حاصل رہی۔

میں بوجہ ایسے خاندان سے قریبی ربط رکھنے کے جو کہ مرشدی گھرانہ کہلاتا ہے، اس امر سے زیادہ واقف اور باخبر تھی۔ کہ عموماً مشائخین و سجادہ نشینوں کے گھروں کی معاشرت و طرزِ معیشت و طریقِ تہذیب و تمدن و لباس کا رنگ ڈھنگ، بات چیت کا طور و طریق کیسا ہوتا ہے۔ میرے والد مرحوم حضرت مولٰینا میر محمد سعید صاحب قادری (خدا تعالیٰ انہیں غریق رحمت فرمائے) ایک جید مشائخ مولٰینا حضرت شاہ عبد العزیز صاحب کشمیری مرحوم و مغفور کے واحد فرزند تھے۔ جن کے مریدین کا حلقہ ۲۔۳ لاکھ سے کم نہ تھا۔ اسیطرح میرے ننہیالی قریبی رشتہ سے نانا حضرت مسکین شاہ صاحب نقشبندی مرحوم جو

اعلیحضرت نظام دکن، اور حیدر آباد کے ملک کے ۵ لاکھ مریدین کے مرشد تھے۔ نیز میرے سسرالی رشتہ داروں میں مولوی سیّد عمر علی شاہ صاحب ویکی میاں صاحب وغیرہ جو میرے چچا خسر ہوتے تھے، بڑے مرشد تھے۔ اسلئے فطرتاً میں اس ماحول کو جس سے میں بہت حد تک مانوس اور واقف تھی، خاندانِ نبوّت میں قیاس کرنے پر مجبور تھی۔ مگر میرے ذاتی مشاہدات نے میری تمام قیاس آرائیوں پر پانی پھیر دیا۔ مجھے نہ ام المومنین میں اور نہ خاندانِ نبوّت کی کسی خاتون میں یہ بات نظر آئی، کہ وہ گفتگو و ملاقات میں کسی قسم کا تکلف کرتی ہیں، یا بناوٹ کا پہلو اختیار کرتی ہیں۔ یا کوئی خاص قسم کا مشائخانہ یا صوفیانہ لباس زیب تن فرماتی ہیں۔ یا دُنیاوی آرائش و زینت کی اشیاء سے اسقدر متنفر ہیں، کہ گویا رہبانیّت اختیار کر رہی ہیں۔ بلکہ حضرت ام المومنین اور خاندانِ نبوّت کے اس پاکیزہ بے ریا عمل کا اسقدر گہرا اثر ہر غائر نظر سے دیکھنے والے پر پڑتا ہے۔ کہ وہ اپنے آپ کو ان پاک قلوب کے آئینہ میں ریا و بناوٹ میں خود کو ملوّث دیکھتا ہے۔

مجھے خوب یاد ہے۔ اور میری حیرت کی کوئی انتہاء نہ رہی، جبکہ میں نے اپنی خوشدامن صاحبہ مرحومہ کی زندگی میں ایک انقلاب عظیم محض حضرت ام المومنین کے فیضِ صحبت کیوجہ سے دیکھا۔ وہ یہ کہ میری خوشدامن صاحبہ ایک بڑے امیر کبیر گھرانے کی خاتون تھیں۔ جو ۲۷ سال میں ہی ۳ لڑکے اور ایک لڑکی کی ماں ہو کر بھرپور جوانی میں بیوہ ہو گئیں۔ تو انہوں نے اپنی جوانی اور بیوگی کو اس قدر سادگی اور صوفیانہ رنگ میں گذارا، کہ جب میری شادی ہوئی اور ان کے خاندانی طمطراق اور خدم و حشم اور امارت کے مدنظر ان کو معمولی لباس میں ملبوس دیکھا، تو مجھے سخت حیرت ہوئی۔ مگر جبکہ میری ہی

خوشدامن صاحبہ مرحومہ حضرت ام المومنین کی صحبت میں چند ماہ رہیں، تو یہ دیکھا۔ کہ کوئی روز ناغہ نہ ہوتا، کہ وہ اس ضعیفی میں کنگی چوٹی کر کے پاک و صاف لباس اور خوشبوئی وغیرہ کا استعمال کر کے حضرت ام المومنین کی خدمت میں روزانہ نہ جایا کرتی ہوں۔ اور اس کے بعد سے انتقال تک میں نے مرحومہ کو دیکھا، کہ سابقہ اس دُنیا دارانہ وصوفیانہ طرزِ زندگی کو بالکل خیرباد کر کے متقیانہ رنگ میں اَمَّا بِنِعْمَتِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ کے ماتحت حسب ضرورت عمدہ لباس پہنا کرتیں۔ چنانچہ جب حضرت ام المومنین پر بھی یہ امر ظاہر ہوا۔ تو وہ بہت مسرور ہوئیں ۔ چنانچہ جب ہماری خوشدامن صاحبہ کا انتقال ہوا، تو حضرت ام المومنین نے ان کی اولاد کے نام ایک تعزیت نامہ اپنی انتہائی کرم فرمائی سے جو تحریر فرمایا۔ اتفاقاً وہ میرے پاس محفوظ رہ گیا تھا۔ وہ درج ذیل کرتی ہوں۔

حضرت میرے شوہر (مولوی سید بشارت احمد صاحب) و میرے دیور مولوی حکیم میر سعادت علی صاحب مرحوم کو تحریر فرماتی ہیں۔ کہ :-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

از قادیان دار الامان

۱۵ ر دسمبر ۱۹۲۳ء

عزیز انِ من سلامت رہیں!

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔ آپ کے عزیز نامہ سے یہ سُنکر ازحد رنج و تاسف ہوا۔ کہ آپ کی والدہ صاحبہ اور ہماری مخلص اخلاص مند خاتون نے داغ جُدائی دیا۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ۔ مرحومہ بہت اخلاص مند احمدی خاتون تھیں۔ ان کی علالت کی حالت میں بھی دعائیں کیں۔ مگر اللہ تعالیٰ

کو اپنے پیارے ہر طرح آرام وراحت میں رکھنے پسندیدہ ہیں۔ گو ہمارے لئے وہ جُدا اور نظروں سے پوشیدہ ہیں۔ مگر بیٹوں کے ہاتھوں سپردِ خاک ہو کر مقامِ اعلیٰ کو پہنچ گئیں۔

خدائے ذوالجلال نیکیوں کو ضایع نہیں کرتا۔ اور آخر جو ملا ہے وہ بچھڑیگا۔ چند روز بعد ہم بھی ان سے ملاقاتی ہونے والے ہیں۔

مرحومہ مغفورہ اپنے اخلاقِ حسنہ اور نیکی و تقوے کے باعث ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہیں گی۔ اور اللہ تعالےٰ ان کے نیک اعمال کے باعث اجرِ عظیم عنایت کریگا اور اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دیگا۔ باقی رہا اولاد کے لئے جُدائی کا صدمہ۔ سو جو اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پیارا رکھتے ہیں۔ وہ کبھی غمزدہ نہ ہونے چاہئیں۔ اس پیارے پر سب پیارے قربان ہیں۔

اب دُعا ہے۔ کہ خداوند کریم مغفورہ کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دیوے اور جنّت کے اعلیٰ مقامات کا وارث کرے۔ ہمکو جملہ متعلقین سے دلی ہمدردی ہے۔ والسلام

آپ کی ہمشیرہ اور بہوؤں سے خاص اظہارِ ہمدردی ہے۔ سب کو مرحومہ کی نیکیوں کا وارث بناوے۔ اور صبرِ جمیل کی توفیق عطا فرماوے۔

والدہ میرزا محمود احمدؓ
خلیفۃ المسیح علیہ السلام
از قادیان

درحقیقت میری خوشدامن نے جب سے حضرت ام المومنین کو دیکھا ان کے اخلاص و یکرنگی میں ایک خاص کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ وہ حضرت ام المومنین کی عاشق و فدائی تھیں۔ چنانچہ ایک واقعہ اسی ضمن میں درج کرتی

ہوں۔ اگرچہ حضرت ممدوحہ کا وہ مکتوب اِس وقت دستیاب نہیں ہوا مگر اس کا مفہوم مجھے یاد ہے۔ واقعہ یہ ہے، کہ :۔

حضرتہ خوشدامن صاحبہ کی مرض الموت میں جو ۴ ماہ کی طویل علالت کا زمانہ تھا، حیدرآباد کے ایک محترم احمدی نواب اکبر یار جنگ بہادر نے میری نند مسماۃ حاجی بیگم مرحومہ کے لئے اپنا پیغام دیا۔ تو حضرتہ خوشدامن صاحبہ محض اِس وجہ سے متامل ہو گئیں۔ کہ نواب صاحب ایک تو پٹھان ہیں۔ دوسرے غیر ملکی ہیں۔ ممکن ہے، بعد وظیفہ حسن خدمت یہ اپنے وطن فرخ آباد کو میری لڑکی کو نہ لیجائیں۔ تب سید صاحب نے حضرت ام المومنین کی خدمت میں عریضہ لکھا۔ جس پر حضرت ام المومنین نے خوشدامن صاحبہ کو خط تحریر فرمایا۔ اس کا مفہوم یہی تھا۔ کہ :۔

"میں یہ مناسب سمجھتی ہوں۔ کہ آپ اپنی زندگی میں اپنے ہاتھوں یہ کام کردیں۔ تاکہ آپ کو اطمینان نصیب ہو۔"

پس جونہی حضرت ام المومنین کا یہ مکتوب بسترِ علالت پر سُنایا گیا بلا کسی پس وپیش کے فوراً اسی ہفتہ میں رُخصتانہ کردیا۔ اللہ تعالیٰ نے بھی مرحومہ کے اخلاص اور حضرت ام المومنین کے اس ارشاد پر عمل کے نتیجہ میں ایک عمدہ پھل یہ عنایت فرمایا کہ میری نند مرحومہ کو ایک اولادِ نرینہ پیدا ہوئی جو کہ اسوقت بفضلہٖ تعالیٰ سردار محمود رشید الدین خان طول عمرہٗ ایک ۱۹ سالہ نوجوان ہے۔ جو علیگڈھ میں ایف۔ اے کلاس کا طالب علم ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو صالح مبلّغِ اسلام و خادمِ اسلام بنائے۔ آمین

نوٹ :۔ بقیہ مضمون جو بہت لطیف ہے۔ جلد دوم میں ملاحظہ ہو۔

تحریک جدید فنڈ میں خاندانِ نبوّت کی قربانیاں!

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اس شادی کے متعلق بتایا گیا تھا۔ کہ یہ شادی اس غرض کے لئے جس غرض کے لیے خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا ہے، بہت بابرکت ثابت ہوگی۔ چنانچہ اسے نعمت قرار دیا تھا۔ حضرت مولوی غلام رسول صاحب راجیکی اپنے ایک مکتوب گرامی میں تحریر فرماتے ہیں۔ کہ:۔

"حضرت ام المومنین کے متعلق خدا تعالیٰ نے تذکرہ میں اسقدر مدح اور بشارات نازل فرمائی ہیں۔ کہ اس طرح کی شان اور فضیلت کسی نبی کی بیوی کو حاصل نہیں ہوئی۔ قرآن کریم میں، پ میں حضرت مسیح کی نسبت فرمایا اُذْکُرْ نِعْمَتِیْ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو جب ام المومنین عطا کیں تو فرمایا اُذْکُرْ نِعْمَتِیْ"

آپ کے متعلق یہ پیشگوئی تھی۔ کہ جو اولاد آپ کے بطن سے پیدا ہوگی اور پھر جو اولاد ان سے پیدا ہوگی۔ وہ سب کے سب اس نور کی تخم ریزی میں لگ جائیں گے، جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دیا گیا۔ گویا کہ وہ احمدیت کی اشاعت، احمدیت کی تبلیغ، احمدیت کی حفاظت و صیانت اور اس کے لئے ہر قسم کی قربانیاں کرنیوالے ہوں گے۔ سلسلہ کی اشاعت و قیام کے لئے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے متعدد مدات صدر انجمن کے ماتحت قائم کیں جنمیں مخلص احمدی ہر قسم کی قربانیاں کر کے حصہ لیتے ہیں۔

حضرت ام المومنین اور آپ کی اولاد ان تمام فدا کاروں سے بڑھ چڑھ کر نہایت باقاعدگی کیساتھ ان مدات میں حصہ لے رہی ہے۔ اور اس پر نصف صدی کا عرصہ گذر چکا ہے۔

میں نے چاہا تھا کہ صدر انجمن کے ناظر صاحب بیت المال مجھے خاندانِ نبوت کی مالی قربانیوں کا ایک گوشوارہ بنا دیں۔ مگر ان کے لئے اس قسم کا حساب قلیل مدت میں تیار کرنا مشکل تھا۔ اسلئے وہ تیار نہ ہو سکا۔

۱۹۳۴ء میں حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ نے دشمنانِ احمدیت کی بڑھتی ہوئی کوششوں کو دیکھکر ایک تحریک کی۔ جس کا نام تحریک جدید رکھا۔ اس تحریک جدید میں جس طرح سلسلہ کے دیگر مردوں عورتوں نے فداکارانہ رنگ میں حصہ لیا۔ اس سے بہت بڑھ چڑھ کر حضرت ام المومنین اور آپ کے خاندان نے حصہ لیا جسکی تفصیل میں آگے پیش کرونگا۔

۱۹۳۴ء سے لیکر ۱۹۴۳ء تک خاندان کی مجموعی قربانی بہتر ہزار چھ سو ستاون روپے ہے۔ ۱۹۴۴ء کی قربانی جو دسویں سال کی قربانی ہے، ملا کر یہ رقم یقیناً **ایک لاکھ کی گرانقدر رقم** بنجاتی ہے۔ دس سال میں خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صرف ایک مد میں

ایک لاکھ کی قربانی

ان تمام دیگر مالی قربانیوں پر ہمارے لئے ایک وسیع نظر ڈالنے کا موقعہ پیدا کر دیتی ہے۔ اور ہمکو بتلاتی ہے۔ کہ کس طرح خاندان کا ہر چھوٹا بڑا فرد سلسلہ کی حفاظت، سلسلہ کی اشاعت میں لگا ہوا ہے۔ اور کس قدر شان کے ساتھ

حضورؓ کی وہ پیشگوئی جو اس مبشر اولاد کی دینی خدمات کے متعلق تھی پوری ہوئی
میں از حد ممنون ہوں چوہدری برکت علی خانصاحب فنانشل سیکرٹری تحریک جدید کا جنہوں نے نہایت محنت کے ساتھ مجھے یہ دس سالہ فہرست تیار کرا کے دی۔ اس فہرست کے ساتھ انہوں نے تحریک جدید کے متعلق ایک مفصل تقریر بھی لکھ کر دی ہے۔ اگرچہ اس تقریر کا اصل کتاب یا نفسِ موضوع کیساتھ کوئی تعلق نہیں۔ مگر اس کے پڑھنے سے تحریک جدید کی تحریک پر ایک جستہ نظر پڑ جاتی ہے۔ اور اس تحریک کی عظمت معلوم ہو جاتی ہے۔

میں فنانشل سیکرٹری صاحب کی اس تحریر کے کچھ حصہ کو اس نیت سے کہ ممکن ہے، کہ اس سے خدا تعالےٰ کے بندوں میں سے کسی کی راہنمائی ہو اور اس طرح میں بھی تحریک جدید کے مقصدِ عظیم کی خدمت میں شریک ہو سکوں۔ باوجود کاغذ کی گرانی اور کتاب کے حجم کے بڑھ جانے کے زائد صفحات لگا کر شائع کر رہا ہوں کہ شاید میری یہ ادنیٰ خدمت بارگاہِ الٰہی میں قبول ہو۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ
الْعَلِيْمُ

خاندان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریک جدید کے جہاد میں

شاندار اور قابلِ تعریف قربانیاں!

اسماء گرامی	اول	دوم	سوم	چہارم	پنجم	ششم	ہفتم	ہشتم	نہم	میزان
سیدہ ام المومنین مدظلہا العالی	۳۰۰	۳۰۰	۵۰۰	۳۰۰	۳۰۵	۳۵۰	۳۶۰	۳۶۲	۳۶۵	۳۱۴۲
سیدنا حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز	۷۲۰	۱۰۲۴	۱۸۴۰	۳۰۰۰	۲۰۸۸	۲۲۶۲	۲۲۲۶	۲۴۱۰	۲۷۸۴	۱۷۶۷۳
حضرت اقدس ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی نوسالہ قوم کی رقم وار تفصیل حسب ذیل ہے										
حضور اقدس ایدہ اللہ بنصرہ العزیز از خود	۲۰۰	۳۰۱	۵۰۰	۵۷۵	۶۰۰	۶۵۰	۷۰۰	۷۵۰	۸۰۰	
〃 〃 دربارہ احمدیہ کمیٹی	۳۰۰	۳۰۱	۵۰۰	۵۷۵	۶۰۰	۶۵۰	۷۰۰	۷۵۰	۸۰۰	
〃 〃 از سیدہ امۃ الحی صاحبہ مرحومہ	۶۰	۶۱	۷۰	۸۰	۸۴	۹۱	۹۴	۹۵	۹۷	
〃 〃 〃 سارہ بیگم 〃	۶۰	۶۱	۷۰	۸۰	۸۴	۹۱	۹۳	۹۵	۹۷	
〃 〃 از نبی کریمؐ و مسیح موعودؑ	۸۰	۳۰۱	۵۰۰	۵۷۵	۶۰۰	۶۵۰	۷۰۰	۷۵۰	۸۰۰	
〃 〃 ان روحوں کی طرف سے جو صداقت کیلئے تڑپ رہی ہیں	۱۰	۱۱	۱۰۰	۱۱۵	۱۲۰	۱۳۰	۱۵۰	۱۷۰	۱۹۰	
سیدہ ام احمد صاحبہ سلمہا اللہ	۱۰۰	۱۳۰	۱۵	۱۵۱	۱۵۲	۱۵۳	۱۵۴	۱۶۰	۱۶۱	۱۳۱۱
سیدہ ام طاہر احمد صاحبہ سلمہا اللہ	۱۷۵	۱۳/۱۲	۲۴/۸	۲۴/۴	۲۲۵	۲۳/۱۲	۲۴/۸	۲۲۴	۲۳۵	۱۹۵۷/۱۲
صاحبزادی امۃ الحکیم صاحبہ 〃	۵	۵/۴	۵/۸	۵/۱۲	۶	۶/۴	۶/۸	۸	۱۵	۶۳/۴
صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب 〃	۵	۵/۴	۵/۸	۵/۱۲	۶	۶/۴	۶/۸	۸	۱۰	۵۸/۴

اسماء گرامی	اوّل	دوم	سوم	چہارم	پنجم	ششم	ہفتم	ہشتم	نہم	میزان
صاحبزادی امۃ الجمیل صاحبہ سلمہا اللہ	۵	۵/۴	۵/۸	۵/۱۲	۶	۶/۴	۶/۸	۸	۱۰	۵۸/۴
" امۃ الباسط صاحبہ "	۵	۵/۴	۵/۸	۵/۱۲	۶	۶/۴	۶/۸	۸	۱۵	۶۳/۴
صاحبزادہ میرزا خلیل احمد صاحب "	۵	۵/۴	۵/۸	۵/۱۲	۶	۶/۴	۶/۸	۸	۲۰	۶۸/۴
صاحبزادی امۃ النصیر صاحبہ "	۵	۵/۸	۶	۶/۸	۷	۷/۸	۸	۸/۸	۹	۶۳
سیدہ ام وسیم احمد صاحبہ "	۶۰	۹۰	۱۲۰	۸۰	۶۰	۶۱	۶۲	۶۴	×	۵۹۷
" مریم صدیقہ صاحبہ "	۱۰	۹۰	۹۵	۵۰	۶۱	۶۳	۶۵	۶۷	۷۰	۵۷۱
صاحبزادی امۃ المتین صاحبہ "	۵	۵/۸	۶	۶/۸	۷	۷/۸	۸	۸/۸	۱۰	۶۴
صاحبزادہ میرزا ناصر احمد صاحب "	۶۰	۹۰	۱۵۰	۱۶۰	۷۰	۱۰۰	۱۰۱	۱۰۲	۱۰۳	۹۳۶
سیدہ منصورہ بیگم صاحبہ "	۱۰۰	۵۰	۱۲۵	۱۵۰	۱۰۰	۷۱	۸۰	۸۱	۹۰	۸۴۷
صاحبزادہ میرزا مبارک احمد صاحب "	۳۰	۵۰	۶۱	۷۱	۷۳	۷۵	۷۶	۷۷	۱۰۰	۶۱۳
صاحبزادی طیبہ بیگم صاحبہ "	۱۰	۱۵	۲۰	۲۵	۳۰	۴۰	۴۱	۴۲	۵۵	۲۷۸
صاحبزادہ میرزا مجیب احمد صاحب "	۵	۵/۱	۵/۲	۵/۳	۵/۴	۵/۵	۵/۶	۵/۷	۵/۸	۴۷/۴
" " منور احمد صاحب "	۳۰	۵۰	۶۱	۶۵	۶۷	۶۹	۷۱	۷۵	۸۰	۳۶۸
سیدہ محمودہ بیگم صاحبہ "	۱۰	۱۵	۲۰	۲۵	۳۰	۳۵	۴۰	۴۵	۵۰	۲۷۰
میاں عبدالرحیم احمد صاحب "	۵	۸	۳۰	۲۱	۲۲	۲۳	۴۲	۶۱	۷۰	۲۷۲
سیدہ امۃ الرشید صاحبہ "	۵	۲۰	۳۰	۳۱	۳۲	۳۳	۶۰	۶۱	۷۰	۳۴۲
حضرت میرزا بشیر احمد صاحب سلمہ اللہ	۳۰۰	۴۰۰	۴۸۰	۳۱۲	۳۱۵	۳۱۸	۳۲۱	۳۲۴	۳۳۰	۳۱۰۰
سیدہ ام مظفر احمد صاحبہ سلمہا اللہ	۳۰	۵۰	۷۰	۱۰۰	۵۰	۵۱	۵۲	۵۴	۵۵	۵۱۲
صاحبزادہ مظفر احمد صاحب سلمہ اللہ	۳۰	۶۰	۷۵	۱۵۰	۱۶۵	۲۵۰	۲۷۵	۲۷۰	۴۰۰	۱۶۷۵
سیدہ امۃ القیوم صاحبہ سلمہا اللہ	۱۰	۲۰	۳۱	۵۰	۶۰	۱۲۰	۱۳۰	۱۳۵	۱۴۰	۶۹۶

اسماءِ گرامی	اول	دوم	سوم	چہارم	پنجم	ششم	ہفتم	ہشتم	نہم	میزان
صاحبزادہ مرزا حمید احمد صاحب سلمہ اللہ	۹	۱۰	۲۵	۲۶	۲۵	۱۵	۲۵	۳۰	۵۰	۲۱۵
سیدہ امۃ العزیز صاحبہ سلمہا اللہ	۱۰	۲۰	۲۵	۲۶	۳۰	۴۰	۴۵	۴۶	۵۰	۲۹۲
صاحبزادہ مرزا منیر احمد صاحب سلمہ اللہ	×	×	۲۵	۲۵	۳۰	۱۵	۱۷	۲۱	۱۲۱	۲۵۴
سیدہ طاہرہ صدیقہ صاحبہ سلمہا اللہ	۱۰	۱۵	۲۰	۲۵	۳۰	۴۰	۴۵	۵۰	۶۱	۲۹۶
صاحبزادہ مرزا مبشر احمد صاحب سلمہ اللہ	۵	۶	۷	۸	۹	۱۴	۱۵	۱۶	۱۷	۹۷
″ ″ مجید احمد ″	۵	۶	۷	۸	۹	۱۲	۱۲/۸	۱۵	۲۴	۹۸/۸
″ حضرت مرزا شریف احمد صاحب	۱۰۰	۱۵۰	۱۵۰	۱۰۰	۱۰۱	۱۰۲	۱۰۳	۱۵۰	۲۵۰	۱۲۰۶
″ ″ صاحبہ بیگم ″ ″	۶۰	۹۰	۱۵۵	۲۰۰	۱۵۰	۱۰۰	۱۰۱	۱۰۵	۱۰۷	۱۰۶۸
″ صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب	۵	۱۵۰	۲۰۰	۲۱۰	۲۱۱	۳۵	۴۵	۵۰	۱۲۰	۱۰۲۶
″ صاحبزادی سیدہ ناصرہ بیگم صاحبہ	۱۰۰	۱۵۰	۲۰۰	۲۱۰	۲۱۰	۵۰	۵۵	۶۰	۱۵۰	۱۱۸۵
″ صاحبزادہ مرزا داؤد احمد صاحب	۵	۳۰	۳۱	۳۲	۳۳	۳۴	۴۰	۵۰	۲۰۰	۴۵۵
″ ″ ″ بیگم صاحبہ	۱۰	۱۵	۲۰	۲۵	۲۵	۴۰	۴۵	۵۰	۱۰۰	۳۳۰
″ حضرت نواب خان محمد علی خان صاحب	۳۰۰	۵۰۰	۷۰۰	۵۰۰	۵۵۰	۲۰۰	۲۰۱	۱۰۰	۱۰۰	۳۱۶۶
″ سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ	۳۰۰	۵۰۰	۶۲۵	۷۱۰	۷۲۵	۷۴۰	۷۰۵	۷۷۰	۸۰۰	۵۹۲۵
″ میاں محمد احمد خان صاحب	۳۰	۳۱	۵۰	۵۵	۵۶	۳۰	۳۱	۷۰	۱۰۰	۴۵۳
″ ″ ″ بیگم صاحبہ	۱۰	۱۵	۲۰	۲۵	۳۰	۳۰	۳۱	۵۰	۸۰	۲۹۱
″ ″ حامد احمد خان صاحب پسر	۵	۶	۷	۱۰	۱۱	۱۰	۱۳	۲۵	۴۵	۱۳۱
″ ″ صاحبزادی راشدہ بیگم صاحبہ	۵	۵	۵	۵	۵	۵	۶	۱۵	۳۵	۸۶
″ میاں مسعود احمد خان صاحب	۳۰	۳۱	۳۱	۴۰	۴۵	۵۰	۵۵	۵۸	۶۰	۴۰۰
″ ″ ″ بیگم صاحبہ	۱۰	۱۵	۲۰	۲۵	۳۰	۳۵	۴۰	۳۱	۳۵	۲۶۱

اسماء گرامی	اوّل	دوم	سوم	چہارم	پنجم	ششم	ہفتم	ہشتم	نہم	میزان
حضرت نواب محمد عبد اللہ خان صاحب سلمہ اللہ	۵۰۰	۶۵۰	۷۵۰	۵۵۰	۶۰۰	۶۰۱	۶۲۶	۶۳۱	۱۱۰۰	۶۰۰۸
" سیدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ "	۲۰۰	۳۵۰	۴۵۰	۳۰۰	۳۵۰	۳۵۱	۲۷۶	۳۰۱	۴۰۰	۳۱۵۸
صاحبزادی قدسیہ بیگم صاحبہ "	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۲	۲۰	۲۵	۱۰۲
میاں عباس احمد خان صاحب "	۱۰۰	۵۰	۶۵	۷۰	۷۵	۷۶	۷۷	۷۸	۸۰	۶۷۱
مرزا عزیز احمد صاحب معہ اہل و عیال و اہلیہ مرحومہ و سعید احمد صاحب مرحوم و مبارک احمد صاحب مرحوم	۳۱۰	۳۶۵	۶۰۰	۳۱۰	۳۰۵	۴۰۸	۴۱۵	۴۲۰	۵۷۵	۳۸۸۸
میرزا رشید احمد صاحب سلمہ اللہ	۳۰۰	۶۰۰	۹۰۰	۴۰۰	۴۲۵	۴۵۰	۴۵۵	۵۰۰	۵۲۵	۴۵۵۵
سیدہ امۃ السلام صاحبہ "	۱۰۰	۱۵۰	۲۰۰	۲۰۱	۲۰۵	۲۰۶	۲۰۶	۲۰۷	۲۰۸	۱۶۸۳
بیوہ مرحومہ میرزا فضل احمد صاحب مرحوم	۵	۵/۱	۵/۲	۵/۳	۵/۴	۵/۵	۵/۶	۵/۷	۵/۸	۴۷/۴
مرزا سعید احمد صاحب مرحوم ابن میرزا عزیز احمد صاحب سلمہ اللہ	۳۰	۶۰	فوت ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون مرحوم اپنے والد صاحب کے ساتھ شامل ہیں۔							۹۰
مبارک احمد صاحب مرحوم ابن میرزا عزیز احمد صاحب سلمہ اللہ	اپنے والد صاحب میرزا عزیز احمد صاحب سلمہ اللہ کے ساتھ شامل ہیں						۱۳	۱۵	فوت ہوگئے	۲۸
سیدہ امۃ الودود صاحبہ مرحومہ دختر حضرت میرزا شریف احمد صاحب	۵	۶	۷	۸	۹	۱۵	فوت ہوگئیں انا للہ وانا الیہ راجعون			۵۰
کل میزان	.	.	.	.	.	.	.	.	.	۴۲۶۵۷

تیار کنندہ:- طالب دعا عبد الرحیم عفا اللہ عنہ عادلگڑھی محلہ دار البرکات قادیان۔

خاکسار برکت علی خان:-

فنانشل سیکرٹری تحریک جدید جماعت احمدیہ قادیان دار الامان

تحریک جدید کے دس سالہ جہاد میں خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی شاندار اور قابلِ تعریف قربانیاں!

حمد و ثنا اسی کو جو ذاتِ جاودانی + ہمسر نہیں ہے اس کا کوئی نہ کوئی ثانی

تمام قسم کی تعریفیں اس ذاتِ پاک کیلئے ثابت ہیں، جو تمام جہانوں کے پالنے والا ہے۔ بے انت درود و سلام ہو اس نبیوں کے سردار پر جو اسکے دوستوں میں سے سب سے برگزیدہ اور سب سے زیادہ پیارا ہے۔ اور اسکی تمام مخلوق اور ہر ایک پیدائش سے پسندیدہ اور خاتم الانبیاء اور فخر اولیاء ہے۔ وہ ہمارا سید ہمارا امام ہمارا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم جو زمین کے باشندوں کے دل خوش کرنے کے لئے خدائے وحدہٗ لاشریک کا آفتاب ہے۔

بیشمار اور ان گنت سلام اور درود نازل ہوں خدائے پاک کے اس برگزیدہ بندے پر جسے اس نے اس زمانہ کیلئے مسیح موعود اور مہدی معہود کر کے بھیجا۔ سلام اور درود ہوں اس کی آل و اصحاب پر اور اسکے نیک بندوں پر سلام ہوں۔ سلام درود ہوں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب و صدیقین پر جو اپنے امام پاک امام کی ہدایات پر عمل کرتے اور خدا کی راہ میں قربانیاں کرتے ہوئے اپنے مولا کو خوش کرنے کی جدوجہد میں مصروف ہیں۔

الٰہی تو اپنے رحم سے احمدیہ جماعت کو توفیق بخش۔ کہ وہ اپنے امام سیدنا حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالےٰ کی ہدایت کے ماتحت تیری راہ میں وہ شاندار قربانیاں کرے۔ جس سے ان تمام کو تیری رضا حاصل ہو جائے۔ تو جماعت کی

تمام کمزوریوں، سستیوں اور غفلتوں سے درگذر فرما۔ کہ تیرا نام ستار و غفار ہے۔ تو اپنے بندے محمود جو تیرے نام اور تیرے اسلام کا جھنڈا ہر ایک ملک، ہر ایک جگہ، اور ہر مقام پر گاڑنے کے لئے رات دن کوشاں ہے، اپنے فضل و رحم سے کامیاب فرما۔ اور اسے وہ صحت کاملہ عطا فرما، جس سے رہتی دنیا تک اس کا فیض جاری رہے۔

اس کے بعد واضح ہو، کہ تمام دنیا کو یہ بات معلوم ہے۔ کہ آج سے نو سال قبل اسلام اور احمدیت کا دشمن اپنے سارے لاؤ لشکر سمیت اسلام اور احمدیت پر حملہ آور ہوا، احمدیت کے اولو العزم جرنیل، پہلوانِ جلیل نے جو خدا کا "موعود خلیفہ" ہے اس دشمن کو شکست دینے کے لئے میدانِ عمل میں آیا۔ اور اس نے احمدیت کے ہر ایک سپاہی سے یہ چاہا۔ کہ وہ مقابلہ کے لئے آوے۔ چنانچہ آپ نے احمدیت کے ہر ایک سپاہی سے انیس مطالبات کئے۔ ان انیس مطالبات کا نام "تحریک جدید" رکھا گیا۔

ان مطالبات میں سے پہلا مطالبہ یہ تھا اور ہے۔ کہ ہر ایک احمدی عورت ہو یا مرد سادہ زندگی بسر کرے۔

دین کی خاطر خاص قربانیاں کرنے کیلئے ماحول پیدا کرنیکی ضرورت

مخلصین جماعت احمدیہ سے جانی اور مالی قربانیوں کے مطالبات

"میں کہتا ہوں کوئی قربانی کام نہیں دے سکتی۔ جب کہ اس کے لئے ماحول پیدا نہ کیا جائے۔ یہ کہنا آسان ہے۔ کہ ہمارا مال سلسلہ کا ہے۔ مگر جب ہر شخص کو کچھ روپیہ کھانے پر اور کچھ لباس پر اور کچھ مکان کی حفاظت یا کرایہ پر۔ کچھ علاج پر خرچ کرنا پڑتا ہے۔ اور پھر

اس کے پاس کچھ نہیں بچتا۔ تو اس صورت میں اس کا یہ کہنا کیا معنی رکھتا ہے۔ کہ میرا سب مال حاضر ہے۔ اس قسم کی قربانی نہ قربانی کرنے والے کو کچھ نفع دے سکتی ہے۔ اور نہ سلسلہ کو ہی اس سے فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ سلسلہ ان کے الفاظ کو کہ میرا سب مال حاضر ہے، کیا کرے۔ جبکہ سارے مال کے معنے صفر کے ہیں۔ جس شخص کی آمد سو روپیہ اور خرچ بھی سو روپیہ ہے۔ وہ اس قربانی سے سلسلہ کو کوئی نفع نہیں پہنچا سکتا۔ جب تک کہ پہلے خرچ کو نوّے پر نہیں لاتا۔ تب بیشک اسکی قربانی کے معنے دس فیصدی قربانی کے ہونگے۔ پس ضروری ہے۔ کہ قربانی کرنے سے پیشتر اس کے ماحول کو پیدا کیا جائے۔"

"اصل بات یہ ہے، کہ قربانی کرنا مشکل نہیں، ایمان لانا مشکل ہے۔ جس کے دل میں ایمان پیدا ہو جائے اُس کیلئے کوئی بھی قربانی مشکل نہیں ہوتی۔ اور میں امید کرتا ہوں۔ کہ جن مردوں کے دلوں میں ایمان ہے وہ عورتوں کے، اور جن بچوں کے دلوں میں ایمان ہے وہ اپنے ماں باپ کی مدد کریں گے۔ اور آئندہ قربانیوں کے بارہ میں ایکدوسرے کے ساتھ تعاون کریں گے۔"

پس جماعت سے قربانی کا پہلا مطالبہ یہ ہے۔ کہ کھانے میں سادگی پیدا کیجائے یعنی ایک سے زیادہ سالن استعمال نہ کیا جائے۔

تحریک جدید امانت فنڈ اور احرار کی خطرناک شکست!

"دوسرا مطالبہ یہ کہ جماعت کے مخلص افراد کی ایک ایسی جماعت نکلے جو اپنی آمد کا ۱/۵ سے ۱/۳ تک سلسلہ کے مفاد کے لئے "تحریک جدید"

میں جمع کرائے۔ اسکی صورت یہ ہو، کہ جس قدر وہ مختلف چندوں میں دیتے ہیں یا دوسرے ثواب کے کاموں پر خرچ کرتے ہیں وہ سب رقم اس حصہ میں سے لوٹا لیں۔ باقی رقم اس تحریک کی امانت میں جمع کرا دیں۔ بہر حال یہ قربانی مالی لحاظ سے بھی مفید ہوگی۔ انشاء اللہ۔"

اس میں فائدہ یہ ہے، کہ احتیاط اور کفایت کے ساتھ دوست خرچ کرینگے، اور بچت کر سکیں گے۔ تین سال کے بعد تمام کی تمام رقم بصورت نقدی یا بصورت جائیداد انہیں واپس ملجائیگی۔ یہ چیز چندہ تحریک جدید سے کم اہمیت نہیں رکھتی اور پھر اسمیں یہ سہولت ہے، کہ اس طرح تم پس انداز کر سکو گے۔ اگر کوئی شخص اپنے عمل سے ثابت کر دیتا ہے۔ کہ اسکے پاس جائیداد ہے۔ اتنی ہی قربانی کی روح اسکے اندر موجود ہے۔ تو اس کا جائیداد پیدا کرنا بھی دین کی خدمت ہے۔ اس کا دُنیا کمانے میں وقت لگانا بھی نماز سے کم نہیں۔

امانت فنڈ تحریک جدید کے ذریعہ احرار کو خطرناک شکست ہوتی ہے اتنی بڑی شکست کہ میں سمجھتا ہوں، کہ ان کی شکست میں کم از کم ۲۵ فیصدی حصہ امانت فنڈ تحریک جدید کا ہے۔ باوجود اس قدر فوائد ہونیکے دوستوں کا تمام روپیہ محفوظ ہے۔ مَیں سمجھتا ہوں، کہ اگر دس بارہ سال تک ہماری جماعت کے دوست اپنے نفسوں پر زور ڈالکر امانت فنڈ تحریک جدید میں روپیہ جمع کراتے رہیں، اور اس دوران میں جسکو ضرورت ہو، وہ روپیہ لیتا رہے، تو خدا کے فضل سے قادیان اور اس کے گرد و نواح میں، ہماری جماعت کی مخالفت ۹۵ فیصدی کم ہو جائے۔

"تحریک جدید کا امانت فنڈ الہامی تحریک ہے!"

غرض یہ تحریک ایسی اہم ہے، کہ میں تو جب بھی تحریک جدید کے مطالبات کے

متعلق غور کرتا ہوں۔ ان سب میں سے " امانت فنڈ تحریک جدید کو دیکھکر خود حیران ہو جایا کرتا ہوں۔ اور سمجھتا ہوں، کہ امانت فنڈ تحریک جدید کی تحریک، الہامی ہے کیونکہ بغیر کسی قسم کے بوجھ اور غیر معمولی چندہ کے، اس فنڈ سے ایسے ایسے کام ہوتے ہیں جو جاننے والے جانتے ہیں، وہ ان کی عقل کو حیرت میں ڈال دینے والے ہیں۔ اب جو نیا فتنہ اٹھا تھا۔ اس نے بھی اگر زور نہیں پکڑا۔ تو درحقیقت اس میں بہت حصہ تحریک جدید کے امانت فنڈ کا تھا۔ پس جو دوست اس میں شامل نہیں ہوئے وہ اس وقت شامل ہو جائیں۔

پس اب اس امانت فنڈ کے بارہ میں حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے، کہ جب چاہے واپس لے لے۔ لہذا جو دوست ابتک ایسی اہم امانت فنڈ میں شامل نہیں ہوئے وہ اب شامل ہو جائیں۔

سال اوّل میں چندہ تحریک جدید کی قربانیوں کا مطالبہ

امانت فنڈ تحریک جدید کے مطالبہ کے بعد تیسرا مطالبہ " دشمن کے گندے لٹریچر کا جواب " چوتھا " تبلیغ بیرون ہند " پانچواں " تبلیغ خاص " اور چھٹا مطالبہ " سروے سکیم " بطور چندہ کے تھا۔ پہلے سال میں ان چاروں مدات کے لئے حضور ایدہ اللہ نے مخلصین جماعت سے ساڑھے ستائیس ہزار کا مطالبہ فرمایا۔ مگر خدا کے فضل اور اس کی ہی دی ہوئی توفیق سے احمدیہ جماعت نے اپنے امام کے حضور وہ شاندار اور قابل تعریف نمونہ پیش کیا۔ جو ایک مخلص مومن کا فرض ہے۔ اور ان مومنوں کے اس نمونہ کی مثال سوائے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کے اور کہیں نہیں ملتی۔ چنانچہ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کے حضور ایک لاکھ دس ہزار روپیہ نقد قدموں میں لا ڈھیر کیا۔ جو حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کے اصل مطالبہ سے چار گنا ہے۔ یہی وجہ

کہ بعد میں مدات مذکورہ بالا کی تقسیم نہیں رہ سکی۔ اور حضور ایدہ اللہ تعالےٰ نے منظوری عطا فرما دی تھی۔ کہ بجائے مدات کے اس کا نام "چندہ تحریک جدید" رکھا جائے۔

احباب کو یاد رہے۔ کہ:۔

"یہ غفلت کا زمانہ نہیں ہے۔ یہ خیال مت کرو۔ کہ آج نہیں تو کل ثواب کا موقعہ مل جائے گا۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی ہے۔ کہ ایک زمانہ ایسا آئیگا۔ کہ جب توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔ اور یہ مسیح موعودؑ کے زمانہ کے متعلق ہی ہے۔ پس ڈرو اس دن سے کہ جب تم کہو۔ کہ ہم جان و مال دینا چاہتے ہیں۔ مگر جواب ملیگا۔ کہ اب قبول نہیں کیا جا سکتا ہے۔"

پس احباب کو تحریک جدید کے جہاد میں جلد سے جلد اپنے آپ کو شامل کرنا چاہیئے۔ اللہ تعالےٰ توفیق بخشے

تحریک جدید سال دوم کا مطالبہ!

حقیقی قربانی کا ثبوت

"میں جماعت کو بتا چکا ہوں۔ کہ ابتلاؤں کا ایک لمبا سلسلہ ان کے سامنے ہے۔ ایک نہ ختم ہونیوالی جنگ انکے سامنے ہے۔ جسے خدا تعالیٰ کا ہاتھ ہی ختم کریگا۔ گذشتہ قوموں سے زیادہ قربانیوں کی امید اُن سے کیجاتی ہے۔ چونکہ ان کے سپرد دُنیا کی جنگ کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ پس یاد رکھو کہ جو اسوقت کی حقیر قربانی نہیں کر سکتا۔ کہ یہ جو مطالبات میں کر رہا ہوں آئیندہ کے مقابلہ یہ بالکل حقیر ہیں۔ اُسے اس سے بڑی قربانیوں کی توفیق نہیں ملسکتی

جو آج چھوٹی کلاس کا سبق یاد نہیں کرتا وہ کل کے بڑے امتحان میں ضرور فیل ہوگا۔ جو آج قربانی کی مشق نہیں کرتا وہ کل ضرور میدانِ کارزار سے بھاگیگا۔ منافق یہی کہتے ہوئے مر جائینگے، کہ ہائے چندہ، ہائے چندہ۔ مگر ان کا ٹھکانا خدا کے پاس نہیں ہوگا۔ ان کی باتوں میں نہ آؤ۔ پس میں دوسرے سال کی تحریک کا اعلان کرتے ہوئے اس امید کا اظہار کرتا ہوں، کہ دوست پہلے سے زیادہ اس سال حصہ لینگے۔ اور حقیقی قربانی کا ثبوت دینگے تا ایمان کی قیمت میں اضافہ کا ثبوت مل سکے۔"

"میں اللہ تعالیٰ پر اس تحریک کی تکمیل کو چھوڑتا ہوں۔ کہ یہ کام اسی کا ہے اور میں صرف ایک حقیر خادم ہوں۔ لفظ میرے ہیں، مگر حکم اس کا ہے۔ وہ غیر محدود خزانوں والا ہے۔ اسے میرے دل کی تڑپ کا علم ہے اور اس کام کی اہمیت کو جو ہمارے سپرد ہے وہ ہم سے بہتر سمجھتا ہے۔ پس میں اسی سے درخواست کرتا ہوں، کہ وہ جماعت کے سینوں کو کھولے اور انکے دلوں کے زنگ کو دور کرے، تا وہ ایک مخلص اور باوفا عاشق کیطرح اسکے دین کی خدمت کیلئے آگے بڑھیں اور دیوانہ وار اپنی بڑی اور چھوٹی قربانی کو خدا تعالیٰ کے قدموں میں لا ڈالیں، اور اپنے ایمان کا ایک کھلا ثبوت دیکر دشمن کو شرمندہ کریں۔ اور اسکی ہنسی کو رونے سے بدل دیں۔ اور نہ صرف یہ قربانی کریں، بلکہ دوسرے مطالبات جو جانی اور وقتی قربانیوں سے تعلق رکھتے ہیں، ان میں دل کھول کر حصہ لیں۔ اللھم آمین یارب العلمین۔"

ہر جگہ قول اثر نہیں کرتا بلکہ اکثر جگہ نمونہ کا بہت اثر ہوتا ہے۔

مندرجہ بالا تحریک جدید کے نو سالہ جہاد کا نہایت مختصر خلاصہ سیدنا حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کے الفاظ میں دیا گیا ہے۔ اس غرض سے کہ سیدہ حضرت ام المومنین سلمہا اللہ تعالیٰ کی سیرۃ پاک کے پڑھنے والے کو تحریک جدید کی اہمیت اور

ضرورت اور اسکے اعلیٰ اور شیریں ثمرات کا علم ہو جائے۔ اگر وہ ابتک اس جہاد میں شامل نہیں ہوا اور اب اسے اللہ تعالیٰ نے توفیق بخشی ہے، تو وہ بھی سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پانچہزاری فوج میں شامل ہو کر رضاء الٰہی حاصل کر سکے۔

مکرمی مخدومی شیخ محمود احمد صاحب عرفانی ایڈیٹر الحکم نے سکندر آباد سے ایک خط لکھا۔ کہ میں اس سیرۃ میں سیدہ حضرت ام المومنین سلمہا اللہ تعالیٰ کی مالی قربانیوں کا نقشہ دینا چاہتا ہوں۔ اسلئے آپ سیدہ حضرت ام المومنین سلمہا اللہ تعالےٰ کی تحریک جدید کی مالی قربانیوں کا نقشہ بنا دیں۔ اور ساتھ ہی اس کے خاندان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہر ایک ممبر کا نقشہ بھی بنا دیا جائے۔ تا خاندان نبوت کے ہر ایک فرد کی تحریک جدید کے جہاد میں مالی قربانیوں کا حصہ شایع کیا جا سکے۔

میں نے خاندان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قربانیوں کا نقشہ تیار کرنے سے پہلے ضروری سمجھا۔ کہ اس کی سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے اجازت حاصل کر لوں۔ چنانچہ حضور ایدہ اللہ تعالےٰ کے حضور جب یہ معاملہ پیش کیا۔ تو حضور نے ارشاد فرمایا۔ کہ:۔

"بے شک دے دیں۔"

سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی اجازت کے بعد خاندان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تحریک جدید کے نو سالہ جہاد کا نقشہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک ذیل کے ارشاد کے ساتھ دیا جاتا ہے۔ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:۔

"انجیل میں کہا گیا ہے۔ کہ تم اپنے نیک کاموں کو لوگوں کے سامنے دکھلانے کیلئے نہ کرو۔ مگر قرآن کہتا ہے، کہ تم ایسا مت کرو کہ اپنے سارے کام لوگوں سے چھپاؤ۔ بلکہ تم حسب مصلحت بعض اپنے نیک اعمال پوشیدہ طور پر بجا لاؤ۔ جبکہ تم دیکھو کہ پوشیدہ

کرنا تمہارے نفس کیلئے بہتر ہے۔ اور بعض اعمال دکھلا کر بھی کرو، جبکہ تم دیکھو کہ دکھلانے میں عام لوگوں کی بھلائی ہے تا تمہیں دو بدلے ملیں۔ اور تا کمزور لوگ جو کہ ایک نیکی کے کام پر جرأت نہیں کر سکتے وہ بھی تمہاری پیروی سے اس نیک کام کو کر لیں۔ غرض خدا نے جو اپنے کلام میں فرمایا سِرًّا وَّ عَلَانِیَةً۔ یعنی پوشیدہ بھی خیرات کرو اور دکھلا دکھلا کر بھی۔ ان احکام کی حکمت اس نے خود فرما دی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ نہ صرف قول سے لوگوں کو سمجھاؤ بلکہ فعل سے بھی تحریک کرو کیونکہ ہر ایک جگہ قول اثر نہیں کرتا۔ بلکہ اکثر جگہ نمونہ کا بہت اثر ہوتا ہے۔"

خاندان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قربانیوں کی فہرست اسی غرض سے شائع ہو رہی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل اور اسکی توفیق سے خاندان کے ہر ایک ممبر کی قربانی ایسی شاندار اور قابل تعریف ہے کہ وہ خود بخود ہر ایک احمدی کو اپیل کرتی ہے کہ وہ بھی اسی طرح اشاعتِ اسلام اور اشاعت احمدیت کے لئے قربانیاں کرے۔ تا اللہ تعالیٰ کے فضلوں کا وارث ہو۔ فہرست کے پڑھنے سے آپ پر واضح ہو گیا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے خاندان کے اکثر ممبروں کا چندہ ہر سال پہلے سال سے اضافہ کے ساتھ ہے۔ اور خاندان کیطرف سے نو سالہ قربانی میں بہتر ہزار چھ سو ستاون روپیہ ادا ہوا ہے۔ علاوہ ان چندوں کے جو معمولی چندے حصہ آمد یا عام چندہ یا صدقات وخیرات میں دیئے جاتے ہیں۔ صرف خاندانِ نبوت کی تحریک جدید کی رقم ہی باقی جماعت کے چندہ کا ۱/۴ حصہ ہے۔ فَجَزَاهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ الْجَزَاءِ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ

پس احمدیہ جماعت کے ہر فرد کو اسی جذبہ کیساتھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربانیاں کرتے ہوئے ثواب حاصل کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ وَ اٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

خاکسار:۔ برکت علی خان

۱۵ر نومبر ۱۹۴۲ء فنانشل سیکرٹری تحریک جدید جماعت احمدیہ قادیان دارالامان

سیرت حضرت اُمّ المومنینؓ کی پہلی جلد کی تکمیل

اور

داستانِ تصنیف

گذشتہ سال کے سالانہ جلسہ کے بعد تین کتابوں کی تصنیف و اشاعت کا مَیں نے اعلان کیا تھا۔ جن میں سے پہلی تصنیف سیرۃ حضرت اُمّ المومنین تھی۔ کتاب کے اعلان کے بعد مَیں سخت بیمار ہوگیا۔ میری زندگی ایسے لمحات میں سے گذرنے لگی۔ جو نہ صرف مرض کیوجہ سے شدید تھے، بلکہ اپنی شدتِ تکلیف کیوجہ سے بھی بڑے خطرناک تھے۔ صحت کو ایسا دھکا لگا، کہ مبصرینِ صحت کے نزدیک ایک لمبے عرصہ تک مجھے ہر قسم کے کاروبار سے الگ ہوکر محض سیر و سیاحت اور تبدیلیٔ آب و ہوا میں لگ جانا چاہیئے تھا۔ چنانچہ مَیں قادیان سے سکندر آباد دکن چلا گیا۔ کچھ دن والد صاحب قبلہ کے ظلِّ عاطفت میں اور کچھ دن وارنگل میں برادرِ عزیز مکرم شیخ یوسف علی صاحب عرفانی کے پاس بمبئی میں گذارے۔ اِس تبدیلیٔ مکانی سے میری صحت پر اچھا اثر پڑا، اور میری صحت پہلے کی نسبت بہت بہتر ہوگئی۔

اِس حالت میں پھر قلب میں وہ وارفتگی پیدا ہوئی، اور دماغی جنون نے قلم ہاتھ میں پکڑنے کے لئے پکارنا شروع کیا۔ لکھنا، پڑھنا بذاتِ خود ایک مرض ہے، جنکو یہ مینیا ہوجاتا ہے، وہ کسی حالت میں بھی کتاب اور کاغذ سے الگ نہیں ہو سکتے۔

میری اپنی یہ حالت ہے، کہ مَیں شدید سے شدید بیماری میں بھی اخبار

کو ہاتھ میں لینے، اس کی سطروں پر نظر ڈالنے سے تسکین پایا کرتا ہوں۔ کتابوں پر صرف ہاتھ پھیر لینے سے بھی ایک قسم کی تسلی ہو جاتی ہے۔

جن لوگوں کا یہ جنون اور بھی بڑھ جاتا ہے، وہ تو سکراتِ موت میں بھی ایسی باتیں کرنے لگتے ہیں۔ چنانچہ ایک مشہور اخبار نویس کا لکھا ہے، کہ مرنے سے پہلے وہ حالتِ بیہوشی میں بار بار کہتا تھا:-

اِس ٹکڑے کو محفوظ کر لو۔ یہ بہت کار آمد ہے۔

اور اپنے گریبان کو انگلیوں سے کاٹ کر کہتا۔ کہ یہ لوکٹنگ سنبھالکر رکھو۔ یہ کام کا جنون ہے۔

مجھے سیرت حضرت اُمّ المومنین لکھنے کے لئے ایسا ہی جنون تھا۔ چلتے پھرتے، اُٹھتے بیٹھتے میرے دماغ پر یہ دُھن سوار تھی۔ چنانچہ مَیں نے اپنی صحت اور طاقت کا اندازہ کئے بغیر اپنے آپ کو میدانِ عمل میں پھینک دیا۔

سیرت اُمّ المومنین کا مواد

سیرۃ امّ المومنین کا مواد میری نگاہ میں بہت کم تھا۔ اس لئے مجھے تلاش و جستجو میں بہت کچھ سرگردان ہونا پڑا۔ میں نے بلا مبالغہ ہزارہا صفحے اس غرض و غایت کے ماتحت پڑھ ڈالے۔ کئی نوٹ اور یادداشتیں لکھیں۔ چند دن کی محنت نے مجھے بتلا دیا۔ کہ جسم اس قدر محنت کو برداشت نہیں کر رہا۔ ریت کی دیوار کھسکتی ہوئی نظر آنے لگی۔

مگر

اب کتاب کا اعلان ہو چکا تھا۔ جماعت کی طرف سے اس کا ویلکم ہو رہا تھا۔

مَیں نے جو مانگا، وہ مجھے مِل رہا تھا۔ اب مَیں نے دونوں حالتوں کا پُورا پُورا موازنہ کیا۔ ایک طرف اپنی صحت کو اور دوسری طرف اس ذمہ داری کا جسے مَیں نے اپنے اوپر لے لیا تھا۔ اور مَیں نے پورے غور و فکر کے بعد یہ فیصلہ کیا، کہ مَیں اس کام کو جاری رکھونگا، اور ہر قیمت پر جاری رکھونگا۔ خواہ مجھے اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچاتے پہنچاتے اپنی زندگی کا کھیل ختم کر دینا پڑے۔ مجھے اِس ذمہ داری کو نبھانا ہوگا، اور ہر قیمت پر نبھانا ہوگا۔ چنانچہ مَیں ایک تندرست آدمی سے بھی زیادہ مشقت کا بار اُٹھاتا رہا، اور دن اور رات کام کرتا چلا گیا۔

اِس محنت نے مجھے بخار میں مبتلا کر دیا، اور کھانسی کی شدّت اتنی بڑھ گئی، کہ بعض راتیں تو مَیں نے کھانستے کھانستے ختم کر دیں۔ مگر مَیں نے کئی کئی دن اپنے بخار کا کسی سے ذکر نہ کیا۔ کہ مبادا یہ میرے عزیز مجھے کام کرنے سے روک دیں۔ چنانچہ جب ان کو پتہ لگا، تو انہوں نے میرے کام کو روکنے کی ہر ممکن صورت اختیار کی، مگر مَیں نے کسی بات پر بھی توجہ نہ کی۔ انہوں نے ڈاکٹر کو بلانا چاہا، مَیں نے اس کو بھی پسند نہ کیا۔ کیونکہ ڈاکٹر کے آنے کے یہی معنے تھے، کہ کام بند۔ جسے مَیں کسی قیمت پر بند کرنے کے لئے تیار نہ تھا۔

بالآخر

مرض نے مجھ پر اس قدر غلبہ کر لیا، کہ ایک دن جبکہ میں لکھ رہا تھا، تو مَینے دیکھا، کہ میرا دماغ کچھ سوچ رہا ہے، اور میرا قلم کچھ لکھ رہا ہے۔ ہر دفعہ مجھے اپنے لکھے ہوئے فقرے کاٹنے پڑتے تھے۔ اس طرح چند صفحات خراب ہو گئے۔

تب مجھے مایوسی ہوئی۔ یہ میری زندگی کا بالکل پہلا واقعہ تھا۔ مَیں لکھ کر کاٹنے کا عادی نہیں، دماغ ہر فقرے کو مکمل اور درست طور پر وضع کرتا

ہے، اور پھر اس پر نظر ثانی کی ضرورت نہیں رہتی۔ لیکن آج کی کیفیت نے مجھے گھبراہٹ میں ڈال دیا۔ میں نے سمجھا، کہ اب میرے اعصاب میرا ساتھ چھوڑ رہے ہیں، اور دماغ اور دوسرے پٹھوں کا تعاون نہیں رہا۔ تب میں نے ان لکھے ہوئے صفحات کو پھاڑ کر پھینک دیا۔ اور میں ایک تھکے ہوئے اور بہت تھکے ہوئے بیمار کی طرح چارپائی پر لیٹ گیا۔

کتاب حیدرآباد میں چھپ رہی تھی مضمون میرے دماغ میں تھا۔ وقت بہت تنگ تھا، ان حالات نے میرے اندر ایک مایوسی کی لہر پیدا کی۔ اور میں مایوس ہو کر بستر علالت پر لیٹ گیا۔ چند یوم کام چھوڑنا پڑا۔ ڈاکٹر کا مشورہ تو مجھے معلوم ہی تھا۔ ذرا آرام ملنے پر باوجود سخت کمزوری اور نقاہت کے اس کتاب کے کام کو مکمل کرنے کی توفیق پائی۔ اور وہ کتاب جسے میں چار سو صفحے پر ختم کرنا چاہتا تھا ۴۰۰ صفحات تک۔ بڑھ گئی۔

یہ جو کچھ ہوا میری طاقت اور ہمت سے بالکل بڑھ کر ہوا۔ میرے وہم و گمان سے بالکل باہر ہوا۔ میرے جیسا بیمار ایسے کام کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ مگر خدا تعالیٰ نے یہ سب کام اپنے فضل سے ایسے رنگ میں کرا دیئے، کہ میں خود محو حیرت ہوں۔

میرا پہلا مطالبہ پانچ ہزار کتاب شائع کرنے کا تھا۔ کاغذ کی مشکلات کی وجہ سے میں خود اس مطالبہ پر قائم نہ رہ سکا۔ اور میں خود اس سے نیچے اتر کر تین ہزار پر آ گیا۔ میرے دل میں یہ شوق تھا، کہ کتاب زیادہ سے زیادہ تعداد میں لوگوں کے ہاتھوں میں جائے۔ اور یہ کتاب چھپنے سے قبل بک جائے، تا ہماری محبت کا ایک مظاہرہ ہو سکے۔

میں نے اپنی طرف سے یہ ہی قربانی نہیں کی، کہ کتاب کے لکھنے کا ایسے وقت عزم کیا، جبکہ میری صحت اس کی اجازت نہ دیتی تھی، بلکہ یہ بھی قربانی تھی،

کہ میں نے اسکی قیمت اتنی کم رکھی، جو آج اِس زمانہ میں کوئی رکھ نہیں سکتا۔ سوائے چند کاپیوں کے ساری کی ساری کتاب دو روپے فی جلد کے حساب سے دیدی۔ میں اپنی اِس خواہش کے پورا کرنے کے لئے تحریکات کرنے، اعلانات کرنے، خطوط لکھنے، روپیہ جمع کرنے کا کام بھی خود ہی کر رہا تھا۔

خدا تعالیٰ کا شُکر ہے

کہ قوم نے میری آواز کو سُنا۔ اور اپنی محبّت اور شوق اور عشق کا ٹھیک ویسا ہی مظاہرہ کیا، جسکی مجھے خواہش تھی۔

تین ہزار کتاب

ریزرو ہو گئی۔ بیشتر حصّہ کی قیمت نقد وصول ہو گئی۔ مجھ سے بہت سی بزرگ احباب اور خواتین نے کتاب کے کم از کم چار ہزار چھاپنے کا مطالبہ کیا، مگر افسوس! کہ میں ان کی اس خواہش کو پورا نہ کر سکا۔ لیکن مجھے خوشی ہے، کہ کتاب کے خریدار اور خواہشمند آج بھی اس کے خریدنے کے لئے بیقرار ہیں، مگر کتاب مل نہیں رہی۔ یہی وہ نظارہ تھا، جس کے دیکھنے کے لئے میری آنکھیں بیقرار تھیں۔

کتاب کا دُوسرا حصّہ

جب میں نے سیرت حضرت امّ المومنین کے کام کو شروع کیا، اُس وقت میرا خیال تھا، کہ اگر میں تین سو صفحے کی کتاب بھی لکھ دونگا، تو یہ میرا ایک بڑا کارنامہ ہو جائیگا۔ مگر جب میں لکھنے بیٹھا، تو اسقدر مواد سامنے

آیا، کہ ۴۶۴ صفحے لکھکر بھی کتاب مکمل نہ ہوئی۔ اگر سو صفحے میں بھی باقی مضمون آجاتا، تو میں ایک ہی حصّہ میں اس کتاب کو ختم کر دیتا۔ مگر جو مواد سامنے ہے، وہ اتنا زیادہ ہے، کہ چار سو صفحے سے کم میں ختم نہ ہوگا۔ اسلئے میں مجبور ہوا کہ اس کتاب کو جلد اوّل بنا کر جلد ہی دوسری جلد شایع کرنیکا اہتمام کردوں۔

میری طبیعت کی کمزوری

میری طبیعت کی ایک یہ کمزوری ہے کہ میں بعض قسم کے اعتراضوں سے ڈرتا ہوں۔ چنانچہ مجھے اندیشہ پیدا ہوا، کہ کہیں ایسے لوگ نہ پیدا ہوں جو یہ اعتراض کر دیں، کہ محض روپیہ کمانیکی خاطر شاید دوسرا حصّہ بنانیکی تجویز کی ہے۔ سو میں ایسے احباب کی خدمت میں عرض کرونگا، کہ میری اس محنت کو وہ کسی مبصر کے سامنے پیش کر کے دریافت کر لیں، کہ مینے اس کتاب میں کسقدر کما لیا ہوگا۔ ہر شخص یہی کہیگا کہ ایسی کتاب کی قیمت دو روپے بہت کم ہے۔ پس جب میں نے پہلے حصّے میں حصولِ زر کو مقدم نہیں کیا، تو دوسرا حصّہ شایع کرنیکے خیال میں بھی کسبِ زر کا خیال جاگزیں نہیں۔

میری غرض ان حقایق کو پبلک میں لانا ہے، جو اِس زمانہ کی خدیجہ کی ذات سے وابستہ ہیں۔ اور جماعت جن حقایق سے ناواقفِ محض ہے۔ اور چونکہ جماعت ان حقایق سے واقف نہیں اسلئے ان برکات سے بھی پورے طور پر حصّہ نہیں لے سکتی۔ ان واقعات کے اظہار کے بعد اگر کسی کے دل میں ایسا خیال باقی رہے، تو میں اسے اللہ تعالےٰ کی ذات کا واسطہ دیکر کہونگا، کہ وہ اس کتاب کے دوسرے حصّے کی خرید میں حصّہ نہ لے۔

دوسرا حصّہ کب شایع ہوگا؟

میں اب حتمی طور پر نہیں کہہ سکتا، کہ سیرت اُمّ المومنین کا دوسرا حصّہ کب شایع ہوگا۔

مگر سال کے اندر کسی وقت بھی شایع ہو سکیگا - اس کتاب کی آئندہ مستقل قیمت تین روپے ہو گی - پہلے حصہ کی بھی اور دوسرے کی بھی - میں چاہتا ہوں، کہ اگلا حصہ پورا پانچہزار شایع ہو - اور میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں، کہ پانچہزار خریداروں کا مہیا ہو جانا بہت آسان ہے - جن احباب اور خواتین کو اس کتاب کے پڑھنے میں کوئی لذت محسوس ہو، اور وہ اسے اپنے ایمان میں اضافہ کا باعث خیال کریں، وہ اپنی خریداری کو اگلی کتاب کیلئے ابھی سے رجسٹر کرادیں، اور قیمت بھی بطور پیشگی حضرت سیٹھ صاحب کے پاس جمع کرادیں - تاکہ جسوقت کتاب تیار ہو جائے، اسی وقت سال کے کسی بھی حصہ میں پریس میں دیدی جائے -

اس کتاب کی اشاعت میں حصہ

جن احباب نے اس کتاب کی اشاعت میں حصہ لیا ہے - میں ان کا از حد شکر گذار ہوں - اور ان معاونین کرام کا جنہوں نے ۵ نسخوں سے لیکر ۲۰۰ نسخوں تک خرید کر میرا ہاتھ بٹایا، اور سیرت کے عالم وجود میں لانیکا باعث ہوئے - میں انکے اسماء گرامی بطور ایک تاریخی واقعہ کے اس کتاب میں شایع کرتا ہوں جزاہم اللہ احسن الجزاء اور احباب سے درخواست کرتا ہوں، کہ وہ ان سب احباب کیلئے دعا کریں جو اس کتاب کی خرید میں شریک ہوئے حتّٰی کہ جنکے اسماء میں شایع نہیں کر سکا ان کیلئے بھی دعا کریں اور میں نہایت ادب سے سیدنا حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز اور حضرت سیدۃ النساء امّ المومنین سیدہ نصرت جہان بیگم صاحبہ کی خدمت میں ان تمام مشترئین کرام کیلئے دعا کی درخواست دعا کرتا ہوں -

خاکسار :- محمود احمد عرفانی

مصنف سیرۃ حضرت امّ المومنین

۳ر دسمبر ۱۹۴۳ء مطابق ۵ر ذی الحجہ ۱۳۶۲ھ

اسم مشترک	تعداد جلد	اسم مشترک	تعداد جلد
حضرت سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب بمعہ خاندان	۳۰۰	جناب مولوی عبدالرحمن صاحب مبشر قادیان	۵۰
" نواب محمد عبداللہ خانصاحب بمعہ بیگم صاحبہ	۱۰۰	" محمد اسمٰعیل صاحب وکیل یادگیر دکن	
جناب ناظر صاحب دعوۃ و تبلیغ	۱۰۰	جناب میرزا برکت علی صاحب آبادان بمعہ فیملی	۴۰
آل عرفانی	۱۶۵	جماعت احمدیہ لنڈن بذریعہ مولانا شمس صاحب	۴۰
جناب حکیم عبداللطیف صاحب شہید قادیان	۱۰۰	آنریبل سر محمد ظفر اللہ خانصاحب	۳۳
جناب میاں غلام محمد صاحب اختر کنٹرولر آف ریلوے سپلائی لاہور	۶۱	مولوی بشیر الدین خانصاحب مڈرانجا	۳۰
جناب میرزا ارشد بیگ صاحب آف پٹی	۵۱	حضرت نواب سیدہ مبارکہ بیگم صاحبہ	۲۵
حضرت میرزا شریف احمد صاحب	۵۰	صاحبزادہ میرزا ظفر احمد صاحب	۲۵
جناب میرزا رشید احمد صاحب رئیس قادیان	۵۰	جناب مہتہ عبدالقادر صاحب (قادیانی) کلکتہ	۲۵
جناب سیٹھ محمد اعظم صاحب حیدرآباد دکن	۵۰	مکرم شیخ یوسف علی صاحب عرفانی	۲۱
جناب سیٹھ پیارا لال صاحب صراف قادیان	۵۰	جناب نواب اکبر یار جنگ بہادر حیدرآباد دکن	۲۵
حضرت عرفانی کبیر صاحب	۵۰	عزیز نسیم احمد خان بمبئی	۲۱
عزیز مکرم محمود علی حسین ابن حضرت بابو فیروز علی صاحب مرحوم	۵۰	چوہدری غلام احمد صاحب آوان بمبئی	۲۰
محترمہ استانی میمونہ صوفیہ صاحبہ و استانیاں نصرت گرلز ہائی سکول	۵۰	جناب شیخ مظفر الدین صاحب امپریل الیکٹرک سٹور پشاور	۲۰
جناب سید بشارت احمد صاحب امیر جماعت احمدیہ حیدرآباد دکن	۵۰	جناب احمد اللہ خانصاحب کوئٹہ	۲۰
		" صوفی غلام محمد صاحب بی ایس سی کی معرفت بورڈران تحریک جدید	۲۰
		جناب شیخ عبدالرحمن صاحب ہیڈ کلرک نوشہرہ	۲۰

تعداد جلد	اسم مشترک
۱۶	حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب
۱۶	جناب بابو عبدالرحمٰن صاحب امیر جماعت انبالہ
۱۵	" جمعدار شیر محمد خان صاحب ۱۵ پنجاب رجمنٹ لنڈی کوتل
۱۵	جناب جمعدار محمد اشرف خان صاحب ۱۵ پنجاب رجمنٹ لنڈی کوتل
۱۵	جناب سید ارتضیٰ علی صاحب گورنمنٹ کنٹراکٹر دہلی
۱۵	طالبات مدرسہ دینیات قادیان
۱۴	لجنہ اماء اللہ محلہ دارالرحمت "
۱۲	جناب مطیع اللہ صاحب قریشی "
۱۲	" عبدالغفار صاحب کانپور
۱۱	واقفین تحریک جدید بذریعہ مولانا انور صاحب
۱۰	صوبیدار محمد عبداللہ خان صاحب ۱۵ انبالہ چھاؤنی
۱۰	جمعدار کوارٹر ماسٹر عبداللہ خان انبالہ چھاؤنی
۱۰	جناب میاں عباس احمد خان صاحب قادیان
۱۰	" میرزا عبدالحق صاحب ایڈووکیٹ گورداسپور
۱۰	عزیز مکرم مہتہ عبدالرزاق صاحب قادیان
۱۰	جناب ڈاکٹر محمد احمد صاحب
۱۰	جماعت احمدیہ محبوب نگر دکن

تعداد جلد	اسم مشترک
۱۰	جناب چوہدری مشتاق احمد صاحب بی-اے-ایل ایل بی- باجوہ قادیان
۱۰	جناب سردار مصباح الدین صاحب قادیان
۱۰	صاحبزادہ میرزا منیر احمد صاحب دہلی
۱۰	حضرت میرزا بشیر احمد صاحب ایم-اے
۱۰	حضرت میر محمد اسحٰق صاحب قادیان
۱۰	جناب حافظ بشیر احمد صاحب "
۱۰	" مرزا فتح محمد صاحب عراق
۱۰	" شیخ فضل الرحمٰن صاحب اختر ملتان
۱۰	" میرزا اجمل بیگ صاحب قادیان
۱۵	محترمہ سلیمہ بیگم صاحبہ بنت سیٹھ محمد غوث صاحب حیدرآباد (دکن)
۱۰	جناب ملک بشیر احمد صاحب کنجاہی ٹھیکیدار (دکن)
۱۰	محترمہ مجیدہ بیگم صاحبہ گھٹرک
۱۰	جناب خلیفہ ناصر الدین صدیقی صاحب تحصیلدار چونیاں
۱۰	لائبریری تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان
۱۰	محترمہ سیدہ فضیلت بیگم صاحبہ سیالکوٹ
۱۰	صاحبزادہ میرزا حمید احمد صاحب قادیان

اسم مشترک	تعداد جلد
جناب قاضی عبدالرشید صاحب ہیڈ کلرک سکندرآباد (دکن)	۱۰
جناب پیر نیاز احمد صاحب. نصراللہ	۱۰
" ملک عمر علی صاحب رئیس ملتان قادیان	۶
جناب شیخ محمد اسمٰعیل صاحب سراوی اور انکی صاحبزادی امۃ السلام بیگم صاحبہ	۶
مولوی عبدالواحد صاحب مبلغ کشمیر	۵
جناب چوہدری ابوالہاشم صاحب ایم اے	۵
" سید عبدالحی صاحب (منصوری)	۵
" صاحبزادہ مجید احمد صاحب. قادیان	۵
" سید حیدر علی صاحب، حیدرآباد	۵
حضرت بھائی عبدالرحمن صاحب قادیانی	۵
" منشی عبدالعزیز صاحب قادیان	۵
جناب ڈاکٹر عبدالمجید خان صاحب قلات	۵
جماعت احمدیہ جبل پور معرفت محمد عثمان صاحب بھیروی	۵
جناب چوہدری غلام حسین صاحب اوورسیر جنرل سروس کمپنی قادیان	۵
حضرت مفتی محمد صادق صاحب قادیان	۴
جناب میاں محمد یوسف صاحب سپرنٹنڈنٹ لاہور	۵
محترمہ اہلیہ صاحبہ چوہدری احمد جان صاحب	۵
جناب منشی فضل الدین صاحب مدرس بنگہ	۵
" حاجی اسمٰعیل صاحب ریٹائرڈ قادیان	۵
" مولوی ارجمند خان صاحب "	۵
" شیخ نیاز احمد صاحب ریٹائرڈ انسپکٹر پولیس قادیان	۵
جناب محمد عمر بشیر احمد صاحب	۵
" سردار احمد خان صاحب	۵
" نذیر احمد خان صاحب بنگلور	۵
محترمہ بیگم صاحبہ چوہدری بشیر احمد صاحب کنٹرولر سپلائی دہلی	۵
محترمہ احمدہ بیگم صاحبہ	۵
جناب چوہدری اسد اللہ خان صاحب بیرسٹر ایٹ لا لاہور	۵
نور الدین خوشنویس کاتب سیرت حضرت ام المومنین کاتب الحکم وریویو اردو قادیان	۵

اشاعت سیرۃ حضرت ام المومنین میں خاندان عرفانی کا حصہ

تحدیث بالنعمت کے طور پر میں افراد خاندان عرفانی کے اشتراک کی فہرست بھی تفصیلی طور پر دینی چاہتا ہوں :-

اسم مشترک	تعداد جلد	اسم مشترک	تعداد جلد
حضرت عرفانی کبیر صاحب	۵۰	عزیز محمد عثمان عرفانی صاحب	۵
والدہ صاحبہ شیخ محمود احمد عرفانی	۱۰	" " مبارک یحییٰ "	۲
اہلیہ " " " "	۱۰	عزیزہ جمیلہ خاتون۔ عزیزہ نسیمہ خاتون	
شیخ محمد ابراہیم علی صاحب عرفانی	۱۰	عزیزہ زکیہ خاتون۔ عزیزہ طاہرہ خاتون	
اہلیہ صاحبہ " " "	۵	عزیز رفیق احمد مظفر عرفانی اولاد	۵
شیخ یوسف علی صاحب "	۲۱	شیخ محمود احمد عرفانی۔	
اہلیہ صاحبہ " " "	۵	ہر ایک کی طرف سے ایک ایک	
شیخ داؤد احمد صاحب عرفانی معہ		عزیزہ صدیقہ ناصرہ بنت	
بچگان عزیز سلطان فیروز بخت عرفانی	۱۵	شیخ محمد یوسف صاحب عرفانی	۱
عزیزہ سلیمہ سلطانہ۔ عزیزہ سعیدہ درشاہوار		عزیزہ صداقت خاتون	
اہلیہ صاحبہ شیخ داؤد احمد صاحب عرفانی	۱۰	بنت بابو فیروز علی صاحب	۱
اہلیہ صاحبہ شیخ عبدالرب صاحب "	۵	مرحوم	
عزیز محمد سلیمان	۵		
اہلیہ صاحبہ "	۵	میزان	۱۶۵

اس میں اگر عزیز مکرم محمود علی حسین اور عزیز مکرم حوالدار محمد عبد اللہ صاحبان جو دونو میرے نسبتی بھائی ہیں کی تعداد شامل کر لی جائے تو ساری تعداد ۲۲۵ ہو جاتی ہے۔

ضروری اعلان

میرا لخت جگر عزیز محبوب احمدؐ عرفانی مرحوم و مغفور بھی اپنے قلب میں اپنی خاندانی روایات کے مطابق خاندانِ نبوّت کی بڑی محبت رکھتا تھا۔ وہ آج اگر زندہ ہوتا۔ تو اس کتاب کے اشاعت پذیر ہونے پر بڑی خوشی اور مسرت محسوس کرتا، مگر مشیت الٰہی اسے اپنے پاس لے گئی، اور مَیں آج اسکی عدم موجودگی کی کمی کو محسوس کر رہا ہوں۔

اس لیئے مَیں اعلان کرتا ہوں، کہ مَیں اس کی رُوح کو ثواب پہنچانیکی غرض سے دس کتابیں مدرسہ احمدیہ کے نادار اور نیک لڑکوں کو مفت اس شرط پر دونگا، کہ وہ عزیز محبوب احمدؐ عرفانی کے لئے دعا کیا کریں گے۔

محمود احمدؐ عرفانی

جذباتِ امتنان!

۱۔ سب سے اوّل تو اللہ کی بیحد حمد و شکر ہے۔ کہ جس نے باوجود شدید حالاتِ مرض کے مجھے توفیق دی، کہ مَیں اس کتاب کو ایک حد تک پایۂ تکمیل کو پہنچا سکوں۔ پھر اس نے اپنے فضل سے اسکی قبولیت کیلئے احباب کے قلوب میں تحریک کی اور اسکی قبولیت اسکی اشاعت سے قبل ہی قائم کر دی۔ پس سب شکر و حمد اسی کو ہے الحمد للہ اوّلاً و آخراً وظاهراً و باطناً و لہ الحمد۔

۲۔ پھر مَیں خاندانِ نبوّت کے افراد کا شکر گذار ہوں، جن میں سے اکثر افراد نے میری ہر رنگ میں حوصلہ افزائی فرمائی، حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز جنکو بینئے انکی علالتِ طبع کے پیش نظر کسی قسم کی تکلیف دینی پسند نہ کی تھی انکے متعلق مجھے متعدد مرتبہ معلوم ہُوا، کہ

انکی ذاتِ گرامی کی عنایات ہر وقت میرے شاملِ حال رہیں۔ حضرت اماں جی حرم حضرت خلیفہ اولؓ کو بمبئی سے بعض روایات کے متعلق لکھا۔ وہ اُس وقت ڈلہوزی میں تھیں۔ انہوں نے حضرت سے میری خواہش کا ذکر کیا۔ حضورؓ نے اُن سے میری سفارش فرمائی، کہ وہ ضرور اپنی روایات مجھے لکھ دیں یا لکھوا دیں۔

فنانشل سیکرٹری صاحب تحریک جدید سے جب میں نے نو سالہ حسابات مانگے، اور انہوں نے حضرت سے اجازت چاہی تو حضور نے بخوشی اجازت مرحمت فرما دی۔

اسی طرح کتاب کے نام کے متعلق بھی آپ نے پرائیویٹ سیکرٹری صاحب کی معرفت بعض اہم ہدایات مرحمت فرمائیں۔ ان سب امور سے حضور کی عنایت و شفقت کا بآسانی پتہ چل سکتا ہے۔

آپ کے بعد حضرت میرزا بشیر احمدؐ صاحب، حضرت میرزا شریف احمد صاحب، حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ، نواب محمد عبد اللہ خان صاحب، حضرت میر محمد اسحٰق صاحب، جناب میرزا عزیز احمدؐ صاحب ایم۔ اے، جناب میرزا رشید احمدؐ صاحب، صاحبزادہ میرزا ظفر احمدؐ صاحب، ان سب کیطرف سے میری ہر رنگ میں حوصلہ افزائی ہوئی۔ جزاہم اللہ احسن الجزاء

۳۔ ان بزرگوں کے ذکر کے بعد میں سب سے زیادہ حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب سول سرجن کا شکر گذار ہوں کہ جنہوں نے باوجود اپنی علالتِ طبع کے پوری توجہ سے کتاب کو ملاحظہ فرمایا۔ ضروری ضروری غلطیوں کی اصلاح فرمائی۔ ہر قسم کے مشورے اور علمی امور میں میری راہنمائی فرمائی۔ میں حضرت میر صاحب قبلہ کی اس قیمتی اعانت کے بغیر ہرگز اس کتاب کے شایع کرنیکے قابل نہ تھا۔

۴۔ حضرت میر صاحب کے بعد حضرت عرفانی کبیر قبلہ کا مجھ پر بہت بڑا احسان ہے کہ انہوں نے اس کتاب کیلئے ہر قسم کی دوڑ دھوپ اور اسکی طباعت کا سارا بار اپنے اوپر لے لیا روزانہ ڈاک میں قیمتی مشورے۔ اَن تھک دوڑ دھوپ، اور ہر قسم کی حوصلہ افزائی اُن کا

معمول رہا۔ یہ چیز میرے لئے بڑی بابرکت اور مفید ثابت ہوئی۔

۵۔ ان کے سوا حضرت سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب کی مجھے ہر قسم کی مدد حاصل رہی۔ مہاشہ فضل حسین صاحب نے خاندان کے تاریخی حالات کے متعلق بعض مفید کتابوں کی طرف راہنمائی کی، جنکے ذریعے مجھے اچھی مدد ملی۔ جناب شیخ محمد اسمٰعیل صاحب سرساوی اور حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی نے دعاؤں کے ذریعہ میری بڑی مدد فرمائی۔ شیخ محمود احمد صاحب ٹی سنڈیکیٹ حیدرآباد دکن نے روایات کے حصول اور خریداروں کے مہیا کرنے میں بہت سرگرم امداد مجھے بہم پہنچائی۔ اسکے علاوہ مولوی ظہور حسین صاحب مولوی فاضل، خواجہ خورشید احمد صاحب مجاہد، مولوی محمد نذیر صاحب مولوی فاضل وغیرہ دوستوں نے حصہ رسدی میری مدد کی۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو میری طرف سے خود جزائے خیر دے۔

۶۔ اخیر میں مَیں اسی سلسلہ میں اپنی بیوی کا بھی ذکر کرونگا جس نے میری دیکھ بھال اور غذا اور دوا وغیرہ کا نہایت محنت اور توجہ سے خیال رکھا۔ اور اسکے سوا روزانہ بڑے اہتمام سے دعائیں جاری رکھیں۔ اسکی اس کوشش سے مجھے آرام ملا جسکی وجہ سے میں کام کرنیکے قابل ہو سکا اور دعاؤں سے بھی طاقت و قوت ملی۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو میری طرف سے بہترین جزا دے۔

اس کے سوا ہر وہ شخص جس نے ذرا بھی میری اس سلسلہ میں کوئی خدمت کی، میں ان سب کا شکر گذار ہوں۔ جزاہم اللہ احسن الجزاء

محمود احمد عرفانی

اگلی تصنیفات!

مَیں اللہ تعالیٰ کے فضل و رحم پر بھروسہ کر کے اعلان کرتا ہوں کہ آئندہ سالوں میں مندرجہ ذیل کتابیں شائع کرنیکا عزم رکھتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنے فضل و کرم سے میری صحت کو درست کر دے اور ان خدمات کی سرانجام دہی کی توفیق دے۔ آمین

۱۔ سیرت حضرت ام المومنین حصہ دوم

حضرت ام المومنین کی سیرت کا دوسرا حصہ جس میں بہت سے تاریخی واقعات، سیرت و شمائل پر سیر کن بحث، حضرت ام المومنین کی دینی خدمات، حضرت ام المومنین کے مکتوبات کے فوٹو۔ پیغامی اعتراضات کے جوابات۔ حضرت ام المومنین کی سیرت پر صحابہ اور صحابیات کی روایات، حضرت ام المومنین کی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سیرت کے متعلق بیان کردہ روایات، حضرت ام المومنین کی تبلیغی مساعی وغیرہ وغیرہ نہایت قیمتی معلومات۔ کم از کم چار سو صفحات قیمت تین روپے بغیر محصول ڈاک۔

۲۔ تعارف!

یہ کتاب صحابہؓ مسیح موعود علیہ السلام کے حالات پر مبنی ہوگی۔ یہ کتاب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اپنی ایک خواہش کو پورا کرنے کے لئے شایع کرنیکا عزم رکھتا ہوں۔ اس کتاب کی متعدد جلدیں ہوں گی۔ حتیٰ کہ سلسلہ کے تمام بزرگ اور قابل ذکر ہستیوں کا ذکر آجائے۔

تعارف میں فوٹوز لگانیکی سعی کی جائے گی۔ بشرطیکہ فوٹوز کے طبع و اشاعت کے اخراجات ان کے اقربا ادا کر دیں۔ ایک نہایت مفید کتاب ہوگی

۳۔ سیرت حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح ثانی

یہ کتاب بھی میرے بچپن کے زمانے سے میرے دماغ پر حاوی ہے۔ میں نے

حضرت امیر المومنین کی سیرت کو ایک ایسے مصلح کی سیرت میں دیکھا، جو دُنیا کے نہایت خطرناک دَور میں دُنیا کی نجات کے لئے خدا کی نہاں در نہاں مصلحتوں نے دُنیا کو عطا فرمایا۔

جو نئی دُنیا، نئی زمین، نئے آسمان

کی تکوین کے وقت خلیفۃ اللہ فی الارض قرار دیا گیا۔ اسکی زندگی کی ہر حرکت، ہر سکون، دُنیا کی نئی تخلیق میں راہنما ثابت ہوئی۔ جس کی خلافت پر بہت شور ہوا۔ مگر ملائکہ کو فتح ہوئی۔

شیطان سے آخری جنگ میں اس عظیم انسان نے اپنی ساری طاقت ملائکہ کی فوج ساتھ لیکر لڑائی اور فتح پائی۔

یہ کتاب کیسی ہوگی۔ حرف اور حرف پڑھنے سے اس کا اندازہ لگ سکے گا۔ کم از کم دو ہزار صفحات کا چار جلدوں کا مجموعہ ہوگا۔ یہ کتاب مصوّر ہوگی +

وَ بِاللّٰہِ التَّوْفِیْقُ

طالب دعا

محمود احمد عرفانی

SHAFI AHMAD COLLECTION
GIFTED BY:
SYED BARAKAT AHMAD

دعا کسار نور الدین خوشنویس کاتب قادیان دارالامان کو اس مبارک کتاب کے لکھنے کا شرف ملا،
۱۳۵۷ھ الحمد للہ علیٰ ذالک!

LIBRARY
JAMIA HAMDARD

جامعہ ہمدرد
JAMIA HAMDARD
H.M.S CENTRAL LIBRARY

... ابتداً تین سو

... دینے کا عزم تھا

... نے کتاب کی

اہمیت اور سلسلہ مضمون کے لحاظ سے مناسب

سمجھا اور بہتر علالت پر قریباً ساڑھے چار سو صفحہ تک

حصہ اوّل ختم کرنے پر مجبور ہوگئے۔ اخراجات

کثیر ہوگئے ہیں اسلئے اُن احباب سے جنہوں نے

اس کتاب کیلئے اپنے اخلاص و قدر دانی کا

اظہار کیا ہے خاص توجہ کیلئے کہنا غیر مناسب نہیں ہے والسلام

خاکسار عرفانی کبیر

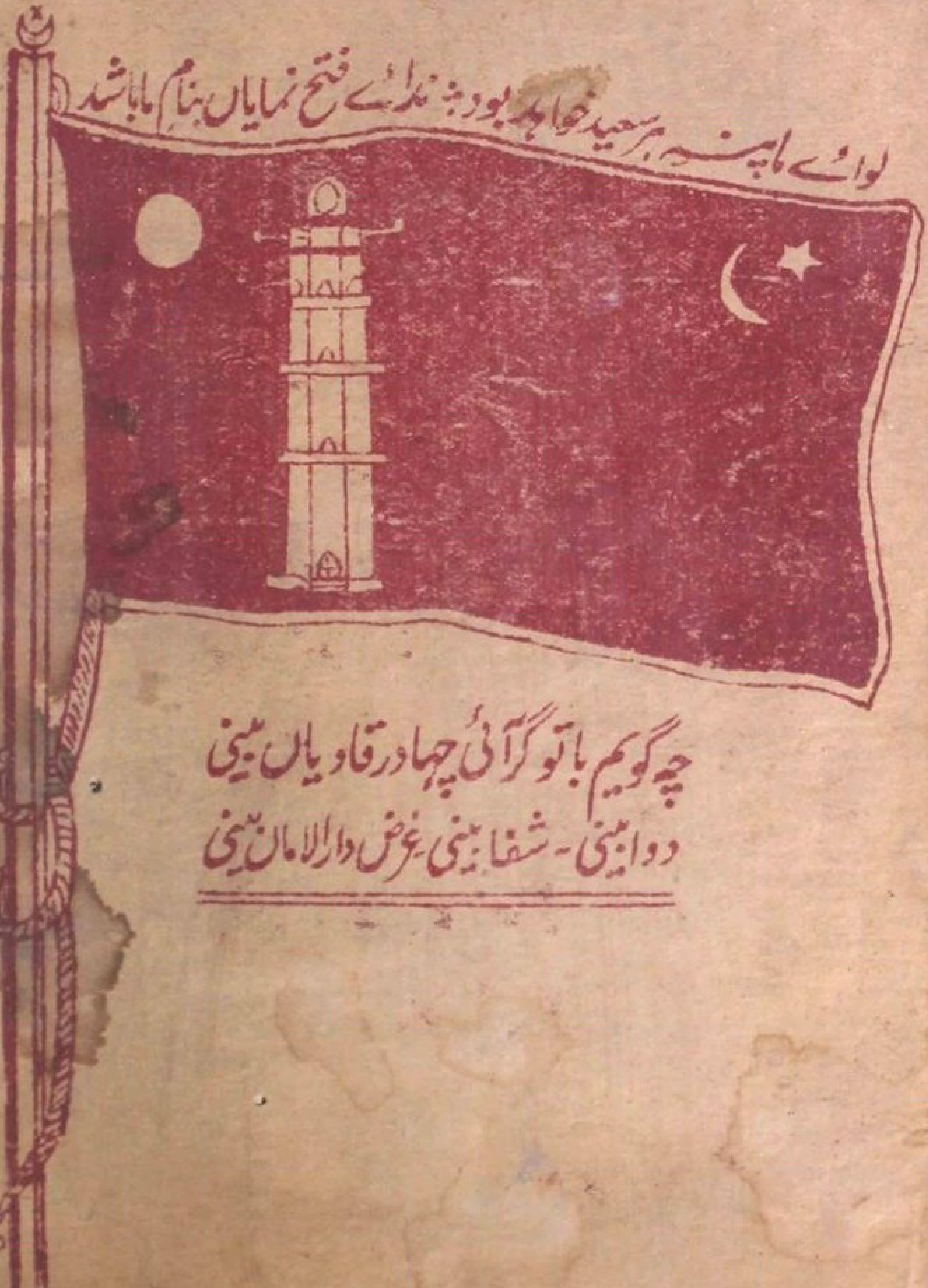

چہ گویم با تو گر آئی چہا در قادیاں بینی
دوا بینی - شفا بینی - غرض دار الامان بینی